

ایک دیوی، ایک عورت کی حیرت ناک کہانی

جھوٹا

PDFBOOKSFREE.PK

مظہر الحق علوی

ایک پراسرار و ہیبت ناک ناول

مظہر

مظہر الحق علوی

نوا۔ ناشرین کتب

راجپوت مارکیٹ، اردو بازار، لاہور 7223600 ©

وہ قربان گاہ کی تصویر تھی۔ زمانہ قدیم کی قربان گاہ جس میں بھیٹ چڑھایا جاتا تھا انسان کو بھیٹ چڑھانے کی رسم ادا ہو رہی تھی۔

باکس طرف کسی دیوی کی مرعوب کن تصویر تھی۔ دیوی ایک تخت پر نہایت شان و تمکنت سے بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ دونوں ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھے بیٹھی تھی اور اس کے جسم کا اوپری حصہ عریاں تھا۔ مجھے سمجھتے دیر نہ لگی کہ وہ مصر قدیم کی مشہور دیوی ایزبس تھی۔

دیوی کے عین سامنے شعلے بھڑک رہے تھے اور شعلوں کے درمیان قربان گاہ تھی اور اس قربان گاہ پر ایک سفید فام لڑکی کھڑی تھی جو برہنہ تھی اور جسے زندہ جلایا جا رہا تھا۔

خیر تو بھیٹ چڑھانے کی رسم ادا ہو رہی تھی ایک انگریز لڑکی کو بھیٹ چڑھایا جا رہا تھا۔ اسے برہنہ کر کے قربان گاہ پر باندھا گیا۔ پھر ان شیطانوں نے شرمناک حرکتیں کیں اور اس لڑکی کو طرح طرح سے اذیت پہنچانے کے بعد اسے زندہ جلا دیا گیا۔ میں کمبلوں کے انبار پر پڑا یہ سب کچھ دیکھتا رہا۔

بھیٹ کی رسم ادا ہو چکی۔ عبادت پوری ہو چکی لڑکی کی راکھ کو تبرک کے طور پر ان لوگوں نے آپس میں تقسیم کر لیا جو وہاں جمع تھے پھر وہ چلے گئے اور میں اس کمرے میں اس لڑکی کے ساتھ اکیلا رہ گیا۔ جس نے ایک رات مجھے گیت سنا کے مسحور کر دیا تھا اور جو اس مذبح خانے کی شاید متولی یا محافظ تھی یا شاید کاہنہ اس رسم کے بعد وہ لڑکی نشے میں چور ہوتی تھی۔ چنانچہ اس دن بھی اس کی ایسی ہی حالت رہی وہ حسب معمول میرے بوسے لینے کے لئے میرے قریب آ رہی تھی۔ جب وہ میرے قریب آئی تو دفعۃً کچھ ہوا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ بوجھ جس کے نیچے میں دبا پڑا تھا۔ دفعۃً کھسک گیا ہوا جیسے کوئی بندھن ٹوٹ گیا ہو۔ یکا یک مجھے آزادی کا احساس ہوا۔ یکا یک میری بے بسی پکھل گئی۔

(اسی ناول سے)

پہلا حصہ

رابرٹ ہالٹ کا حیرت انگیز بیان

”جگہ نہیں ہے بھاگ جاؤ۔“

اور دروازہ دھڑ سے بند کر دیا گیا۔

یہ گویا اونٹ کی پیٹھ پر آخری تنکا ثابت ہوا۔

میں دن بھر کام کی تلاش میں بھٹکتا رہا۔ میں کوئی ایسا کام کرنے کے لئے بھی تیار تھا جس سے مجھے اتنے پیسے مل جائیں کہ میں تھوڑا سا سالن یا پیئر اور ایک روٹی خرید کر پیٹ کی آگ بجھا سکوں۔ میں بچ اور گرا ہوا نہیں ہوں لیکن کام کی خاطر میں لوگوں کے سامنے لڑگڑایا۔ ہاتھ جوڑے اور حد تو یہ ہے کہ ان کے پیروں پر سر تک رکھ دیا۔ لیکن کسی نے مجھے کوئی کام نہ دیا۔ دن بھر بھٹکتے رہے اور ہر جگہ سے مایوس لوٹ آنے کے بعد میں غریب خانہ پر پہنچا تھا۔ خیال تھا کہ اور کچھ نہ ہو سکی رات بھر پر رہے جو جگہ تو مل ہی جائے گی۔ میں بھوک اور تھکن سے نیم جان ہو رہا تھا اور اسی بھوک اور تھکن نے میرے قدم غریب خانے کی طرف اٹھا دیئے تھے لیکن وہاں بھی جگہ نہ ملی وہاں سے نکاسا جواب مل گیا۔

”بھاگ جاؤ۔“

”کہاں بھاگ جاؤں کہاں جاؤں؟“

میں کھڑا اس دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا جو ابھی ابھی نہایت خشونت سے بند کر دیا گیا تھا۔ یقیناً نہیں آ رہا تھا کہ غریب خانے کا دروازہ بھی میرے لئے بند کیا گیا تھا۔ کہتے ہیں کہ غریب خانے کا دروازہ ہر کسی کے لئے ہر وقت کھلا رہتا ہے۔ ممکن ہے کھلا رہتا ہو۔ بہر حال میرے لئے تو وہ کھلا نہ تھا۔ میں بھی عجیب اونٹنی قسم کے لے کر دنیا میں آیا ہوں۔ یقیناً ماننے میں بچ، آوارہ گرد اور بھٹکوتیں ہوں۔ میں ایک شریف آدمی ہوں چنانچہ میں اپنی شرافت اور خودداری کا گلا گھونٹ کر غریب خانے پر آیا تھا۔ اس لئے کہ کسی اور جگہ جگہ ملنے کی امید نہ تھی اور اس لئے میرا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ غریب خانہ میری امید کا آخری سہارا تھا۔ لیکن وہاں بھی مجھے جگہ نہ ملی۔ غریب خانے کے ناظم نے نہایت غصہ کے عالم میں جواب دیا اور نہایت غصہ کے عالم میں دروازہ بند کر دیا۔ غریب خانہ دنیا بھر کے اوباشوں اور بد معاشوں کے لئے تو کھلا ہے

کھڑکی

لیکن مجھے جیسے شریفوں کے لئے اس میں جگہ نہیں۔ میں اوباش اور بد معاشر نہیں ہوں۔ میں بھوکا تھا اور بے گھر لیکن کسی کا بھوکا اور بے گھر ہونا اس کے اوباش ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ اکثر اوقات شریف بچے لوگ ہی بھوکے اور بے گھر نظر آتے ہیں۔ اس کے برخلاف اوباش اور آوارہ گرد عیاشیاں کرتے اور چھرے اڑاتے ہیں۔ مجھے کہاں رہنا تھا ہمیشہ غریب خانے میں صرف ایک رات بسر کرنی تھی۔ صبح میں اپنی راہ لیتا اور اس رات کو جو میں نے شہیدوں کے ساتھ گزاری ہوئی۔ شاید میں عمر بھر نہ بھلا سکتا اور غالباً مرتے دم تک میرا ضمیر مجھے اس بات پر ملامت کیا کرتا۔ یہ سب جانتے ہوئے میں نے غریب خانے پر دستک دی۔ اپنے دل پر جبر کر کے اور ہر طرف سے مایوس ہو کر دستک دی تھی لیکن میری قربانی اپنی شرافت اور خودداری کی یہ قربانی کسی کام نہ آئی۔ غریب خانے میں مجھے جگہ نہ ملی۔

رات اندھیری تھی اور بڑی تکلیف دہ ثابت ہو رہی تھی۔

غریب خانے کا دروازہ بند ہو چکا تھا اور اب اس کے کھلنے کی کوئی امید نہ تھی میں سڑک پر کھڑا ہوا تھا۔ بھوکا اور جلد دھج تھکا ہوا۔ ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ دھند جیسی بارش جو نہ صرف مجھے بھگور رہی تھی بلکہ میری بندیوں کے گودے تک کو ٹھنڈا کر رہی تھی۔ اس پھوار میں دور کی چیزوں کا توڑ کر بی کیا قریب کی چیزیں بھی نظر نہ آ رہی تھیں۔ قریب کے ایک گھر میں اندھی اندھی سی روشنی ہے دور کوئی کسار رہا تھا اور میں نہیں جانتا کہ کہاں جاؤں۔

اس شہر میں میں اجنبی تھا۔

میں ہمیر اسمتھ میں بڑی امیدیں لے کر آیا تھا۔ لندن کے ہر شہر میں میں قسمت آزمائی کر چکا تھا اور اب یہاں آیا تھا۔ خیال تھا کہ یہاں کوئی چھوٹا موٹا کام مل جائے گا اور میں کم سے کم بھوکا نہ مردوں گا۔ لیکن یہاں بھی کوئی کام نہ ملا۔ اس بے فیض غریب خانے کے سامنے سے ہٹ آیا اور اپنی تسلی ہوئی ٹائلیں گھینٹتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ میں ایک گلی میں سے گزر کر دوسری طرف پہنچا۔ تو دفعۃً جیسے عہد قدیم میں پہنچ گیا۔ یہ جگہ جہاں میں پہنچا تھا وہ ایران اور سونی تھی اور وہاں کی فضا بھی عجیب تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے میں موجودہ تہذیب و تمدن اور سائنس کی ترقیوں کو کہیں بہت پیچھے چھوڑ آیا ہوں۔ سڑک کچی اور ناہموار تھی۔ مکانات گنے گنے اور ایک دوسرے سے بہت دور تھے۔ بارش بھی نہ تھی اور اس پھوار کے پردے میں سے جن مکانات کو میں دیکھ سکا ان کو دیکھ کر حیران ہوں کہ کیا ہوں وہ مکانات سے زیادہ کچی جھونپڑیاں معلوم ہوتی تھیں۔ یہ مکانات بہت خراب اور خستہ حالت میں تھے اور اس قدر پرانے کہ معلوم ہوتا تھا پہلی ہی موسلا دھار بارش میں ان کا زور دم سے نیچے آ رہا ہے۔ اکادمکانات میں مدھم سی روشنی ہو رہی تھی اور یہ اندھی روشنی اس مقام کی ویرانی میں اور بھی اضافہ کر رہی تھی۔

اور وہاں پہنچ کر مجھے پہلی دفعہ احساس ہوا کہ رات غیر معمولی طور پر خاموش اور بھیا تک تھی۔

میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ اس وقت میں شہر کے کون سے حصہ میں تھا۔ البتہ ایسا کچھ احساس تھا کہ اگر میں چلتا رہا تو دلہام گرین کے کسی حصے میں پہنچ جاؤں گا۔ لیکن مجھے کتنی دیر تک چلنا پڑے گا۔ میں یہ نہیں جانتا تھا اور نہ اس کا اندازہ لگا سکتا تھا۔ سڑک بالکل سنسان تھی۔ کہیں کوئی راگبیر نظر نہ آ رہا تھا جس

سے میں راستہ پوچھتا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے میں اچانک دنیا کے کسی دور افتادہ ویران حصے میں پہنچ گیا ہوں۔

رات اندھیری اور خاموش تھی۔

میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ اس وقت کیا ہوا تھا۔ البتہ اندازہ ہے کہ یہی کوئی گیارہ اور بارہ کے درمیان کا عمل ہوگا۔ میں نے اس وقت تک کام کی تلاش جاری رکھی تھی جب تک کہ ہمیر اسمتھ کی آخری دوکان تک بند نہ ہوگئی اور یہاں کے لوگ اپنی دوکانیں معلوم ہوتا ہے کافی رات گئے بند کرتے ہیں۔ یا خدا جانے اسی رات دوکانیں دیر تک کھلی رہیں اور آخری دوکان کے بند ہونے کے بعد بھی میں بہت دیر تک ادھر ادھر بھٹکتا رہا اور سوچتا رہا کہ اب میں کیا کروں اور کہاں جاؤں۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر میں رات آسمان تلے گزرتا تو سردی اور بارش اگر میرا خاتمہ نہ کرتی تو صبح تک مجھے کام کا بھی نہ رکھتی۔ خصوصاً اس لئے کہ میں بھوکا بھی تھا سردی بارش اور بھوک کسی بھی آدمی کو بڑا حال بلکہ مفلوک کر سکتی ہے یہ بدھ کا دن تھا اور سنچر کے روز سے میں نے کچھ کھا یا نہ تھا۔ صرف میونسپلٹی کے ٹل کے پانی سے اپنی بھوک کو دبانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن خالی پیٹ میں پانی ایک آگ سی لگا دیتا۔ ہر دفعہ پانی پینے کے بعد میں نے اپنے معدے میں ناقابل برداشت تھیں محسوس کی تھیں۔ البتہ ایک دن بالینڈ پارک میں ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے ایک شخص نے روٹی کا ٹکڑا میری طرف پھینک دیا تھا اور کس چنانچہ تین دنوں سے میں فاقے کر رہا تھا۔ اور تین دنوں سے برابر سڑکیں ٹاپ رہا تھا لیکن اب میری برداشت انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ میری قوت جواب دے رہی تھی اور مجھے احساس تھا کہ اگر میں صبح تک اسی طرح بھوکا بھٹکتا رہا تو کل صبح کا سورج مجھے کسی سڑک پر بے ہوش یا مردہ پڑا پائے گا۔ لیکن میں کیا کروں۔ کہاں جاؤں رات کے گیارہ اور بارہ کا درمیانی وقت تھا اور اس وقت مجھے روٹی کہاں سے مل سکتی تھی کون دے سکتا تھا مجھے تھوڑا سا کھانا اور پڑ رہنے کو تھوڑی سی جگہ۔ کوئی نہیں شاید کوئی نہیں۔

نہیں جانتا کہ میں کب تک اور کتنی دور تک چلتا رہا۔ جیسے جیسے میں آگے بڑھ رہا تھا۔ میری ٹائلیں جواب دیتی جارہی تھیں۔ ہر قدم کے بعد میرا لگا قدم لرزتا ہوا اور بے جانی سے اٹھ رہا تھا۔ میری جسمانی قوت جواب تک قائم تھی اور میری ہمت جواب تک بندھی ہوئی تھی۔ اب جواب دینے لگی تھی۔ میں بڑا حال اور نیم جان ہو رہا تھا۔ باہر سے بھی اور اندر سے بھی۔ اور اندر بھوک بھی جو کسی پھر سے ہوئے سفریت کی طرح میری آنتیں نوچ رہی تھی۔ بھوک میری آنتوں کو کھار رہی تھی اور شدید درد کی ٹیس میں میرے دماغ تک پہنچتی تھیں اور غیر شعوری طور پر میں آہستہ آہستہ گرا رہا تھا میری آنکھوں کے سامنے گھومتا ہوا اندھیرا چھارہا تھا۔ اور میرا سر چکر رہا تھا چنانچہ جنگلے کا شاید وہ جنگل ہی تھا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا۔ اگر اس وقت میرے سامنے موت ہوتی تو میں بڑی خندہ پیشانی سے اسے خوش آمدید کہتا لیکن موت نہ آئی۔ میں تو شاید تکلیف برداشت کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہوں۔ فوس آسمان اور پر سکون موت مرنا میری قسمت میں نہیں۔

چند منٹوں بعد میں سنبھلا۔ آنکھوں کے سامنے سے اندھیرا اڑا ہوا تو میں نے جنگلے پر سے اپنے ہاتھ ہٹائے۔ چند ثانیوں تک بے سہارا کھڑا اپنی قوت کا اندازہ لگا تا رہا اور پھر لڑکھڑاتے قدموں سے ناہموار

سڑک پر چل پڑا۔ ابھی میں چند قدم ہی چلا تھا کہ دفعۃً مست شراہیوں کی طرح گھٹنوں کے بل گر پڑا۔ میں اتنا کمزور ہو رہا تھا کہ یوں گرنے کے بعد چند سیکنڈ تک اٹھ نہ سکا۔ آنکھیں بند کئے گیلی سڑک پر بیٹھا رہا۔ بڑی کوششوں کے بعد میں اٹھا اور پھر آگے بڑھا۔ ابھی میں چند گز ہی آگے بڑھا تھا اور خدا جانتا ہے کہ یہ چند گز مجھے چند میل معلوم ہوئے کہ پھر میرا سر گھومنے لگا۔ ایک بار پھر مجھ پر غنودگی سی طاری ہونے لگی۔ میں سمجھتا ہوں کہ شدید بھوک کی وجہ سے میری یہ حالت ہو رہی تھی۔

میرے قدم لڑکھڑائے اور میں ایک پتلی سی دیوار کا سہارا لینے پر مجبور ہو گیا۔ یہ دیوار لب سڑک تھی۔ اگر وہ دیوار وہاں نہ ہوتی۔ اگر میں نے اس کا سہارا نہ لیا ہوتا تو یقیناً میں سڑک پر ڈھیر ہو جاتا۔ کاش وہ دیوار وہاں نہ ہوتی۔ کاش کہ میں نے اس کا سہارا نہ لیا ہوتا۔ کاش کہ میں سڑک پر ڈھیر ہو گیا ہوتا۔ اگر ایسا ہوا ہوتا تو میری یہ حالت نہ ہوتی۔

غنودگی کا وہ حملہ چند سیکنڈ تک ہی مجھ پر رہا ہو گا لیکن یہ چند سیکنڈ مجھے کئی گھنٹے معلوم ہوئے اور جب میری یہ غنودگی دور ہوئی تو بھوک کی ٹیسس ناقابل برداشت ہو چکی تھیں مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کہ پیٹ کے کسی خطرناک آپریشن کے درمیان مجھے اچانک ہوش آ گیا ہو۔ ٹیسس اس قدر شدید تھیں کہ میرے بدن کا ایک ایک حصہ بھوک سے نڈھال ہو گیا تھا۔ برداشت کی بھی آخر ایک حد ہوتی ہے۔

میں چیخ پڑا۔ دیوانوں کی طرح۔

روٹی کے ایک ٹکڑے، صرف ایک ٹکڑے کے لئے میں ہر کام کر سکتا ہوں۔ میں پاگلوں کی طرح چاروں طرف دیکھنے لگا۔ میری آنکھیں جل رہی تھیں ذماغ پھٹ رہا تھا۔ لیکن معدے میں شندک اترتی جا رہی تھی اور یہ شندک لکھڑے لکھڑے میری طرف بڑھ رہی تھی۔ میں نے جلدی ہوئی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھا اور اب مجھ پر یہ انکشاف ہوا کہ میں جس دیوار کا سہارا لئے کھڑا تھا۔ اس کے پیچھے ایک مکان تھا۔ یہ کوئی بڑا مکان نہ تھا اور ان مکانوں میں سے ایک تھا جنہیں "ولا" کہتے ہیں اور جوان دونوں اطراف لندن میں بے تحاشا پیدا ہونے لگے ہیں اور جن کا کرایہ تیس سے چالیس پونڈ سالانہ ہوتا ہے۔ یہ مکان اکیلا تھا۔ اس کے ارد گرد تیس یا چالیس گز تک کوئی مکان نظر نہ آ رہا تھا۔ یہ مکان دو منزلہ تھا۔ یعنی چھوٹا سا بنگلہ۔ اوپر کی منزل میں تین کھڑکیاں تھیں۔ تینوں کھڑکیوں پر جھلملیاں لگی ہوئی تھیں مکان میں جانے کا بڑا دروازہ یا یوں کہئے کہ صدر دروازہ میرے دائیں طرف تھا خود مکان سڑک سے اتنا قریب تھا کہ دیوار پر جس سے کہ میں ٹیک لگائے کھڑا تھا جھک کے اور لمبا ہاتھ کر کے پتلی منزل کی کسی بھی کھڑکی کو چھوا جا سکتا تھا۔ چلی منزل میں سڑک کے رخ دو کھڑکیاں تھیں۔ ایک کھڑکی صحرائی تھی اور پھر صحرائی کھڑکی کھلی ہوئی تھی کھڑکی کا نیچا ساش (کھڑکی کا وہ پٹ جو اوپر سے نیچے سرک سکتا ہے) کوئی چھانچ کے قریب اوپر کی طرف سرکا ہوا تھا۔

دور دور تک کوئی نظر نہ آ رہا تھا۔ کہیں سے کوئی آواز سنائی نہ دے رہی تھی۔ میں اکیلا تھا۔ میں بھیگی ہوئی سردرات کے رحم و کرم پر تھا۔ خدا کی پیدا کردہ دنیا کی تمام مخلوق میں تنہا وہ سہارا تھا۔ تنہا میں بھگ رہا تھا۔ انسان تو انسان جانور بھی اس بارش سے بچنے کے لئے کہیں نہ کہیں پناہ لے چکے تھے۔ لیکن میں بد نصیب بھگ رہا تھا۔ مجھے کہیں پناہ نہ ملی اور پھر میں بھوکا بھی تھا۔ اب یہ میرا اخلاقی فرض تھا کہ میں سڑک کے کنارے والے مکان کے درو دیوار پر بھی دستک دیتا۔ لیکنوں کو بیدار کرتا اور ان کی توجہ اس کھڑکی کی طرف مبذول کرتا جسے بند کرنا وہ شاید بھول گئے تھے۔ غالباً مجھے اپنی اس نیکی کا صلہ روٹی کے ایک ٹکڑے کی شکل میں مل جاتا لیکن اس گھر میں اگر کوئی نہ ہوا۔ اگر یہ مکان خالی ہوا تو ظاہر ہے کہ میرا دستک دینا فضول تھا۔ اس طرح صرف یہ ہوتا کہ میں خواہ تو اہ شور مچا کے ہسالیوں کی فینڈ خراب کرتا اور انہیں مجھ پر غصے ہونے کا موقع دیتا۔ یا اگر یہ مکان خالی نہ تھا تو یہ بھی ممکن تھا کہ اس کے ٹیکن مجھے اپنی اس نیکی کا کوئی صلہ دیتے۔ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے کھڑکی قنداق کھلی رکھی ہو۔ حالانکہ ایسے موسم میں اتنی رات گئے کھڑکی کھلے رکھنے کا مطلب میری سمجھ میں نہ آ رہا تھا۔ بہر حال تجربے نے ثابت کر دیا کہ دنیا نا شکر گزرا اور احسان فراموش ہے اور پھر میں اس کھڑکی کو بند کیوں کر اؤں؟

وہ مجھے دعوت دے رہی تھی۔ مجھے بھاری تھی۔ اکساری تھی اور ترغیب دلا رہی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اس کھڑکی کو بند کرانے کے بعد بھی میں اسی طرح بھوکا رہتا۔ اسی طرح سڑک پر بارش میں کھڑا رہتا۔ ہاں کیوں بند کر اؤں اس کھڑکی کو جو کھلی تھی اور..... اور..... جو میری امید بندھ رہی تھی۔ اس وقت مجھے اچھے برے کی سمجھ نہ رہی تھی۔ اس وقت میں اپنے آپ سے کہہ نہ سکا کہ میں جو کچھ کرنے جا رہا ہوں وہ جرم ہے حماقت ہے۔

قصہ مختصر میں کھڑکی کے ساش کو مزید ایک دو انچ اوپر سرکا کے کمرے میں جھانکنے لگا اور اس کا معائنہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اگر اس عمل کے دوران کسی نے مجھے پکڑ لیا ہوتا تو میں اپنی صفائی میں بہت کچھ کہہ سکتا۔ پھر بھی مجھے احتیاط سے کام لینا تھا۔

ممکن ہے بارش کی وجہ سے ساش کی لکڑی پھول گئی ہو اور اوپر کھسکاتے وقت وہ آواز پیدا کرے۔ میں نے اپنے آپ سے کہا۔ لیکن ایسی کوئی بات نہ ہوئی۔

ساش کا جو کھٹایوں آسانی اور خاموشی سے اوپر کھسک گیا جیسے اس کی جھریوں میں تیل ٹپکا دیا گیا ہو۔ چو کہنے کی اس خاموشی سے میری ہمت بڑھی چنانچہ میں نے اسے ضرورت سے زیادہ اوپر سرکا دیا۔ جو کھٹا ذرا بھی نہ چر لیا۔ ذرا بھی کھٹکا نہ ہوا جیسے چو کہنے نے میرا ارادہ بھانپ لیا تھا جیسے اسے مجھ پر جرم آ گیا تھا۔ کھڑکی کی دہلیز پر جھک کر میں نے اپنا سر اور دھڑکا اوپر کی حصہ کمرے میں لٹکا دیا میں نے آنکھیں

بھارت بھاڑ کر دیکھا لیکن کچھ نظر نہ آیا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ کمرہ خالی اور بنگا تھا۔ فرنیچر کے نام کی اس میں ایک کرسی تک نہ تھی۔ چنانچہ ظاہر ہوا کہ اس مکان میں کوئی نہ تھا۔ کمرہ اندھیرا اور خاموش تھا۔ قسمت مجھے ایک خالی کمرے میں لے آئی تھی اب میں کیا کر سکتا تھا۔

”اب میں کیا کروں۔“

اگر مکان خالی تھا تو ایسی حالت میں جیسی کہ اس وقت میری ہو رہی تھی اگر قانون اور اخلاق نہیں تو بھنگی ہوئی سردرات مجھے اس بات کا حق دے رہی تھی کہ میں رات بھر کے لئے اس مکان میں ٹھہر جاؤں اور بروہ شخص جس کے سینے میں دل ہے پتھر نہیں میری اس حرکت کو جرم نہیں کہہ سکتا اور نہ کہے گا۔ ممکن ہے کہ وہ لوگ جو بظاہر شریف لیکن دراصل شریف نہیں ہیں۔ میری اس حرکت کو غیر شریفانہ کہیں اور مجھ پر لعن و لعن کریں یا پھر مکان کا مالک مجھے گاسیاں دے۔

ابھی میرے پیر کمرے کے فرش سے اچھی طرح چھوٹے بھی نہ پائے تھے کہ معلوم ہوا کہ کمرہ جیسا کہ میرا خیال تھا۔ بالکل ہی ننگا نہ تھا۔ فرش پر قالین بچھا ہوا تھا۔ یہ قالین اتنا نرم تھا کہ اس پر میرے پیر بخون نگوشت تک دھنس گئے۔ میری تھکی ہوئی ٹانگوں اور تقریباً زخمی اور سوجھے ہوئے ٹکڑوں نے اس قالین کی وجہ سے ناقابل بیان راحت پائی۔ لیکن اب سوال یہ تھا کہ میں کیا کروں۔ یہ تو معلوم ہی ہو گیا تھا کہ کمرہ بنگا نہ تھا چنانچہ اب میں واپس لوٹ جاؤں یا کمرے میں اور آگے بڑھوں؟ جی تو یہی چاہتا تھا کہ اپنے سینے کی پزیرے اتار چھین لوں ایک طرف اور اسی جگہ نرم و نرم قالین پر پڑ کر سو رہوں اس میں کوئی شک نہیں کہ میں بہت تھکا ہوا تھا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ میں بھوکا بھی تھا میرے معدے میں آٹھ گھنٹے کی بورہی تھی۔ روٹی روٹی روٹی کے ایک ٹکڑے کی خاطر میں کیا نہ کر سکتا تھا۔

اپنے دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر تاکتا کہ اندھیرے میں کسی چیز سے ٹکرات جاؤں میں آگے بڑھا۔ ایک یا شاید دو قدم میں کسی چیز سے ٹکرایا۔ لیکن اگلا قدم اٹھاتے ہی مجھ پر عجیب طرح کا سرد خوف مسلط ہونے لگا۔ میں سمجھا نہیں سکتا کہ کس طرح کا خوف تھا وہ۔ میں اپنے آپ کو کوس رہا تھا اور اس کمرے میں گھس پڑنے پر افسوس کر رہا تھا۔ کاش میں نے یہ مکان دیکھا نہ ہوتا۔ کاش میں اس کے قریب سے گزر گیا ہوتا کاش اس میں نہ آیا ہوتا۔ لیکن میں اس کمرے میں آ گیا تھا اور اب میں دعائیں مانگ رہا تھا کہ بخیر و خوبی اس میں سے نکل جاؤں۔

دفعۃً کچھ ہوا۔

ایک ایک مجھے احساس ہوا کہ کمرے میں میں اکیلا نہ تھا۔ وہاں کوئی اور بھی موجود تھا۔ کوئی چیز۔ کمرے میں کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔ تاہم مجھے شدت سے کسی کے وجود کا احساس ہو گیا تھا۔ میں کسی کو دیکھ نہ سکتا تھا۔ لیکن مجھے کوئی دیکھ رہا تھا۔ کوئی ان دیکھیں پر اسرار سستی میری اقل و حرکت پر نظر رکھے ہوئے تھی۔ یہ بھی نہ کہہ سکتا کہ اس کمرے میں میرے ساتھ کیا تھا؟ کون تھا؟ البتہ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی ان دیکھی اور ان جانی مگر بردست قوت نے میرے دماغ کو اپنے قبضہ میں کر لیا ہو۔ میری یہ باتیں آپ کو بچوں کی سی معلوم ہوں گی۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں ایک دم سے بے بس ہو گیا۔ ایک ایک کسی نے میری

قوتوں کو اپنے قبضے میں کر لیا۔ کوئی مجھ پر مسلط ہو گیا تھا۔ میں کسی کا فرمانبردار غلام بن گیا تھا اور اس وقت میں نے ایک ایسی سنسنی محسوس کی جیسی پہلے بھی محسوس نہ کی تھی اور خدا کرے کہ پھر بھی محسوس نہ کروں۔ شدید خوف ناقابل بیان خوف کی سنسنی۔ میں جہاں تھا وہیں کھڑا رہ گیا۔ میرے پیر بخون کی طرح گڑ سے گھسے۔ میں تو ایک قدم آگے بڑھ سکتا تھا اور نہ پیچھے ہٹ سکتا تھا۔ جد تو یہ ہے کہ میں سانس لیتے ہوئے بھی ڈر رہا تھا۔ مجھے احساس ہوا کہ وہ پراسرار چیز جو اس کمرے میں تھی کوئی شیطانی قوت تھی۔

میں نہیں جانتا کہ کتنی دیر تک یوں مسکور کھڑا رہا۔ شاید بہت دیر تک کھڑا رہا ہوں گا۔ کسی چیز نے حرکت نہ کی۔ کوئی چیز نظر نہ آئی۔ کوئی آواز سنائی نہ دی کچھ نہ ہوا۔ چنانچہ میں نے اپنے آپ پر لعنت بھیجی۔ اپنے آپ کو بزدل و نامراد کہا لیکن کچھ نہ ہوا۔ میں بزدل نہیں ہوں۔ لیکن اس وقت بزدل بن گیا تھا۔ یا یوں کہیے کہ بنا دیا گیا تھا۔ خدا جانے میں کس چیز سے ڈر رہا تھا۔ میں نے اپنی ہمت بندھانے کی کوشش کی۔ میں کس سے ڈر رہا تھا۔ کیوں ڈر رہا تھا۔ یہ میرا وہم تھا۔ میں اپنے وہم کی وجہ سے کانپ رہا تھا پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔ کمرے میں کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہاں کوئی نہ تھا اگر کمرے میں کوئی ہوتا تو ظاہر ہے کہ میں کھڑکی کے ذریعہ یوں آسانی سے کمرے میں غصے میں ملتا تھا۔ یا اگر کوئی تھا اس کمرے میں تو وہ مجھ سے زیادہ بزدل تھا میں چوروں کی طرح کمرے میں آگھا۔ اور وہ مجھے لاکارنے کی جرأت نہ کر سکا چنانچہ اب میں بغیر کسی مداخلت کے کمرے میں آ گیا تھا۔

کسی نے مجھے ٹوکا نہ تھا۔ تو ظاہر ہے کہ میں اسی طرح آسانی سے باہر بھی جا سکتا تھا اور اس خیال کے ساتھ ہی میرا جی چاہا کہ میں باہر چلا جاؤں۔ نکل جاؤں اس کمرے سے واپس لوٹ جانے کی یہ خواہش بڑی شدید تھی۔

لیکن بڑی کوششوں کے بعد اپنے جسم کا پورا زور لگانے کے بعد میں صرف یہ کر سکا کہ اپنا سر گھما۔ گا۔ لیکن فوراً ہی جیسے کسی نے میرا سر پکڑ کر پھر سامنے کی طرف کر دیا۔ میں نہیں کر سکتا تھا خدا کی قسم نہیں کہہ سکتا۔ کون مجھے سامنے ہی دیکھنے پر مجبور کر رہا تھا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ کوئی مجھے روک نہ رہا تھا۔ میں مجبور تھا بے بس تھا۔ میں مغلوب تھا اور کوئی غالب تھا۔ میرا دل نہ صرف زور زور سے دھڑک رہا تھا بلکہ جیسے پسلیوں سے ٹکرا رہا تھا اس کی دھڑکن کی آواز میرے کانوں میں بگڑ رہی تھی۔ دھک دھک دھم دھم میں غزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔ ناقابل بیان خوف مجھ پر مسلط تھا۔ خوف کا سیل بے پناہ میری ہمت مہالے گیا تھا۔ میری آنکھیں پھٹ گئی تھیں اور میں سامنے اپنے سامنے دیکھ رہا تھا۔ کوئی مجھے اس طرف دیکھنے پر مجبور کر رہا تھا۔ میری قوت سماعت بہت تیز ہو گئی تھی۔ تکلیف دہ حد تک تیز۔ اس وقت اگر کوئی چونا فرش پر رہنگ رہا ہوتا تو میں اس کی بھی آواز سن لیتا۔

اور پھر کچھ ہوا۔

کسی چیز نے حرکت کی۔ بلکی آواز میرے کانوں کے پردوں سے ٹکرائی۔ آواز اتنی مدھم مدھم اور غیر مرئی تھی کہ میرے علاوہ کسی اور کے کان اسے نہ سن سکتے تھے۔ لیکن میرے کانوں نے وہ آواز سنی میں اسی طرف دیکھ رہا تھا جس طرف کسی چیز نے حرکت کی تھی اور جس طرف سے آواز آئی تھی۔ میرے دیکھتے

ہی دیکھتے اندھیرے کی چادر میں روشنی کے دوداں پیدا ہو گئے۔ ایک لمحہ پہلے وہ داغ وہاں نہ تھا۔ میں سمجھا کر کہتا ہوں کہ وہاں نہ تھے۔ لیکن اب وہاں چاک پیدا ہو گئے تھے۔ وہ آنکھیں تھیں یوں کہا میں نے اپنے آپ سے۔ میں نے سنا تھا کہ اندھیرے میں بلی کی آنکھیں چمکتی تھیں۔ حالانکہ میں نے اپنے آپ سے کہا کہ وہ بلی کی آنکھیں تھیں جو اندھیرے میں چمک رہی تھیں۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ مجھے یوں بھی احساس تھا کہ میں یوں کہہ کر اپنے آپ کو بہادر ہاتھ اپنے آپ کو دھوکا دے رہا تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ یہ بلی کی آنکھیں نہ تھیں۔ کس کی آنکھیں تھیں۔ یہ میں نہ کہہ سکا اور نہ ہی اس کے متعلق سوچنے کی جرات کر سکا۔ روشنی کے دونوں داغ آگے بڑھے وہ جس کی دو آنکھیں تھیں میری طرف آ رہا تھا۔ مجھ سے قریب ہوتا جا رہا تھا۔ میں نے چاہا کہ وہاں سے بھاگ جاؤں لیکن ایک عضو بھی میرے اختیار میں نہ تھا یوں معلوم ہوتا تھا جیسے میرے اعضاء میرے اپنے نہ تھے۔

آنکھیں بڑھتی رہیں میری طرف بڑھتی رہیں۔ ابتداء میں وہ آنکھیں فرش سے کوئی دو تین فٹ بلند تھیں۔ لیکن پھر کچھ رکی آواز سنائی دی جیسے کوئی اپنی ایزھی تلے کسی سخت جسم والے کیزے کو چل رہا ہے۔ آنکھیں غائب ہو گئیں ایک ہی لمحہ بعد وہ پھر نمودار ہوئیں اور اس دفعہ وہ فرش سے صرف چھ انچ بلند تھیں وہ آنکھیں پھر میری طرف بڑھ رہی تھیں۔

چنانچہ معلوم ہوا کہ وہ کیزے یا جو کچھ بھی وہ تھا جس کی وہ آنکھیں تھیں بہت چھوٹا سا تھا۔ میں نہیں جانتا کہ مجھے کیا ہو گیا۔ میں وہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا لیکن ایسا نہ کر سکا۔ میں ان آنکھوں کے سامنے جو میرے قریب ہوئی جا رہی تھیں بھاگ نہ سکتا تھا کیوں؟ خدا جانے کیوں؟ مجھ پر سخت طاری تھا اور اس کا سبب تھا غالباً میری تسکین اور بھوک جس نے میری ساری قوتیں سلب کر لی تھیں۔ جب کچھ بھی ہو حقیقت یہ ہے کہ میں جہاں کھڑا تھا وہیں کھڑا رہا۔ بت بنا کھڑا رہا۔

آہستہ آہستہ بے حد آہستہ آنکھیں میری طرف بڑھتی رہیں اور دائیں بائیں ذوقی رہیں۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ وہ جس کی وہ آنکھیں تھیں ڈولتا ہوا چل رہا تھا۔ اس وقت میں ایسا خوف محسوس کر رہا تھا جیسا کہ دنیا میں کبھی کسی نے محسوس نہ کیا ہوگا۔ میں ان آنکھوں پر سے اپنی نظر نہ ہٹا سکتا تھا۔ حد تو یہ ہے کہ میں پلٹ تک نہ جھپک سکتا تھا اندھیرے میں دینے کی طرح جلتی ہوئی دو آنکھیں میری طرف بڑھ رہی تھیں اور میری نظر ان پر جمی ہوئی تھی کوشش کے باوجود میں ان پر سے اپنی نظر نہ ہٹا سکتا تھا کوشش کے باوجود میں اپنی جگہ سے ہل نہ سکا۔

اور آنکھیں تھیں کہ رینگ رہی تھیں۔

آخر کار وہ میری ٹانگوں کے قریب پہنچ گئیں دفعتاً میں نے ایک ٹانگ پر ہاتھ محسوس کیا۔ کوئی چیز ٹانگ پر چڑھ رہی تھی اور ساتھ ہی ساتھ میری تمام قوتیں سرکتی جا رہی تھیں۔ میرا پورا جسم مفلوج سا ہو گیا تھا۔ وہ جانور یا کیزہ یا جو کچھ بھی تھا میری ٹانگ پر چڑھ رہا تھا۔ میرے سینے کی طرف بڑھ رہا تھا اور میں کچھ نہ کر سکتا تھا ایک انگلی تک نہ ہلا سکتا تھا۔

اور وہ اوپر چڑھتا ہی رہا۔ آہستہ آہستہ اور بڑی آسانی سے جیسے میں سڑا ہوا نہیں بلکہ لینا ہوا ہوں۔

جیسے وہ مجھ سے نہیں ڈرتا۔ جیسے وہ جانتا ہو کہ میں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ میرے بدن میں خوف کی لہریں سی دوڑ رہی تھیں۔ اور وہ اوپر ہی اوپر چڑھ رہا تھا یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ بہت بڑی مکڑی ہو۔ بہت بڑی مکڑی۔ بھیا تک خوابوں کی ہولناکی مکڑی جیسے زندہ ہو گئی ہو۔ میں اس کی ٹانگوں کا دباؤ اپنے کپڑوں پر سے محسوس کر رہا تھا۔ وہ اپنی ٹانگوں سے میرے کپڑے پکڑ پکڑ کر اوپر پر یک دہی تھی اور اس کی ٹانگیں دو چار نہیں شاید ان گنت تھیں اور میں ہر ایک ٹانگ کا دباؤ الگ الگ محسوس کر رہا تھا۔ اس کی ٹانگیں نرم نہ تھیں۔ نرم دار اور چکنی تھیں وہ مکڑی اوپر چڑھتے وقت سرس جیسی کسی چکنی چیز یا لعاب کے ذریعہ اپنی ٹانگوں کو کپڑے پر چپکا رہی تھی۔

وہ چیز اوپر ہی اوپر چڑھتی رہی۔

میں اب تک کہ وہ میری رانوں پر پہنچ گئی اور اب وہ میرے پیٹ کی طرف رینگ رہی تھی اور میں بے بس تھا۔ میں کچھ نہ کر سکتا تھا۔ آپ نے بھی ایک آدھ دفعہ ایسا خواب دیکھا ہوگا کہ کوئی بلا آپ کا پیچھا کر رہی ہے۔ آپ بھاگنا چاہتے ہیں لیکن بھاگ نہیں سکتے۔ اس اسی قسم کا خواب میرے لئے حقیقت بن گیا تھا۔ میں جانتا تھا کہ اگر میں ایک جھرجھری بھی یوں تو یہ جانور پ سے فرش پر گر جائے۔ لیکن میں یہ بھی نہ کر سکا میں زندہ تھا لیکن فردے سے بہتر میرا ایک عضو ایک چٹان تک میرے اختیار میں نہ تھا۔ اور پھر ایک حیرت انگیز انکشاف ہوا۔

میں نے دیکھا۔ اس جانور کی آنکھیں دو چہنوں کا کام دے رہی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں سے حقیقت میں روشنی نکل رہی تھی اور اسی روشنی میں میں اس جانور کے وجود کے نقوش دیکھ سکتا تھا۔ وہ خلاف توقع کافی بڑا تھا تو اس کا جسم بذات خود تاناکا اور اندھیرے میں چمکنے والی خصوصیت کا حامل تھا یا پھر حیرت انگیز حد تک زرد تھا۔ بہر حال مجھے تو اس کا جسم اندھیرے میں چمکتا ہوا دکھائی دیا۔ یہ میں اب بھی نہ معلوم کر سکا کہ وہ کون سا جانور تھا یا کیزہ یا تاہم معلوم ایسا ہوا کہ وہ مکڑی کی نسل کا کوئی حناؤ تھا اور حیرت انگیز حد تک بڑا کیزہ تھا۔ عفریت پیکر کیزہ۔ وہ کافی وزنی بھی تھا۔ اس قدر وزنی کہ میں حیران تھا کہ اپنے ایسے پوچھل جسم کے باوجود اتنی آسانی سے چڑھ رہا تھا۔ اس کی ٹانگوں میں سے کوئی ٹیس دار چمکا مادہ نکل رہا تھا اور غالباً اسی کی وجہ سے وہ اپنی پکڑ مضبوط کر لیتا تھا اور پھر اپنے پوچھل جسم کو اوپر کر لیتا تھا۔ میں اس پچھلے مادہ کو اپنے کپڑوں اور جلد سے چپکتے محسوس کر رہا تھا جیسے جیسے وہ اوپر چڑھتا گیا۔ اس کا بوجھ بڑھتا گیا۔ اب اس کے بدن سے بوجھ بھی پھوٹ رہی تھی۔ بڑی ہی ناخوشگوار اور مٹی آمیز بو تھی۔ جیسے جیسے وہ عفریت پیکر کیزہ پھر سے قریب ہوتا جا رہا تھا اس کی بو ناقابل برداشت ہوتی جا رہی تھی۔

اب وہ میرے سینے پر تھا۔

میں اس کی ہر حرکت کو بخوبی محسوس کر رہا تھا۔ وہ ڈمکا ڈمکا کر اوپر چڑھ رہا تھا۔ اس کی اگلی ٹانگیں میرے گلے کی تنگی جلد پر ہیں اس جگہ جہاں گردن دھڑ سے ملتی ہے چھو گئیں۔ اس کی ٹانگیں میرے گلے کی جلد پر چپک گئیں۔ میرے خدا اس وقت کے خوف مٹنی اور گھن کو میں عمر بھر نہ بھلا سکوں گا۔ اکثر دفعہ میں خواب میں اس بھیا تک کیزے کو اپنے جسم پر چڑھتے دیکھتا اور اس کی چکنی ٹانگوں کو اسے طعن کی جلد پر

محسوس کرتا اور خند میں جھجھکتا رہا۔

وہ اپنی اگلی ٹانگیں میرے حلق کی جلد سے چپکا کر لٹک سا گیا اور پھر زور کر کے اپنی پچھلی ٹانگیں اوپر تھپٹنے لگا اور اب وہ لرزہ خیز شے آبسکی اور اطمینان سے میرے گلے پر رینگ رہا تھا۔ ایک وقت میں جب وہ کوئی پاؤں اٹھا کر رینگ سکتا تھا اور اس کا بوجھ میں اپنے حلق پر محسوس کر رہا تھا۔ وہ حیرت انگیز حد تک وزنی تھا اس کا بوجھ سنبھالنے کے لئے میری گردن کے پچھلے خود بخود تن گئے۔

وہ میری ٹھوڑی تک پہنچ گیا۔

اس نے میرے ہونٹوں کو چھو لیا اور میں کہہ نہ سکا۔ میں خاموش اور بے حرکت کھڑا رہا وہ خوفناک کیزا میرے چہرے پر رینگ آیا۔ اس کے جسم نے میرے پورے چہرے کو ڈھک لیا۔ اس کا گھناؤنا پد یو، ار جسم میرے چہرے کو چھنچھن رہا تھا۔ وہ اپنی بے شمار ٹانگوں سے میرے چہرے کو جیسے پیاد و محبت سے بھینچ رہا تھا۔ مارے خوف کے میں پاگل ہو گیا۔

میں نے جھر جھری لی۔

میں نے اپنے بدن کو ایک جھٹکا دیا۔

اور وہ کیڑا دم سے فرش پر گر ا۔ عذاب میں مبتلا بھٹکی ہوئی روح کی طرح میں چیختا ہوا پلٹا اور کھڑکی کی طرف بھاگا۔ لیکن میری ایک ٹانگ کسی چیز میں الجھ گئی تھی تو یہ محسوس ہوا جیسے کسی نے میری ٹانگ پکڑ لی ہو۔ میں اونٹھے منہ گرا۔

میں حیرت انگیز پھرتی سے اٹھا اور کھلی ہوئی کھڑکی کی طرف بھاگا۔ بارش ہو یا نہ ہو سردی ہو یا نہ ہو۔ میں اس مکان سے نکل جانا چاہتا تھا میں اپنے ہاتھ کھڑکی کی دلیز پر رکھ چکا تھا۔ میں اچٹ کر باہر چھلانگ لگانے ہی والا تھا۔ میری جھوک اور جھٹکن غائب ہوئی تھی۔

دفعۃً میرے پیچھے کمرے میں روشنی ہو گئی۔

یہ فوری روشنی خلاف توقع تھی۔ میں خوف و حیرت سے اچھل پڑا اور ابھی میں سمجھنے بھی نہ پایا تھا کہ ایک آواز نے کہا

”بس رک جاؤ۔“

اس آواز میں کوئی خاص بات تھی جسے میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ لہجہ تو خیر ایک حکم نہ تھا۔ لیکن آواز خیمٹا نہ اور غیر ارضی سی تھی بڑی ہی عجیب و غریب اور ذرا بانی آواز تھی۔ وہ جو نہ کسی مرد کی تھی اور نہ کسی عورت کی۔ البتہ انداز بدیسوں کا سا تھا۔ ایسی ناخوشگوار تلخ اور عجیب آواز بھی کسی کی نہ رہی ہوگی آواز جتنی عجیب تھی، اتنا ہی عجیب اس کا اثر بھی تھا جب اس نے کہا بس رک جاؤ تو میں ایک بت سا بن گیا گویا اس

کے علاوہ میں کچھ اور کر ہی نہ سکتا تھا۔

”گھوم جاؤ اس طرف۔“

میں بڑے میکا کی طور سے گھوم گیا اس قسم کی فرمانبرداری بڑی خطرناک تھی اور میں نہیں جانتا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو روکنے کی دیوانہ وار کوشش کی لیکن اس پر اسرار کمرے میں داخل ہونے کے بعد اپنے آپ پر میرا اختیار نہ تھا۔ میں کچھ نہ کر سکتا تھا۔ اپنی مرضی سے کچھ نہ کر سکتا تھا میں کسی کا غلام بن گیا تھا۔ وہ جو چاہتا تھا مجھ سے کروا لیتا تھا۔

چنانچہ میں گھوم گیا۔

اور اب میں ایک بستر کی طرف منہ کر کے کھڑا تھا۔ بستر میں کوئی لیٹا ہوا تھا بستر کے سر ہائے بتی تھی جس سے نہایت ہی تیز اور آنکھوں کو چند حیا دینے والی روشنی نکل رہی تھی۔ روشنی سیدھی میری آنکھوں پر پڑ رہی تھی چنانچہ چند ثانیوں تک مجھے کچھ نظر نہ آیا۔ اس حیرت انگیز تیز روشنی نے مجھے عارضی طور سے اندھا کر دیا تھا۔ جب تک وہ روشنی ہوتی رہی میں صاف طور سے نہ دیکھ سکا۔ یعنی میری نظر دھندلائی رہی جیسا کہ میں نے کہا کہ میں کچھ دیر کے لئے دیکھنے کے قابل نہ رہ سکا حالانکہ ہر چیز دھندلی دھندلی نظر آرہی تھی۔ اور جو کچھ میں نے دیکھا۔ وہ مجھے نظر نہ آیا ہوتا۔

ساتھ بستر پر کوئی لیٹا ہوا تھا۔ میں یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ وہ مرد تھا یا عورت بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ابتدا میں وہ مجھے کوئی غیر ارضی مخلوق معلوم ہوئی۔ کوئی بھٹکی ہوئی روح۔ لیکن رفتہ رفتہ مجھے یقین ہو گیا کہ وہ کوئی روح نہیں اور عورت نہیں بلکہ وہ مرد ہی تھا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی صنفِ مادک ایسی بھیجھا نہیں سکتا۔ وہ بستر پر لیٹا ہوا تھا اور ایک میل اس طرح اوڑھے ہوئے تھا کہ اس کا صرف چہرہ نظر آ رہا تھا۔ یا یوں کہیے کہ بستر اور میل کے درمیان سے اس کا چہرہ باہر نکلا ہوا تھا۔ بقیہ جسم ٹھوڑی سے لے کر پیروں کی انگلیوں کی پوروں تک بستر میں دفن تھا وہ ایک ہاتھ پر سر رکھے بائیں کر دت لیٹا ہوا تھا۔ وہ بے حس و حرکت پڑا مجھے ٹھور ہوا تھا جیسے میری روح میں جھانک رہا ہو اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ حقیقت میں میری روح میں جھانک رہا تھا۔ اس کی عمر کا اندازہ میں نہ لگا سکا اور میں تو کیا کوئی بھی نہیں لگا سکتا تھا۔ اگر وہ لبتا کہ وہ صدیوں سے جی رہا ہے تو اس کے چہرے کو دیکھ کر کوئی بھی اس کی اس بات کا یقین کر لیتا۔ اس کے چہرے پر لرزوں سے بونے سال خدا جانے کتنے سال اپنے انت اثرات چھوڑ گئے تھے۔ اس کے باوجود میں نے محسوس کیا کہ وہ اتنا عمر نہ تھا جتنا کہ نظر آ رہا تھا بلکہ وہ مجھے اپنا ہم عمر معلوم ہوا کیونکہ اس کی آنکھوں میں حیات کی چمک تھی۔ چونکہ دینے والی چمک غالباً وہ کسی موذی مرض میں مبتلا تھا جس نے اس کے چہرے کو بگاڑ کر بھیجا تک بنا دیا تھا۔

اس کے چہرے اور سر پر ایک بھی بال نہ تھا لیکن بالوں کی کسر ان گنت گہری جھریوں نے پوری کر دی تھی۔ اور اس کی زردی بال نل زعفرانی جلد پر جھریوں کا چچ در چچ اور الجھا ہوا جالا سا تبا ہوا تھا۔ اس کی کھوپڑی غیر معمولی طور پر چھوٹی تھی جو انسان کے بجائے کسی جانور کی معلوم ہوتی تھی۔ اس کے مقابلے میں اس کی ٹانگ غیر معمولی طور پر بڑی تھی اور کسی شکاری پرندے کی چونچ معلوم ہوتی تھی اس عجیب اور ٹھنڈے والوں کو

نے چہین و حیرت زدہ کر دیئے والی ناک کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہ اس بھیانک آدمی کے سین منہ تک چلی گئی تھی۔ ناک کے سین بچے اس کی مڑی ہوئی نوک سے گویا جڑے ہوئے اس کے ہونٹ تھے۔ جو باہر کی طرف ابھرے ہوئے تھے۔ اب رہی ٹھوڑی تو وہ تھی ہی نہیں جس کا ذکر کیا جائے۔ ٹھوڑی کا یہ عدم وجود ہی اس کے چہرے کو بھیانک بنانے کے لئے کافی تھا۔ لیکن اس کی آنکھیں اسے حد درجہ ہیبت ناک بنانے کے لئے کافی تھیں۔ اس کی آنکھیں اس کے چہرے میں سب سے نمایاں تھیں اور سچ تو یہ ہے کہ میں آخر تک یہ سمجھتا رہا کہ وہ جو بستر پر لیٹا ہوا تھا صرف آنکھیں تھا۔

اس کی آنکھیں ہماری آپ کی آنکھوں کے برخلاف بہت زیادہ پھیلی ہوئی اور گویا پیشانی میں جڑی ہوئی تھیں۔ اس کی آنکھیں حلقوں میں بہت اندر تک دھنسی ہوئی تھیں اور کسی طرح کی باطنی حرارت کی وجہ سے چمک رہی تھیں۔ بلکہ سنگ رہی تھیں۔ ان تینوں کی طرح جو رات کو روشنی کے مینار میں سلگا دی جاتی ہیں۔ میں ان آنکھوں کے اثر کو دور نہ کر سکتا تھا۔ میں اس بھیانک آدمی کی نظر سے اپنے آپ کو دور نہ کر سکتا تھا۔ ان سلکتی ہوئی آنکھوں نے مجھے اپنے اثر میں لے لیا تھا اور وہ مجھ پر جمی ہوئی تھیں اور میں زیادہ سے زیادہ بے بس ہوتا جا رہا تھا اور اس رات مجھے پہلی دفعہ معلوم ہوا کہ آنکھوں میں کتنی چمک اور نظر میں کیسا مفلوج کن اثر ہوتا ہے۔ ان آنکھوں نے مجھے جکڑ لیا تھا بے بس کر دیا تھا اور مسکور کر دیا تھا۔ مجھے احساس ہوا کہ وہ آنکھیں جو چاہیں مجھ سے کروا سکتی ہیں اور ایسا ہی ہوا۔ وہ آنکھیں مجھ پر گزری رہیں۔ اس شخص نے جس کی وہ آنکھیں تھیں اس تمام عرصہ میں چمک تک نہ پھیلی اور میں یقین سے کہتا ہوں کہ وہ اسی طرح چمک جیسے بغیر کئی گھنٹوں تک مجھے گھور سکتا تھا۔

میری زبان تو گنگ ہو گئی تھی۔ چنانچہ اس بھیانک آدمی نے خاموشی توڑی "کھڑکی بند کرو" اس نے حکم دیا۔

میں نے کھڑکی بند کر دی۔

"جھلی گرا دو۔"

میں نے اس حکم کی بھی تعمیل کی۔

"اب گھوم جاؤ میری طرف۔"

میں بڑی فرمانبرداری سے اس کی طرف گھوم گیا۔

"کیا نام ہے تمہارا؟"

اور پھر میری زبان کھل گئی۔ محض اس شخص کے سوال کا جواب دینے کے لئے میرے منہ سے جو الفاظ نکلے ان کے متعلق یہ عجیب بات تھی کہ وہ میری قوت ارادی سے نہیں بلکہ بستر پر لیٹے ہوئے اس پر اسرار آدمی کی قوت ارادی سے میرے منہ سے نکل رہے تھے۔ یہ میں نہ تھا جو بولتا۔ اور اس کے سوال کا جواب دینا چاہتا تھا بلکہ وہ پر اسرار آدمی تھا جو مجھے بلواتا اور اپنے سوال کا جواب حاصل کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں اپنی مرضی سے بول نہ رہا تھا۔ بلکہ وہ مجھے بلوارہا تھا۔ وہ جو چاہتا تھا مجھ سے کہلاتا تھا اور میں کہہ رہا تھا۔ میں اس کا فرمانبردار تھا اس کا غلام تھا اور پوری طرح اس کے اختیار میں تھا۔ میری ساری قوتوں کی باگ اس

کے ہاتھ میں تھی۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"میرا نام رابرٹ ہالٹ ہے۔"

"کیا کام کرتے ہو؟"

"کھڑکی ہوں۔"

"تم نے کہا اور میں نے یقین کر لیا۔" اس کی آواز میں ایسی تلخی تھی جو میرے دل کو ڈس رہی تھی۔

"کس قسم کے کھڑکی ہو؟"

"ان دنوں بیکار ہوں۔"

"خوب" ان دنوں بیکار ہو۔" اس کی آواز میں پھر وہی تلخی تھی میں جانتا ہوں اس قسم کے کھڑکوں کو جو

ہمیشہ بیکار رہتے ہیں۔ رابرٹ ہالٹ تم چور ہو۔"

"میں چور نہیں ہوں۔"

"تو کیا کھڑکیوں کی طرح کھڑکیوں میں سے کسی کے مکان میں کھس پڑتے ہیں۔" میں نے کوئی جواب نہ دیا کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ میں جواب دوں۔

"تم کھڑکی میں سے کیوں آئے؟"

"اس لئے کہ وہ چلی ہوئی تھی۔"

"بہت سیدھا سادہ جواب۔ لیکن میں پوچھتا ہوں کہ کیا تم ہر اس کھڑکی میں کھس پڑتے ہو جو کھلی ہوئی

ہو۔"

"نہیں۔"

"تو پھر اس کھڑکی میں کیوں گھسے۔"

"اس لئے کہ میں بھیگا ہوا تھا اور بھوکا ہوں در سردی محسوس کر رہا ہوں۔" میرے منہ سے یہ

الفاظ نکلے جیسے وہ بھیانک آدمی انہیں میرے حلق میں سے یکے بعد دیگرے گھسیٹ رہا ہوا اور حقیقت بھی

یہی تھی۔

"گھر یا نہیں ہے؟"

"نہیں۔"

"رو پیہ پیسہ؟"

"نہیں۔"

"عزیز واقربا۔"

"نہیں۔"

"تو پھر کس قسم کے کھڑکی ہو؟"

میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ وہ کس قسم کا جواب چاہتا ہے۔ خدا کی قسم میں بد قسمتی

”دوسری الماری میں گوشت روٹی اور شراب رکھی ہے کھاؤ اور پیو۔“

کمرے کے دوسرے کونے میں اور اس بھیا تک آدمی کے سر ہانے دوسری الماری تھی۔ میں اس الماری کے قریب پہنچا۔ اس میں ٹھنڈا گوشت گول اور موٹی روٹیاں جوڑی (ایک قسم کا غلہ جو شمالی یورپ میں ہوتا ہے) کی معلوم ہوتی تھیں اور شراب کی ایک بوتل رکھی ہوئی تھی۔ شراب بہت تلخ تھی لیکن میں اس قدر بھوکا تھا کہ گوشت روٹی اور شراب کا ذائقہ محسوس نہ کر سکا۔ میں بھوکے بھینڑیے کی طرح کھانے اور پینے لگا۔ اس تمام عرصہ میں بستر میں لیٹا ہوا آدمی میری طرف دیکھتا رہا۔ جب میں کھا چکا تو اس کے چہرے پر پھر ویسی ہی گھٹاؤنی اور بوالہوسانہ مسکراہٹ آگئی۔

”کاش کہ میں بھی اس طرح کھا سکتا۔ جو بچا ہے اسے واپس الماری میں رکھ دو۔“

میں نے ایسا ہی کیا۔

”میری طرف دیکھو“

میں نے اس کی طرف دیکھا

”میری نظر سے نظر ملاؤ“

میں نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔

فوراً مجھے اپنے جسم میں کوئی چیز سرکئی محسوس ہوئی۔ یہ میری قوت ارادی تھی جو مجھے چھوڑے جا رہی تھی۔ اپنی ذات پر سے میرا اعتبار اٹھ رہا تھا اور اس بھیا تک آدمی کی آنکھیں زیادہ سے زیادہ پھیلتی جا رہی تھیں۔ یہاں تک کہ وہ حیرت انگیز حد تک پھیل گئیں۔ یوں معلوم ہوا کہ بستر پر دو آنکھوں کے سوائے اور کچھ نہ تھا۔ بڑی بہت بڑی دو آنکھیں تھیں۔ اور بس۔۔۔۔۔ وہ آنکھیں پھیلتی گئیں۔ یہاں تک کہ میں ان میں ڈوب گیا۔ پھر بستر میں پڑے ہوئے اس پر اسرار آدمی نے اپنا ایک ہاتھ میری طرف بڑھایا۔ وہ مجھے کچھ کہہ رہا تھا۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کیا کر رہا تھا اس کا ہاتھ ہوا میں اوپر تلے مل رہا تھا۔ اس کا ہاتھ جھکا اور اس نے میرے پیروں تلے سے زمین جیسے کاٹ دی۔ میں دھڑام سے فرش پر گرا اور جہاں پڑا تھا۔ وہیں پڑا رہا۔

اور کمرے میں اندھیرا چھا گیا۔

مٹی بجھا دی گئی تھی۔

کا شکار تھا۔ میری بد قسمتی ایک کے بعد دوسری ضرب لگاتی تھی۔ اور۔۔۔ اور ہر ضرب پچھلی ضرب سے زیادہ شدید ہوتی تھی۔ جس ادارے میں میں کام کر رہا تھا اس نے کئی مہینے تک مجھے تنخواہ نہ دی۔ عاجز آ کر میں نے ایک دوسری جگہ کم تنخواہ میں ملازمت کر لی۔ لیکن اس ادارے نے ملازموں میں کمی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ چھاننی میں میرا نام بھی آ گیا۔ چند دنوں کی بھاگ دوڑ کرنے کے بعد میں نے ایک جگہ عارضی ملازمت کر لی۔ معیاد ختم ہوئی تو میں پھر بیکار تھا۔ بہت دنوں کے بعد ایک عارضی ملازمت مل گئی۔ اور جب مجھے وہاں سے جواب مل گیا تو اس کے بعد مجھے پھر کوئی ملازمت نہ ملی۔ میری اس ملازمت کو ختم ہوئے نو مہینے گزر چکے تھے اور تب سے اب تک میں ایک دمڑی تک نہ کما سکا تھا۔ چنانچہ آدمی کے پاس جب ایک ہی جوڑا کپڑا ہوا اور وہ نو مہینوں تک انہی کپڑوں کو پہنتا آ رہا ہو۔ تو اس کا بھکاری اور آوارہ گرد نظر آنا ضروری ہے۔ اس کے بعد میں کسی بھی طرح کے کام کی تلاش میں لندن کی سڑکیں پاتا رہا۔ میں ذلیل سے ذلیل کام کرنے کو بھی تیار تھا تا کہ اپنا پیٹ پال سکوں۔ لیکن میری اس تلاش کا نتیجہ صفری رہا اور ہاں مجھے غریب خانے میں بھی جگہ نہ ملی تھی اور یہ میری بد قسمتی کی انتہا تھی۔ لیکن میں اپنی کہانی اس شخص کو سنانا نہ سکتا تھا جو میرے سامنے بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ کیونکہ وہ میری بیٹا سنانا نہ چاہتا تھا۔ اگر سنانا چاہتا تو اپنی مرضی سے یہ سب باتیں مجھ سے کہلو الیتا۔

یہ بات قرین قیاس ہے کہ وہ میرے حالات زندگی سے واقف ہو گیا ہو حالانکہ خود میں نے اس کے متعلق ایک لفظ تک نہ کہا تھا۔ اس کی آنکھیں جب تھیں اور وہ اپنی ان آنکھوں سے میرے اور کسی کے بھی ماضی کو کھلی ہوئی کتاب کی طرح پڑھ سکتا تھا۔

”کپڑے اتار دو۔“

میں نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ میرے پھٹے ہوئے گندے کپڑے فرش پر پڑے تھے اور میں اس بھیا تک آدمی کے سامنے برہنہ کھڑا تھا۔ اس نے میرے ننگے جسم کا جائزہ لیا تو اس کے چہرے کے بھیا تک نقوش میں تغیر پیدا ہوا۔ میں نے دیکھا کہ وہ مسکرا رہا تھا۔ بڑی گھٹاؤنی اور بوالہوسانہ مسکراہٹ تھی اس کی۔ اس کی مسکراہٹ نے میرے جسم میں سنسنی اور کراہٹ کی لہریں دوڑا دیں۔

”کتنی سفید جلد ہے تمہاری۔ ایسی سفید جلد حاصل کرنے کے لئے میں کیا کچھ نہیں کر سکتا۔ دنیا کی ساری دولت دے سکتا ہوں۔“

وہ خاموش ہو گیا اور چند ثانیوں تک عجیب نظروں سے مجھے دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔ ”دیکھو اس الماری میں گاؤں ہے اسے پاؤں لو۔“

میں اس الماری کی طرف چلا جو کمرے کے ایک کونے میں تھی۔ اس بھیا تک آدمی کی نظر میرا تعاقب کر رہی تھی۔ میں نے الماری کھولی تو بھونچکا رہ گیا۔ الماری ملک ملک کے لباسوں سے پٹی پڑی تھی اور یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کسی بہرو پنے کی الماری ہو۔ ایک کھونٹی سے کالے رنگ کا ایک لمبا چپلنگ رہا تھا میرا ہاتھ خود بخود اس جے کی طرف بڑھ گیا۔ میں نے وہ جب پہن لیا۔ ڈھیلا ڈھالا جہا تھا جو اتنا لمبا تھا کہ میرے ٹخنوں سے نیچے تک آ رہا تھا۔

میں نے دیکھا کہ روشنی غائب ہو گئی تھی۔

میں فرش پر بے حس و حرکت اور بے جان سا پڑا تھا۔ تاہم ہوش میں تھا میری آنکھیں بند تھیں۔ میں دیکھ اور سمجھ رہا تھا اور جب تک میں یوں پڑا رہا بے جان سا مگر ہوش میں رہا۔ کئی گھنٹوں تک یوں ہی پڑا رہا۔

چند ثانیوں کے بعد اس کمرے کا دروازہ کھولا گیا نہایت آواز سے کمرے کا دروازہ بند کیا گیا۔ کپڑوں کی سرسراہٹ سنائی دی۔ کوئی بستر میں لیٹ رہا تھا پھر وہی چکا چونہ پیدا کر دینے والی روشنی جل اٹھی۔ بستر کے سرہانے والی عتی جلا دی گئی تھی۔ پھر آواز نے جسے میں بھولا نہ تھا۔ اور نہ عمر بھر بھول سکتا ہوں کہا "اٹھو"

اس کے حکم کے ساتھ ہی میں میکا کی طور سے اٹھ کھڑا ہو گیا اور میں بستر کی طرف منہ کئے خاموش اور منتظر کھڑا تھا۔

اور بستر پر ان گنت کسبوں اور چادروں میں دفن وہی لیٹا تھا جس نے میری ساری قوتیں اپنے قبضے میں کر لی تھیں۔ وہ حسب معمول اپنے ایک ہاتھ پر سر رکھے بائیں کروٹ لیٹا ہوا تھا اور میری طرف دیکھ رہا تھا۔

وہ وہی تھا لیکن بدلا ہوا۔ اس میں حیرت انگیز اور ناقابل یقین تبدیلی ہوئی تھی۔

اس میں تو کوئی شک نہ تھا کہ بستر میں لیٹا ہوا آدمی وہی تھا جس کے سامنے گذشتہ رات میری بد قسمتی مجھے لے آئی تھی۔ لیکن پہلی ہی نظر میں معلوم ہوا کہ وہ بدل گیا ہے اس کے خط و خال میں نمایاں تبدیلی ہوئی تھی۔ سب سے پہلی بات تو یہ کہ وہ جوان معلوم ہو رہا تھا۔ طویل عمر اور ضعف کے اثرات کی جگہ جوانی کی چمک نے لے لی تھی اس کی ناک اب اتنی بڑی اور بے ڈھنگی نہ رہی تھی۔ نہ ہی کسی شکار پرندے کی چونچ کی طرح معلوم ہو رہی تھی۔ اس کے چہرے کی اکثر جھریاں غائب تھیں۔ حالانکہ اب بھی اس کی جلد کی رنگت زردی مائل زعفرانی تھی۔ اس کے خط و خال پہلے کی طرح بھیا تک نہ تھے اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اس کی چھوٹی سی ٹھوڑی بھی پیدا ہو گئی تھی۔ لیکن سب سے زیادہ حیرت انگیز بات تو یہ ہوئی تھی کہ اس کے چہرے پر نہایت آگئی تھی۔ اس کا چہرہ عورتوں کا سا ہو گیا تھا۔ چنانچہ میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ کہیں میں نے کسی عورت کو غلطی سے مرد تو نہیں سمجھ لیا تھا۔ صنف نازک کا کھانا وانا اور بھیا تک نمونہ ایک ایسی عورت جو اپنی ہوسنا کیوں کی وجہ سے کسی موذی مرض کا شکار ہو گئی ہو۔ اور آخر کار صنف نازک کا ایک بھیا تک اور عبرت ناک نمونہ بن کر رہ گئی ہو۔

بہر حال میں یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ وہ کوئی عورت تھی یا مرد البتہ اس کا مرد ہونا زیادہ قریں قیاس تھا۔ کیونکہ ابھی ابھی وہ کسی سے ہاتھ پائی کر کے آیا تھا۔ اور اس ہاتھ پائی کا ثبوت وہ گہری اور تازہ خراشیں تھیں جو اس کے چہرے پر مجھے نظر آ رہی تھیں۔ اس کا دامن جس سے اس بھیا تک آدمی نے لڑائی کی تھی۔ یقیناً بہادر اور مردانہ صفات کا حامل نہ تھا کیونکہ اس پر اسرار آدمی کے چہرے پر جو خراشیں تھیں۔ وہ لائے لائے ناخنوں سے پیدا کردہ معلوم ہوتی تھیں اور کوئی بہادر مرد اس طرح اپنے دامن کا متنبہ نہیں ہو جاتا۔ غالباً اسی جھڑے کا جوش اور غصہ اس پر اب تک مسلط تھا اور اسے بے چین کئے ہوئے تھا۔ غالباً اسی وجہ سے اس نے دھڑا دھڑا دروازہ کھولا اور بند کیا تھا۔ وہ بے تاب اور بے چین تھا اور اس کی آنکھوں میں سے جھجھکنے میں شعلے اگل رہے تھے۔ اس کے چہرے کے پھنے یوں پھڑک اور اینٹھ رہے تھے جیسے وہ اس کے اختیار میں نہ رہے ہوں۔ اور جب اس نے مجھے مخاطب کیا تو اس کا تلفظ نمایاں طور پر بدیسوں کا ساتھ اور الفاظ تھے کہ ایک

میں نے سرسراہٹ کی آواز سنی جیسے وہ آدمی بستر پر سے اٹھ کر بیٹھ گیا ہو۔ پھر گہری خاموشی طاری تھی۔ اور اندھیرا تھا اور اس خاموشی اور اندھیرے میں میں فرش پر اس طرح پڑا رہا کہ میرا جسم مردہ تھا لیکن دماغ زندہ تھا اور اس طرح میں رات کے ختم ہونے اور دن کے طلوع ہونے کا منتظر رہا۔

رات کے طویل گھنٹے ریگلتے رہے۔ پھر کچھ ہوا۔ کوئی فرش پر اتر آیا۔ کوئی فرش پر چلنے لگا۔ بیروں کی چاب میری طرف بڑھنے لگی۔ دن طلوع ہو چکا تھا اور کمرے میں اندھی اندھی روشنی پھیل گئی تھی۔ اور اس روشنی میں میں نے اسے اپنے سامنے آتے دیکھا وہ عجیب طرح کے رنگین کپڑوں میں ملبوس میرے قریب کھڑا مجھے دیکھ رہا تھا۔ وہ جھکا میرے قریب اکڑوں بیٹھ گیا۔ اس نے میرا جبہ اتار پھینکا۔ چنانچہ اب میں برہنہ پڑا تھا۔ سخت کھردری انگلیاں میری جلد پر رینگنے لگیں وہ مجھے یوں ٹٹولنے لگا جس طرح قصاب قربانی کے بکرے کو ٹٹولتا ہے۔ ایک عجیب گھناؤنا اور بھیا تک چہرہ مجھ پر جھک گیا بھیا تک آنکھیں میری آنکھوں کے سامنے تھیں۔ اور میں نے اپنے آپ سے کہا۔ یہ جو مجھ پر جھکا ہوا ہے قطعی انسان نہیں ہے۔ کوئی انسان ایسا نہیں ہو سکتا۔ انگلیاں میرے گالوں کو دبا رہی تھیں۔ اب وہ میرے منہ میں ٹھکی ہوئی تھیں۔ پھر انہوں نے میری آنکھوں کو چھوا۔ انہوں نے میری آنکھیں بند کر دیں۔ پھر کھول دیں۔ یہاں تک تو خیر ٹھیک تھا۔ لیکن میں نے سب سے زیادہ گھن اور سنسنی تو اب محسوس کی۔ بعد میں یہ گھن اور سنسنی میرے خوابوں میں عود کر آتی رہی۔ اس کے باہر کو اٹکے ہوئے ہوتے میرے ہونٹوں پر تک گئے۔

کوئی خبیث شیطانی روح اس بو سے کی شکل میں میرے بدن میں داخل ہو گئی۔

پھر وہ اٹھا۔ انسان کی وہ بھونڈی اور بھیا تک نفل اٹھی۔

اس نے میری طرف دیکھا اور پھر مجھ سے یا خدا جانے اپنے آپ سے کہا۔

"مردہ" مردہ" بلکہ مردے سے بھی بدتر" اور یہ اچھا ہے ہم اسے دفن دیں گے" وہ میرے قریب سے ہٹ گیا۔ میں نے دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز سنی وہ بھیا تک آدمی کہیں چلا گیا تھا۔

اور وہ پورا دن غائب رہا۔ مجھے یہ نہ معلوم ہوا کہ وہ آدمی کمرے سے باہر گیا تھا یا مکان سے باہر چلا گیا تھا لیکن میرا اندازہ ہے کہ وہ باہر ہی چلا گیا تھا۔ کیونکہ مکان خالی اور ویران معلوم ہو رہا تھا۔ اس بھیا تک کیڑے کا جو گزشتہ رات میرے منہ تک چڑھا تھا کیا ہوا تھا اور وہ کہاں تھا۔ یہ میں تو نہ معلوم کر سکا اور نہ اندازہ ہی لگا سکا۔ مجھے خوف تھا کہ وہ بھیا تک آدمی اس کیڑے کو پہرے دار کتے کی طرح مکان میں ہی چھوڑ گیا ہے لیکن منہ گھنٹوں میں تبدیل ہوتے چلے گئے اور اس تمام عرصہ میں میں نے نہ تو کوئی آواز سنی نہ ہی وہ ہونک کیڑا کہیں نظر آیا۔ چنانچہ میں نے نتیجہ اخذ کیا کہ اگر وہ کیڑا اسی مکان میں موجود تھا تو وہ بھی میری طرح بے بس تھا۔ اور یہ کہ اس بھیا تک آدمی کی غیر موجودگی میں مجھے اس کیڑے سے کوئی خطرہ لاحق نہ تھا۔ اپنے مالک کی غیر موجودگی میں وہ کیڑا میرا کچھ نہ بگاڑ سکتا تھا۔

طویل پہاڑ کے سے گھٹنے گزرتے رہے۔

پھر میں نے تالے میں چابی گھونٹنے اور پھر تالا کھٹنے کی آواز سنی اور پھر کسی نے جیسے نہایت ہی غصے اور جھلٹ کے عالم میں دھڑ سے دروازہ کھولا۔ جتنے زور سے دروازہ کھولا گیا تھا اتنے ہی زور سے بند کیا گیا۔

ہو۔ یہ تضاد میری سمجھ میں نہ آیا۔

”کون پال لنگھام؟“

”دنیا میں صرف ایک پال لنگھام ہے۔ پال لنگھام، عظیم پال لنگھام۔“

آخری الفاظ اس نے چیخ کر کہے اور اتنے غصے میں کہ مجھے خوف ہوا کہ اپنے جنوں میں وہ مجھ پر ٹوٹ پڑے گا اور میرے ٹکڑے اڑا دے گا۔ میں سر سے پاؤں تک کانپ رہا تھا اور جب میں نے جواب دیا تو میری آواز لرز رہی تھی۔

”ساری دنیا جانتی ہے پال لنگھام وہی پال لنگھام جو مشہور سیاستدان اور مدبر ہے“

وہ میری طرف دیکھ رہا تھا اور اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ میں خاموش کھڑا تھا اور یہ خوف میرے دل سے دور نہ ہوا تھا کہ وہ مجھ پر حملہ کر دے۔ لیکن فی الحال اس نے مجھ پر حملہ کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

”راہرٹ ہالٹ۔ آج رات تم چور کی طرح پال لنگھام کے گھر میں جاؤ گے میں اس کا مطلب نہ سمجھا۔ میں یہ قوفوں کی طرح اس کی صورت تک رہا تھا مجھے وحشت سی ہو رہی تھی۔“

”نہیں سمجھے۔“ وہ بولا۔ ”سیدھی سی بات ہے۔ اس سے زیادہ آسان اور سیدھی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔ میں نے کہا آج رات کو آج رات کو۔ تم پال لنگھام کے یہاں چوروں کی طرح جاؤ گے۔ کھلی ہوئی کھڑکی کے ذریعہ تم میرے گھر میں داخل ہو سکتے ہو تو پال لنگھام کے گھر میں بھی داخل ہو سکتے ہو۔ وہی پال لنگھام جو سیاست دان ہے۔“

مجھے اعتراف ہے کہ میں ان ہزاروں لوگوں میں سے ایک ہوں جو مسٹر لنگھام کو دور حاضرہ کا سب سے بڑا سیاست دان اور مدبر سمجھتے ہیں ہزاروں لوگوں کی طرح مجھے بھی اس عظیم سیاستدان کی قابلیتوں پر اعتبار ہے اور میں بھی ان کے اصلاحی کاموں کو جن کا آغاز وہ کر چکے ہیں حیرت اور مسرت سے دیکھتا ہوں۔ میں اس پر اسرار آدمی کے اس حکم کا مطلب نہ سمجھا تھا مجھے پال لنگھام کے گھر میں چوروں کی طرح گھسنا ہوگا۔ کیوں۔ مجھے تو اس کی یہ باتیں مجذب کی بڑ معلوم ہو رہی تھیں۔ بے سرو پا سمجھ میں نہ آنے والی۔

میں خاموش رہا۔ چنانچہ وہ پھر بولا اور اس دفعہ اس کا لہجہ پھر بدلا ہوا تھا۔ اس دفعہ اس کی آواز نرم تھی۔

”اتنی نرمی کی توقع میں اس بھیا تک آدمی سے نہ کر سکتا تھا۔“

”بہت خوبصورت ہے یہ لنگھام ہے؟“

میں جانتا تھا کہ مسٹر لنگھام تندرست اور خاصے قبول صورت آدمی ہیں لیکن اس آسیب زدہ مکان میں

اور اس بھیا تک آدمی کے سامنے جو میری قسمت کا مالک بن گیا تھا۔ میں اس بات کا اقرار کرنے کے لئے

تیار نہ تھا۔ خصوصاً اس لئے کہ میں نے جانتا تھا کہ وہ پراسرار آدمی کون سے مقصد کے تحت یہ باتیں پوچھ رہا

ہے۔ یہ تو بہر حال صاف بات تھی کہ اسے لنگھام سے کبھی بھی کسی قسم کا لاگوار ہوا تھا لیکن اب اسے ان سے

نفرت تھی سخت نفرت۔

میرا وہ بھیا تک آقا بولا۔

کیل بے پناہ کی طرح اس کے منہ سے نکل رہے تھے۔ وہ ہر لفظ کو کئی کئی مرتبہ دہرا رہا تھا اور اس کا اس طرح بولنا اس کے حد سے بڑھے ہوئے غصے بلکہ جنوں کا پتہ دیتا تھا۔

”تم تو مرے نہیں ہو مرے نہیں ہو تم زندہ ہو زندہ ہو لیکن موت زندگی سے بہتر ہے نا؟ میں تم سے پوچھتا ہوں بہتر ہے نا۔ ہاں ہاں موت اچھی ہے اچھی ہے سب کا خاتمہ۔ ہنسی کا خاتمہ۔ رونے کا خاتمہ۔ ضروریات کا خاتمہ۔ خواہشات کا خاتمہ۔ کسی کو غصہ دلانے اور خود غصے ہونے کا خاتمہ۔ تفکرات کا خاتمہ۔ زندگی کا خاتمہ۔ ہمیشہ کے لئے ہمیشہ کے لئے تم ہی کہو کیا موت بہتر نہیں ہے۔ نہیں ہے۔ بہتر ہے بہتر ہے۔ میں جانتا ہوں لیکن تم نہیں جانتے تم نہ جان سکو گے۔ تم زندہ رہو گے زندہ رہو گے جب تک میں چاہوں۔ تم میرے لئے زندہ رہو گے۔ جب تک میں چاہوں گا تم نہ مرو گے۔“

اور اس نے اپنا ہاتھ ہلایا۔ وہ مجھ پر کوئی عمل کر رہا تھا۔ اور دفعہ میں ایک تغیر ہوا۔ جیسا کہ گزشتہ رات ہوا تھا۔ میرے وجود کی گہرائیوں میں تغیر ہوا اور میں نے اس تغیر کو محسوس کیا۔ میری بے بسی کی حالت دور ہو گئی۔ تاہم مجھے اپنے پر اختیار ہاں۔ مجھے احساس ہوا کہ اس نے مجھ پر نوم توجہ کی حالت طاری کر دی تھی۔ یقیناً نہیں آتا تھا کہ کوئی کسی پر اس حد تک مسمریزم کر سکتا ہے اور اسے اس طرح اپنے قبضے میں کر سکتا ہے کہ وہ جس پر مسمریزم کیا گیا ہو۔ مردے کی طرح بن جائے۔ اور مسمریزم کرنے والے کا نظام بن جائے لیکن ایسا ممکن ہے میرے ساتھ ایسا ہی ہوا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اس نے مسمریزم کر کے میری روح کو اپنے قبضے میں کر لیا تھا یا نہیں۔ اتنا میں جانتا تھا کہ میں زندہ تھا اور زندگی کس کو عزیز نہیں ہوتی۔! وہ اپنے ہاتھ پر سر رکھے بائیں کروٹ لینا مجھے یوں دیکھ رہا تھا جیسے میرے خیالات پڑھ رہا ہو۔ اور میں جانتا ہوں کہ وہ میرے خیالات پڑھ سکتا تھا۔

”راہرٹ ہالٹ تم چور ہو۔“

”میں چور نہیں ہوں۔“

”تم چور ہو۔ کیونکہ میں کہتا ہوں کہ تم چور ہو اس لئے یقیناً ہو۔ اس کھلی ہوئی کھڑکی کے ذریعہ تم یہاں

آئے ہو اور اسی کے ذریعہ تم باہر جاؤ گے۔ تم اپنی مرضی سے آئے تھے لیکن جاؤ گے میری مرضی سے۔ میں

نہیں جانتا تھا کہ اس میں کیا لطیفہ تھا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس کے حلق میں سے خرخرہٹ کی آواز نکلی جو

یقیناً اس کی ہنسی تھی۔“ راہرٹ ہالٹ۔ تم ایک دوسری کھڑکی کے ذریعہ ایک دوسرے مکان میں گھسو گے۔

کیونکہ تم چور ہو۔“

وہ خاموش ہو گیا اور مجھے گھورنے لگا۔ ایک لمحہ کیلئے بھی اس کی نظر میرے چہرے پر سے نہ ہٹی۔ غالباً

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ وہ پلک نہ جھپکا رہا تھا۔ خدا یا کس قدر عجیب نظروں سے وہ مجھے دیکھ رہا تھا۔

اور جب وہ بولا تو اس کا لہجہ بدلا ہوا تھا۔ اس کی آواز کڑخت ہو گئی تھی اور اس میں غصے اور نفرت کی

جھلک تھی۔ ”پال لنگھام کو جانتے ہو۔“

اس نے یہ نام یوں لیا جیسے اسے اس شخص سے نفرت ہوتا ہم اس نام کو اپنی زبان سے ادا کرنے میں

سے لطف آ رہا ہو۔ جیسے یہ نام اسے بہت پسند ہو۔ جیسے اسے پال لنگھام سے لگاؤ ہو۔ لیکن سخت نفرت بھی

بے موقع معلوم ہوا۔

”تم نے اس کا گھر دیکھا ہے۔ عظیم پال سنگھام کا گھر؟“

”نہیں۔“

”جھوٹ کہتے ہو تم۔“

یہ الفاظ ایک غراہٹ کی شکل میں اس کے منہ سے نکلے مجھے یوں معلوم ہوا جیسے ان غراتے ہوئے لفظوں کا کوڑا سڑاک سے میرے منہ پر مارا ہو۔

”سچ کہتا ہوں۔ میں نے اس کا گھر نہیں دیکھا۔ مجھ جیسے غریب لوگ ایسی عظیم شخصیت کے گھر جاسکتے ہیں کبھی اگر کبھی میں نے اس کا پتہ کسی اخبار میں دیکھا تھا تو اب بھول چکا ہوں۔“

چند ثانیوں تک وہ غور سے میری طرف دیکھتا رہا۔ گویا معلوم کرنا چاہتا ہو کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ سچ ہے یا نہیں۔ اور آخر کار اسے اطمینان ہو گیا کہ میں سچ کہہ رہا تھا۔

”تم نے نہیں دیکھا اس کا گھر؟ بہت اچھا۔ میں تمہاری راہبری کروں گا۔ عظیم پال سنگھام کا گھر میں تمہیں بتاؤں گا۔“

میں نہیں جانتا تھا کہ اس کا مطلب کیا ہے لیکن وہ بہت جلد مجھ پر واضح ہو جانے والا تھا۔ حیرت انگیز خلاف توقع اور چونکا دینے والا انکشاف ثابت ہوا تھا اور اس کا لہجہ اور اس کی حرکتیں انسانوں کی سی نہیں بلکہ وہ لومڑی کی سی تھیں بڑا ہی مکار تھا۔ وہ اس کی آواز میں عجیب تاثیر تھی۔ اور وہ ایک ایک الفاظ کو کوڑے کی طرح استعمال کر رہا تھا۔

”راہرٹ ہالٹ غور سے سنو! ہم تن گوش ہو جاؤ۔ اپنی تمام تر توجہ میری طرف مبذول کر دو تا کہ تم ایسا ہی کرو جیسا میں کہوں۔ اور میں جانتا ہوں کہ میرے ہر حکم کی تعمیل کرو گے۔ میں جانتا ہوں کہ تم میرے غلام ہو اور سرتابی کی جرات نہ کرو گے۔“

وہ خاموش ہو گیا تا کہ میں اپنی بے بسی اور بے کسی کو سمجھ لوں۔ میں یقین کروں کہ میں اس کے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتا اور میں نے یہ یقین کر لیا اور اس کے علاوہ میں کر بھی کیا سکتا تھا۔ کیونکہ میں کہہ چکا ہوں کہ اپنی ذات پر میرا اختیار نہ رہا تھا۔ میری قوتوں اور ارادوں کی باکیں اس پر اسرار آدمی کے ہاتھ میں تھیں۔

”راہرٹ ہالٹ! سنو تم کھلی ہوئی کھڑکی میں سے چوروں کی طرح میرے گھر میں گھس آئے ہو اب تم ایک بیوقوف کی طرح کھڑکی میں سے باہر جاؤ گے۔ یہاں سے باہر نکل کر تم عظیم پال سنگھام کے مکان تک پہنچو گے۔ لیکن تم کہتے ہو کہ تمہیں اس کا پتہ معلوم نہیں۔ بہت اچھا میں پہنچا دوں گا تمہیں وہاں تک۔ میں تمہاری راہبری کروں گا۔ تمہیں اس جگہ تک پہنچا دوں گا۔ لیکن تم مجھے دیکھ نہ سکو گے۔ رات کے اندھیرے میں میں تمہارے ساتھ ساتھ چلوں گا۔ لیکن نظر نہ آؤں گا اور تمہیں اس جگہ تک پہنچا دوں گا۔ جہاں تمہیں بھیجنا چاہتا ہوں۔ جس حال میں تم یہاں کھڑے ہو۔ اسی حال میں جاؤ گے۔ ننگے سر ننگے پاؤں اور یہی ایک جب پھن کر جو اس وقت تمہاری برنگی کو چھپائے ہوئے ہے تم سردی محسوس کرو گے اور

”سنگھام سنگھام! طویل قامت و متناسب الاعضاء ہے“ اس کی جلد نرم چکنی اور دودھ کی طرح سفید ہے۔ وہ چہرے سے بدن کا پرکشش آدمی ہے۔ اور جسمانی طور پر خاصا طاقتور ہے۔ میں جانتا ہوں اس کے جسم اور اس کی جسمانی قوت سے میں واقف ہوں اس کا تجربہ ہوا ہے مجھے۔ اس کی بیوی بن کر رہنا بڑی خوش قسمتی ہے۔ بہت بڑی نعمت ہے اس کی بیوی بننا۔ مکمل ترین مرد ہے سنگھام۔ اس کے دل میں جگہ حاصل کر کے کوئی بھی لڑکی اپنی مسرتوں اور خواہشات کو عروج تک پہنچا سکتی ہے۔ اس کے ساتھ سو کر دنیا و مافیہا کو بھلایا جاسکتا ہے۔ میں جانتا ہوں۔ مجھے تجربہ ہے اس کا۔ سنگھام کو حاصل کر کے کوئی بھی لڑکی پھر کسی چیز کی آرزو نہیں کر سکتی۔ اس کی بیوی بننا سب سے بڑی مسرت ہے سب سے بڑی سب سے بڑی۔“

اور یہ کہتے وقت اس کے چہرے میں تغیر ہوا۔ اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اس کے بشرے سے جنسی بھوک کا اظہار ہوا۔ اس کے بھیا تک چہرے پر ملاحظہ آئی جس میں اداسی اور طلب کی جھلک تھی۔

”ٹھیک ہے اس کی بیوی بننا سب سے بڑی مسرت ہے لیکن ایسی محبت نہیں جس کی محبت کا وہ مذاق اڑائے۔ اس نے مذاق اڑایا۔ جس سے وہ نفرت کرے۔ اس نے نفرت کی جسے وہ ٹھکرا دے۔ اس نے ٹھکرا دیا۔ جس کی جان لینے کی وہ کوشش کرے۔ اس نے کوشش کی۔“

اس کی آواز میں اب پہلی سی ٹانگی اور غصہ تھا اور ساتھ ہی ساتھ انتقام کی جھلک بھی۔ میں یہ سمجھ نہ سکا کہ وہ بھیا تک آدمی کیوں بیک وقت سنگھام کی تعریف کر رہا تھا اس کے حسن اور قوتوں کے گن گار رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ غصے بھی ہو رہا تھا۔

”سنگھام شیطان ہے شیطان چٹانوں کی طرح سخت ہے اس کی رگوں میں حیات کا گرم خون نہیں ہے۔ ایک قطرہ تک نہیں ہے۔ وہ لعلتی ہے جھوٹا ہے۔ وہ مجسم جھوٹ ہے۔ من گھڑت کہانیوں کی طرح جھوٹا۔ وہ دھوکے باز ہے۔ وہ خود ایک دھوکا ہے۔ وہ اس کو ٹھکرا سکتا ہے۔ جس نے اسے اپنے سینے سے لگایا اور اسے زندہ رکھا ہو ٹھکرا دیتا ہے۔ ٹھکرا دیا ہے۔ سینے سے لگاتا ہے۔ پیار کرتا ہے۔ پھر پیچیدگی دیتا ہے اسی طرح جیسے اس بیماری کے دن نہ ہوں وہ اسے بھول جاتا ہے۔ جیسے اس بیماری کا وجود ہی نہ ہو۔ وہ اسے بھول سکتا ہے بھول گیا ہے۔ لیکن وہ نہیں بولی۔ انتقام انتقام اس کا پیچھا کر رہا ہے انتقام لینے والا۔ انتقام جو اس کا تعاقب کر رہا ہے۔ اندھیرے کے سایوں کے روپ میں اس کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ غاروں میں چھپ کر اسے دیکھ رہا ہے۔ وہ خطر ہے۔ وہ ہوشیار اور چلاک ہے۔ انتقام جو مناسب موقع اور وقت کا منتظر ہے۔ اور وقت آئے گا ضرور آئے گا۔ جلد آئے گا۔ انتقام کا وقت اور انتقام پورا ہوگا۔ ایک دن آئے گا جب انتقام لینے والا انتقام لے گا۔ انتقام انتقام انتقام۔“

جوش کے عالم میں وہ مجنوںوں کی طرح اٹھ کر بیٹھ گیا اور اپنے دونوں ہاتھ سر پر رکھ کر عذاب میں مبتلا روح کی طرح چیخنے لگا۔ خون منجمد کر دینے والی چیخیں تھیں اس کی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی اسے ذبح کر رہا ہو۔ رفتہ رفتہ اس کا جوش و غصہ کم ہوا۔ وہ پھر اپنے ایک ہاتھ پر سر رکھ کر بائیں کروٹ سے لیٹ گیا اور مجھے گھورنے لگا۔ اور پھر اس نے مجھ سے ایک سوال پوچھا جو اس کے حالیہ جوش اور غصے کے پیش نظر عجیب

وہ ایک لمحہ تک خاموش رہا۔ پھر پچھلے موضوع کی طرف لوٹ آیا اور اس کے منہ سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ میرے دماغ میں یوں اترتا گیا جیسے وہ الفاظ نہیں کیلیں ہیں جنہیں وہ میرے دماغ میں ٹھونک رہا ہو۔
”تم ایک چور کی طرح اس کے گھر میں داخل ہو گے۔ اندر پہنچنے کے بعد تم چند ثانیوں تک خاموش کھڑے آہٹ لو گے۔ جب کوئی آواز سنائی نہ دے ہر طرف خاموشی ہوگی تو تم اس کمرے کی طرف بڑھو گے جسے لنگھام مطالعہ کا کمرہ کہتا ہے۔“

”لیکن میں کس طرح پہنچوں گا اس کمرے تک جبکہ میں کبھی اس مکان میں گیا ہی نہیں؟“
یہ سوال بے اختیار میرے منہ سے نکل پڑا تھا۔ اور ایک چیخ کی صورت میں میری پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہو گئے۔
”میں دکھاؤں گا۔“

”تو کیا تم میرے ساتھ چلو گے؟“
”ہاں میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔ آخر تک میں تمہارے ساتھ رہوں گا۔ لیکن تم مجھے نہ دیکھ سکو گے۔ چنانچہ ڈرو نہیں۔“

وہ بستر پر پڑا ہوا تھا۔ کسی لاعلاج موذی مرض میں مبتلا اور کمزور معلوم ہوتا تھا۔ اس کی ایسی حالت کے پیش نظر اس کا یہ دعویٰ کہ وہ میرے ساتھ رہے گا۔ مجھے انوار طفلی معلوم ہوا۔ یہ گویا فوق الفطرت قوتوں کا دعویٰ تھا اور مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ پراسرار آدمی ایسی قوتوں کا مالک ہے یا ہو سکتا ہے لیکن میں اپنے اس شک کا اظہار لفظوں میں نہ کر سکا۔

اس بھیا تک آدمی نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔
مطالعہ کے کمرے میں داخل ہونے کے بعد تم درازوں والی اس الماری کے پاس پہنچو گے جو کمرے کے ایک کونے میں رکھی ہوئی ہے۔ اس وقت بھی میں اس الماری کو دیکھ رہا ہوں۔ تم اس الماری کی ایک مخصوص دراز کھولو گے۔

”لیکن اگر وہ قفل ہوئی تو۔“

”تب بھی تم اسے کھولو گے۔“

”یہ کیسے ممکن ہے اگر وہ قفل ہوئی تو میں اسے کس طرح کھول سکوں گا؟“

”اسی فن کے ذریعہ جس سے صرف چور واقف ہیں میں پھر کہتا ہوں کہ دراز کھولنا تمہارا کام ہے میرا نہیں۔“

میں نے کوئی جواب نہ دیا حالانکہ ان گنت خیالات میرے دماغ میں اوپر تلے گر رہے تھے۔
”تم اس دراز کو کھولو گے اگر اس میں تین تالے پڑے ہوئے ہیں تب بھی تم اسے کھولو گے۔ کیونکہ میں کہتا ہوں کہ تم اسے کھولو گے اس دراز میں۔“ وہ چند ثانیوں تک خاموش رہا جیسے کچھ یاد کر رہا ہو۔
”اس دراز میں تمہیں خطوط کا ایک پلندہ پڑا ہوا ملے گا۔ یہ خطوط ایک ریشمی فیتے سے بندھے ہوئے ہیں۔ تم یہ پلندہ اٹھا لو گے اور جس طرح مکان میں داخل ہوئے تھے اسی طرح باہر آ جاؤ گے۔ اور نہایت

تمہارے پاؤں زخمی ہو جائیں گے لیکن اگر کسی نے تمہیں اس حالت میں دیکھا بھی تو وہ تمہیں پاگل سمجھے گا۔ ممکن ہے راستے میں کوئی تمہیں روکنے اور نوکنے کی کوشش کرے لیکن گھبراؤ نہیں۔ میں تمہارے ساتھ رہوں گا اور چونکہ میں تمہارے ساتھ رہوں گا۔ اس لئے کوئی خاص بات نہ ہوگی۔ یہاں تک کہ تم عظیم پال لنگھام کے مکان تک پہنچ جاؤ گے۔“

وہ خاموش ہو گیا۔ اس نے جو کچھ کہا تھا اس کا اثر بڑا ہی وحشت انگیز تھا۔ میں زیادہ سے زیادہ بے چین ہو رہا تھا۔ اس کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ میرے ایک ایک عضو کو اپنی گرفت میں لے رہے تھے۔ میں ان لفظوں کو ہزار بار کی مانگوں کی طرح اپنے جسم پر محسوس کر رہا تھا۔ میں سچ کہہ رہا ہوں شاید آپ یقین نہ کریں گے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ الفاظ میرے بدن کے گروپٹ رہے تھے اور میں زیادہ سے زیادہ بے بس ہوا جا رہا تھا۔ لفظوں کا ایک ایسا ہمہ گیر اثر میں نے اور کسی نے بھی محسوس نہ کیا ہو گا اور میں نے محسوس کیا کہ وہ کیسا بھی خطرناک کام میرے سپرد کرے مجھے بہر حال وہ پورا کرنا ہو گا۔

”جب تم مکان کے قریب پہنچ جاؤ گے تو وہاں رک کر آہٹ لو گے۔ پھر اس کھڑکی کی تلاش میں تم چاروں طرف نظر دوڑاؤ گے جس میں سے ہو کر تمہیں مکان میں جانا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ تمہیں ایک کھڑکی کھلی ہوئی مل جائے۔ جیسی کہ میرے مکان کی کھڑکی کھلی ہوئی مل گئی تھی۔ اگر کھڑکی کھلی ہوئی نہ ہو تو ظاہر ہے کہ تم اسے کھولو گے۔ کس طرح؟ میں یہ نہیں جانتا کیونکہ یہ تمہارا کام ہے اور ایک چور جانتا ہے کہ کھڑکی کس طرح کھولی جاتی ہے۔ پھر تم چور کی طرح لنگھام کے مکان میں داخل ہو جاؤ گے جس طرح کہ میرے گھر میں داخل ہوئے ہو۔“

اس کی یہ بدانتیں شرمناک اور انسانی سوز تھیں۔ میری خودداری اور اس اثر میں جو وہ پراسرار آدمی مجھ پر ڈال رہا تھا۔ جدوجہد ہو رہی تھی۔ اس جدوجہد کا نتیجہ یہ ہوا کہ میری گنگ زبان آخر کار ٹھل گئی۔ وہ بندھن جو نظر نہ آ رہے تھے لیکن جنہوں نے مجھے جکڑ لیا تھا۔ تھوڑی دیر کے لئے ٹوٹ گئے اور مجھے احساس ہوا کہ میں ایک شریف آدمی ہوں۔ چور اور چکا نہیں، حالانکہ میری قوت ارادی لمحہ بہ لمحہ سرکتی جا رہی تھی اور وہ پراسرار آدمی مجھ پر اپنی گرفت مضبوط کرتا جا رہا تھا لیکن لمحہ بھر کے لئے۔ صرف ایک لمحے کے لئے۔ میں کوشش کر کے اس کے اثر سے آزاد ہو گیا تھا۔

”میں ایسا نہ کروں گا۔“ میں نے جھجھری لے کر کہا۔

وہ خاموش رہا۔ وہ میری طرف دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں کی پتلیاں پھیلے لگیں، پھیلے لگیں۔ یہاں تک کہ میرے سامنے ان ہیبت ناک پتلیوں کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

”تم ایسا ہی کرو گے سناتم نے۔ ایسا ہی کرو گے۔ کیونکہ میں کہتا ہوں۔“

”میں چور نہیں ہوں میں ایک شریف آدمی ہوں۔ پھر میں ایسا کیوں کروں۔“

”اس لئے کہ میں یہ کہتا ہوں۔ اس لئے کہ یہ میرا حکم ہے۔“

”خدا کے لئے رحم کرو۔“ میں گڑگڑایا۔

”کس پر؟ تم پر یا پال لنگھام پر؟ کسی نے کیا ہے مجھ پر رحم کہ میں کروں۔“

تیزی سے میرے پاس پہنچ کر خطوط کا وہ پلندہ مجھے دے دو گے۔“

”لیکن چوری کرتے وقت یا مکان سے نکلنے وقت میری کسی سے مدد بھیڑ ہوگئی تو کیا ہوگا۔ فرض کرو کہ لسنکھام ہی وہاں آ گیا تو؟“

”پال لسنکھام۔ اگر تمہارا سامنا اس سے ہو جائے تو گھبرانے اور ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔“

”یہ تو تم کہتے ہو کیونکہ تم چوری کرنے نہ جاؤ گے۔ اور نہ ہی تمہارا سامنا کسی سے ہوگا چوری میں کروں گا اور پکڑا بھی میں جاؤں گا اور لسنکھام کے اثر و رسوخ سے تم واقف ہو۔ وہ مجھے پھانسی پر لٹکوا دے گا۔“

”میں کہہ چکا ہوں کہ لسنکھام سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور میں جو کچھ کہتا ہوں وہی ہوتا ہے تمہیں میری بات کا یقین کرنا چاہئے۔“

”اگر وہ سامنے آ گیا تو میں کس طرح بچ سکوں گا۔ ظاہر ہے کہ وہ اس شخص کو جو اس کے گھر میں چوری کر رہا ہو۔ عزت و احترام سے رخصت نہ کرے گا۔ ہاں اگر میں اس کا خون کروں تو بچ سکتا ہوں تو کیا مجھ کو اس کا خون کرنا ہوگا۔“

”نہیں۔ تم اسے انگی تک نہ لگاؤ گے اور وہ بھی تمہیں نہ چھوئے گا۔“

”کون سا ہے وہ بحر جس کے ذریعہ میں اسے روک سکوں گا۔“

”صرف ایک لفظ کہہ کر۔“

”کون سا ہے وہ لفظ؟“

”اگر تمہارا سامنا پال لسنکھام سے ہو جائے اگر وہ تمہیں روکنے کی کوشش کرے اگر وہ تمہارے کام میں خلل ہو۔ اگر وہ تم سے خطوط کا پلندہ واپس لینے کی کوشش کرے تو تم نہ گھبراؤ گے نہ ڈرو گے اور نہ اس کے سامنے سے بھاگو گے اس کے برخلاف تم سینہ تان کر اس کے سامنے کھڑے ہو جاؤ گے۔ بے خوفی سے کھڑے رہو گے۔ اور کہو گے۔“

اس کی آواز میں کوئی خاص بات تھی۔ اس کی آواز ہیبت ناک ہوگئی جس کی وجہ سے میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔ چنانچہ وہ خاموش ہو گیا تو میں نے چیخ کر پوچھا۔

”کیا کہوں گا میں؟“

”صرف ایک لفظ۔“

”کیا۔“

”بھونرا۔ آ۔ آ۔“

جیسے ہی یہ لفظ اس کے منہ سے ایک خوفناک چیخ کی صورت میں نکلا ایک کمرے میں اندھیرا اچھا گیا۔ اور مجھے احساس ہوا کہ اس اندھیرے میں میرے ساتھ کوئی پر اسرار چیز موجود ہے۔ کوئی خبیث چیز۔

وہی جو گزشتہ رات بھی میرے ساتھ اس کمرے میں موجود تھی۔ میرے سینے سامنے اندھیرے کی چادر میں روشنی کے دوداغ پھیلنے لگے۔ کوئی چیز پھڑ پھڑا کر بستر پر سے فرش پر گر گئی اور اب وہ چیخ میری طرف بڑھ رہی تھی۔ میں مارے خوف کے ہت بن گیا۔ یہاں تک کہ اس گھناؤنی چیز کی گھناؤنی اور نفی ٹانگیں میرے ننگے

پروں سے چھو گئیں۔ اس خیال نے مجھے پاگل کر دیا کہ وہ میرے جسم پر چڑھنے جا رہا ہے میں عذاب میں مبتلا روح کی طرح چیختے لگا۔

شاید میری ان چیخوں نے اسے خائف کر دیا اور وہ بھیاٹک کھڑا ہوا جو کچھ بھی وہ تھا میرے قریب سے ہٹ گیا۔ چلا گیا۔ کمرے میں اندھیرا اور خاموشی طاری رہی دفعۃً روٹنی ہوگئی۔ اور میرے سامنے وہی بھیاٹک آدمی لیٹا ہوا تھا جس کے متعلق مجھے یقین ہو چلا تھا کہ وہ مافوق الفطرت شیطانی قوتوں کا مالک ہے۔

”یہی ایک لفظ کہتا ہے تمہیں اور پھر تم دیکھو گے کہ کیا ہوتا ہے لیکن پال لسنکھام زبردست قوت اداوی کا مالک ہے۔ چنانچہ اس کے بعد بھی اگر وہ تمہیں روکنے کی کوشش کرے تو تم پھر کہو گے ”بھونرا۔“ پس اس سے زیادہ تمہیں کچھ نہیں کہنا ہے۔ اس لفظ کو دو دفعہ دہرانا کافی ہوگا۔ اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اس کے بعد لسنکھام تمہیں نہ روکے گا۔ پس جاؤ جھلملی اٹھاؤ کھڑکی کھولو اور باہر نکل جاؤ میرے حکم کی تعمیل کرو اور جلد لوٹ آؤ۔ یہاں میں تمہارا انتظار کروں گا اور تمہارے ساتھ بھی رہوں گا۔ راستے میں اور لسنکھام کے مکان میں میں تمہارے ساتھ رہوں گا۔ لیکن تم مجھے دیکھ نہ سکو گے۔ اور جب واپس آؤ گے تو مجھے اپنا منتظر پاؤ گے۔ میں جو کہتا ہوں کرتا ہوں جو کہتا ہوں ہوتا ہے۔ جاؤ جاؤ۔“

میں نے جھلملی اٹھائی کھڑکی کھولی اور ننگے سر ننگے پیر اور اسی بنے میں جو ٹھیک سے میری برہنگی کو نہ چھپا رہا تھا۔ باہر آ گیا۔ میں احتجاج کر رہی نہ سکا احتجاج کرنے کے قابل میں رہا ہی نہ تھا۔ کوئی زبردست اثر۔ کوئی زبردست قوت مجھ سے وہ کام کروا رہی تھی جو میں کرنا نہ چاہتا تھا۔

اس کے باوجود جب میں سڑک پر آ گیا تو اطمینان کا سانس لئے بغیر نہ رہ سکا کسی اور کی مرضی سے کسی ایک جرم کرنے کی غرض سے کسی میں اس آسیب زدہ مکان سے باہر آ گیا تھا اور اس مکان سے باہر آنا میرے لئے ایک بڑی بات تھی۔ میرے اندھیرے دل میں امید کی دھندلی سی جو بات جل اٹھی اور میں نے سوچا کہ اس آسیب زدہ مکان سے دور پہنچ جانے کے بعد میں اس بے بسی اور بے کسی سے جو مجھ پر مسلط تھی نجات حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ میں چند ثانیوں تک کھڑکی کے قریب اور پھر وہاں سے ہٹ کر چند ثانیوں تک اسی دیوار کے قریب کھڑا رہا جو سڑک سے آسیب زدہ مکان کو جدا کر رہی تھی۔

میرا وجود اس وقت دو مختلف وجودوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ میں ذہری زندگی جی رہا تھا۔ جسمانی طور پر کسی کا تابع فرمان اور غلام تھا۔ اور اس کا حکم بجالانے پر مجبور۔ لیکن دوسری طرف میرا دماغ آزاد تھا جو اپنے طور پر سوچ اور سمجھ سکتا تھا لیکن دماغ کی یہ آزادی میری حالت کو بہتر نہ بنا سکتی تھی۔ دوسری باتوں کے ساتھ مجھے یہ بھی احساس ہوا میں کتنا عجیب معلوم ہو رہا ہوں گا میرا سر ننگا تھا پاؤں ننگے تھے اور ڈھیلے بنے

پہنچا آسان نہ تھا۔ کھڑکیوں پر مونے پر دے پڑے ہوئے تھے۔ چنانچہ کمرے میں گہرا اندھیرا تھا کسی زیر زمین غار کا سا اندھیرا۔ اس کے علاوہ کمرہ خالی نہ تھا۔ یعنی اس میں فرنیچر موجود تھا۔ چنانچہ اب مجھے بڑی احتیاط سے کام لینا تھا کہ کسی چیز سے ٹکرائے جاؤں لیکن پھونک پھونک کر قدم رکھنے کے باوجود ایک دفعہ میں ایک تپائی سے ٹکرایا وہ بڑی آواز کے ساتھ لڑھک گئی۔ دوسری دفعہ میری ٹھوک سے ایک کرسی گری اور تیسری دفعہ میں خود کسی چیز کو لے کر گرا۔ لیکن یہ بات مجھ سے کم نہیں کہ تپائی گری اور خود میرے گرنے سے جو آوازیں ہوئیں انہیں کسی نے نہ سنا اس کی صرف ایک وجہ میری سمجھ میں آتی ہے اور وہ یہ کہ مکان کی دیواریں مونی اور دروازے بند تھے جس کی وجہ سے کمرے کی آوازیں باہر نہ جاسکتی تھیں۔ اس کے علاوہ اس وقت مکان میں کوئی نہ تھا شاید نوکر تھے جو اپنے کمروں میں جو عاتبات سب سے اوپری منزل میں تھے۔ گھوڑے سچ کر سو رہے تھے۔ آخر کار میں دروازے تک پہنچ گیا۔ میرے ذرا سے اشارہ سے دروازہ کھل گیا۔ میں چند ثانیوں تک خاموش کھڑا آہٹ لیتا رہا۔ اور پھر نظر نہ آنے والے اپنے آقا کی راہبری میں درمیانی کمرے میں آ گیا۔ اس نے کہا تھا کہ وہ میری راہبری کرے گا چنانچہ کر رہا تھا۔ کس طرح؟ یہ میں آج تک نہ جان سکا۔ کمرہ مجبور کرنے کے بعد میں زینہ چڑھنے لگا اور اب میں پہلی منزل پر تھا دوسری منزل پر پہنچ کر اب میں اس دروازے کی طرف چلا جو دائیں طرف تھا میں نے دروازے کا دستہ کھمایا۔ وہ آسانی سے کھل گیا۔ کمرے میں داخل ہو کر میں نے دروازہ بند کر دیا۔ دروازے کے قریب ہی دیوار پر انگلیاں پھیریں تو مجھے بن مل گیا۔ میں نے بن دبا یا اور کمرے میں روٹی ہو گئی۔ یہ سب کام ایک مشین کی طرح کر رہا تھا۔ میں نے کمرے کا جائزہ لیا۔ بے شک وہ مطالعہ کا کمرہ تھا جیسا کہ اس پر اسرار آدمی نے کہا تھا۔ جو کسی طرح میرا آقا بن بیٹھا تھا۔ کمرے میں لکھنے کی تین میزیں تھیں جو تھوڑے تھوڑے فاصلے پر نہایت مناسب زاویوں سے رکھی ہوئی تھیں ایک میز بڑی تھی دوسری دو نسبتاً چھوٹی۔ تینوں میزوں پر کاغذات اور مسودات کے انبار تھے۔ ایک میز کے کونے پر ٹاپ رائٹر رکھا ہوا تھا۔ میزوں کے نیچے اور ان کے چاروں طرف کتابوں اور فائلوں کے انبار تھے۔ کمرے کی تینوں دیواروں پر اوپر سے نیچے تک یونی تختے لگے ہوئے تھے اور ان تختوں پر مونی مونی کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔ چوتھی دیوار سے لگی ایک الماری کھڑی تھی۔ یہ الماری مقلد تھی اور اس میں بھی کتابیں تھیں۔ کمرے کے انتہائی سرے پر بہت سی درازوں والی ایک پرانی الماری رکھی ہوئی تھی۔ میں سیدھا اس الماری کی طرف چلا تیر کی طرح غائب ہوں کہنا بے جا نہ ہوگا کہ کسی نے مجھے اس الماری کی طرف دھکیل دیا تھا۔

اس الماری کے نچلے حصہ میں بہت سی درازیں تھیں اور اوپری حصے میں شیشے کے کواڑ لگے ہوئے تھے۔ کواڑوں اور دروازوں کے درمیان ایک حصہ پر سرکنے والا تختہ لگا ہوا تھا۔ میری توجہ اس تختے کی طرف مبذول کرانی گئی میں نے اسے کھولنے کی کوشش کی وہ مقلد تھا۔ میں نے دونوں ہاتھوں اور پوری قوت سے اسے کھینچا لیکن وہ نہ کھلا۔ چنانچہ یہی تھی وہ دراز جس کا قفل توڑنے کے لئے مجھے ایک پیشہ ور چور کی سی مہارت کا ثبوت دینا تھا۔ پہلے بھی میں نے چوری نہ کی تھی۔ پہلے بھی میں نے تالا نہ توڑا تھا اس وقت بھی چوری نہ کی تھی جب میں فافے کر رہا تھا۔ اور میں نے اکثر اپنے آپ سے کہا تھا کہ دنیا کی کوئی طاقت مجھے

میں میرا جسم بھی نہ بچا تھا۔ ہوا تیزی سے پھرنار رہی تھی اور اس میں استرے کی کی کاٹ تھی۔ سب سے ہوا جو ایک دم تیز ہو گئی تھی۔ سچ معنوں میں میرے بدن پر چڑکے لگ رہی تھی۔ یہاں تک تو خیر ٹھیک تھا۔ لیکن اس حالت میں کھلی سڑک پر چلنے کا خیال بڑا ہی شرمناک اور لرزہ خیز تھا۔ میں کئی ماہ سے بیکار تھا۔ کئی مہینوں سے ایک جوڑی کپڑوں سے کام چلا رہا تھا۔ لیکن ایسی حالت میں مجھے کوئی دیکھ لیتا تو پہلے تو شاید ڈر جاتا اور پھر یہ کہہ کر کہ میں کسی پاگل خانے سے بھاگا ہوا پاگل ہوں پاگل خانے کی طرف چلا جاتا۔

لیکن سڑک سنسان تھی۔ کہیں کوئی شخص نظر نہ آ رہا تھا۔ میں اکثر سوچا کرتا ہوں کہ اس مقام کی تمام راتیں ایسی ہی خاموش ہوا کرتی ہیں یا وہی ایک رات ایسی خاموش تھی۔ ممکن ہے کسی خاص موسم یا رات کے ایک خاص حصے میں لندن کی راتیں ایسی خاموش اور سنسان ہو جاتی ہوں۔ دور دور تک کوئی انسان کوئی تانگہ حتیٰ کہ کتا تک نظر نہ آ رہا تھا۔ ہر سڑک ہر گلی خاموش اور ویران تھی۔

آخر کار میں اس مکان کے سامنے پہنچ گیا جس میں مجھے چور کی طرح داخل ہونا تھا۔

میں ایک زینہ چڑھنے لگا۔ پھر میں ایک دیوار پر چڑھ گیا اور اب میں ایک کھڑکی کی دہلیز پر تھا۔ اگر میرا پاؤں پھسل گیا ہوتا تو میں کوئی 20 فٹ نیچے ایک پھوٹے سے صحن میں جا پڑتا۔ لیکن کھڑکی کی دہلیز کافی چوڑی تھی۔ گویا وہ چوروں کی سہولت کی خاطر بنائی گئی ہو۔ میرے ایک ہاتھ میں چھوٹا سا پتھر تھا۔ اس پتھر سے میں نے تھوڑے کا کام لیا یعنی اس کی مدد سے میں نے کھڑکی کا کچھ توڑ دیا۔ کچھ نے نوٹ کر چھوٹا سا سوراخ پیدا کر دیا۔ سوراخ میں ہاتھ ڈال کر میں نے چٹنی کھول دی۔ دوسرے ہی لمحے میں ساش اٹھا کر مکان میں پہنچ چکا تھا۔

میں اب بھی اپنی اس وقت کی حالت اور جسارت کا خیال کرتا ہوں تو حیران رہ جاتا اور کانپ کانپ اٹھتا ہوں۔ حقیقت میں کوئی دوسرا میری مرضی کا مالک بن بیٹھا تھا۔ میں مجبور تھا۔ غلام تھا اور اپنی مرضی کے خلاف ایک ایسا کام کر رہا تھا جو میں نے بھی نہ کیا تھا۔ میں ایک شریف آدمی سے بدل کر دفعتاً ایک ذلیل چور بن گیا تھا سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ میں یہ بھی نہ جانتا تھا کہ میں کیا کر رہا ہوں اور مجھے کیا کرنا ہے۔ اس کے باوجود یہ عجیب بات ہے کہ اپنے اس عمل اور طریق کار کی پوری تفصیل اس طرح میرے دماغ پر نقش ہے کہ میں اسے بھی نہ بھلا سکوں گا۔ ماہر سے ماہر پیشہ ور چور بھی ایسی مہارت کا ثبوت نہیں دے سکتا۔ میں ہر کام بے دھڑک اور بے خوف ہو کر کر رہا تھا مثلاً کھڑکی کا شیشہ توڑنے کا عمل میرے اس عمل نے کسی کو بیدار نہ کیا۔ پہلے تو میں نے پتھر سے شیشے پر ضرب لگائی جس کی آواز پیدا ہوئی۔ پھر شیشہ ٹوٹ کر فرش پر گرا۔ آپ کہیں گے کہ ایسی خاموش رات میں شیشے کا چھٹکا سب کو بیدار کر سکتا ہے۔ لیکن یقین کیجئے۔ ایسی کوئی بات نہ ہوئی غالباً ہوا کی سنسانہٹ میں شیشے کے چھٹنے کی آواز دب گئی۔ اس وقت جب میں شیشہ توڑ رہا تھا تو ہوانے گویا قصداً اپنی رفتار بڑھا دی تھی۔ وہ سنسان رہی تھی۔ سیٹیاں بجا رہی تھی بلکہ چیخ رہی تھی۔ ممکن ہے ہوا کے شور نے دوسری آوازوں کو دبا دیا ہو۔

بہر حال اب میں ایک کمرے میں کھڑا آہٹ لے رہا تھا۔ لیکن کوئی آواز سنائی نہ دی۔ مکان میں قبر کی سی خاموشی طاری تھی۔ میں نے کھڑکی کا ساش بند کیا اور دروازے کی طرف بڑھا۔ لیکن دروازے تک

پران بندھنوں کو توڑ دیا جن میں میں جکڑا ہوا تھا۔ میں دروازے کی طرف بھاگا لیکن وہ بندھن میری قوت ارادی سے زیادہ مضبوط ثابت ہوئے۔ میں چند قدم ہی آگے بڑھا تھا کہ دفعۃً یوں کھڑا ہو گیا جیسے میرے پیروں میں لڑ گئے ہوں۔

مکان کے باہر کے دروازے میں چابی ڈالنے کی آواز آئی۔ چابی گھمائی گئی۔ تالا کھلنے کا کھٹکنا سنائی دیا اور دروازہ کھولا گیا اور پھر قدموں کی چاپ سنائی دی۔ کوئی مکان میں آ گیا تھا۔ اگر میرا بس چلتا تو میں کسی بھی طرح وہاں سے بھاگ پڑا ہوتا اور سوچ تو یہ ہے کہ میں فرار ہونا چاہتا بھی تھا۔ لیکن اپنے اس ارادے کو عملی جامہ پہنانا میرے اختیار میں نہ تھا۔ میرے دل کو شدید خوف نے جکڑ رکھا تھا۔ لیکن بظاہر میں پرسکون تھا اور اپنی جگہ پر کھڑا اپنے ہاتھ میں پستول گھمراہ تھا اور سوچ رہا تھا کہ میں تالا کھولنے کے لئے اسے کس طرح استعمال کر سکتا ہوں؟ فوراً ہی مجھے اپنے اس سوال کا جواب مل گیا۔ پستول کی نالی دروازے کے تالے پر رکھ کر مجھے لمبی دبا دیتا تھی۔ اور اس طرح تالے کو آزاد دیتا تھا۔

بڑا ہی احمقانہ خیال تھا جس پر عمل کرنا اپنے آپ کو خطرے میں ڈالنا تھا۔ بے شک گھر کے ملازم اب تک بیدار نہ ہوئے تھے۔ لیکن پستول کا دھماکہ انہیں بیدار کر سکتا تھا اور اگر مان بھی لیا جائے کہ پستول چلنے کے بعد بھی وہ سوئے پڑے رہتے تو اس شخص کا کیا جواب بھی اچھی مکان میں داخل ہوا تھا۔ اس کے پیروں کی چاپ بخوبی سن رہا تھا وہ بڑے اطمینان سے زینہ چڑھ رہا تھا۔ میں خاموشی سے اس زبردست قوت کے خلاف جدوجہد کر رہا تھا جو پستول سے تالا توڑنے پر مجھے مجبور کر رہی تھی۔ لیکن میری یہ جدوجہد رائیگاں ہی گئی۔ سوائے فرماں برداری کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ وہ پراسرار قوت مجھ پر پوری طرح حاوی ہو چکی تھی اور میں کچھ نہ کر سکتا تھا۔

میں پلٹا اور دونوں ہاتھوں میں پستول لئے الماری کی طرف چلا۔ میں گویا خواب کے عالم میں سب کچھ کر رہا تھا۔ میں کچھ سوچ کچھ نہ رہا تھا۔ میں اپنے ہوش میں نہ تھا۔ میں الماری کے سامنے پہنچ کر رکھا۔ پستول کی نالی تالے کے سوراخ پر رکھی اور لمبی دبا دی۔ ایک تڑانے کے ساتھ تالے کے ٹکڑے اڑ گئے۔ دروازہ کھل گئی میں نے ہاتھ بڑھا کہ خطوط کا وہ پلندہ اٹھا جس پر گلابی رنگ کا ریشمی فیتہ لپٹا ہوا تھا۔ دفعۃً ایک آواز سنائی دی۔ میں چونکا۔ میں نے گردن گھما کر دیکھا۔

کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور اس میں پال لٹگھام کھڑے تھے۔ وہ ایک ہاتھ دروازے کی ہتھکڑی پر رکھے حیرت سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔

چوری کرنے پر مجبور نہیں کر سکتی۔ لیکن اس وقت جب وہ دروازہ کھلی تو کسی ان دیکھی اور انجانی قوت نے مجھ پر اپنا اثر ڈالنا شروع کر دیا۔ اثر آہستہ آہستہ بڑھتا گیا یہاں تک کہ میں بے چین ہو گیا۔ مجھے اس دروازے پر غصہ آ رہا تھا۔ چونکہ کھل رہی تھی۔ آخر کار ان دیکھی اور انجانی قوت کا اثر ناقابل برداشت ہو گیا۔ میں نے اپنے آپ کو پوری طرح اس قوت کے اختیار میں دیدیا اور اب میں کسی ایسی چیز کی تلاش میں چاروں طرف نظریں دوڑا رہا تھا جس کے ذریعہ تالا توڑا جاسکے۔ اور ایسی چیز مجھے بہت جلد مل گئی۔ جہاں میں کھڑا تھا وہاں سے کوئی ایک گز دور دیوار سے لگا کر بہت سے ہتھیار رکھے ہوئے تھے۔ ان میں بھالے بھی تھے میں نے ایک بھالا اٹھا لیا اور بڑی کوششوں کے بعد اس کی نوک الماری اور تختے کے درمیان داخل کر دی اور اب میں تالا توڑنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن تالا غیر معمولی طور پر مضبوط ثابت ہوا۔ اسے توڑنے کے لئے میں نے جو زور لگایا تو تالا توڑنا البتہ بھالے کا پھل کھٹ سے ٹوٹ گیا۔ میں نے دوسرا بھالا استعمال کیا وہ بھی ٹوٹ گیا تیسرا استعمال کیا وہ بھی ٹوٹ گیا اب وہاں بھالے نہ تھے البتہ ایک اور ہتھیار موجود تھا۔ ایک کلباڑی تھی۔ میں نے کلباڑی اٹھائی اور اپنے جسم کی پوری قوت صرف کر کے اس کی دھار دروازے میں داخل کر دی ایک جھٹکا صرف ایک جھٹکا دیا تالا ٹوٹ گیا۔

میں نے تفتہ بنایا اس کے پیچھے بہت سی درازیں تھیں۔ میں فیصلہ نہ کر پایا تھا کہ مجھے کون سی دراز کھولنی ہے کہ فوراً ہی اس پر اسرار قوت نے جو مجھ سے چوری کروا رہی تھی۔ میری توجہ ایک دراز کی طرف مبذول کرانی۔ دراز بھی منقل تھی۔ ایک بار پھر مجھے کسی ایسے اوزار کی تلاش ہوئی جو اس دراز کا قفل توڑ سکے۔ اس قسم کا کوئی اوزار وہاں نہ تھا۔ کلباڑی میں استعمال نہ کر سکتا تھا۔ کیونکہ دراز چھوٹی اور نازک تھی۔ اور اس کے پرچے اڑ جانے کا خدشہ تھا۔ میں پھر چاروں طرف نظر دوڑانے لگا اور میری نظر آئندہ ان پر آ کر جم گئی آئندہ ان کی چھت پر ایک چرمی تھیلا رکھا ہوا تھا۔ تھیلے کا منہ کھلا تھا اور اس میں سے دو پستول جھانک رہے تھے۔ کچھ ہیں کہ ان دونوں سیاست میں گندے قسم کا کاروبار ہو رہا تھا۔ اور سیاستدان کی جان کو ہر گھڑی خطرہ لاحق رہتا ہے چنانچہ ممکن ہے کہ مسٹر سنگھام نے بھی خود حفاظتی کے لئے پستول رکھے ہوں۔ خاصے بڑے پستول تھے۔ نہ صرف دونوں پستول بھرے ہوئے تھے اور استعمال کے لئے تیار تھے۔ بلکہ تھیلے میں زائد کارٹوس بھی موجود تھے۔

اور اب پستول میرے ہاتھ میں تھے میں نے انہیں الٹ پلٹ کر دیکھا اور سوچ رہا تھا کہ دراز کھولنے کے لئے میں انہیں استعمال کر سکتا ہوں یا نہیں۔ ابھی میں کوئی فیصلہ نہ کر پایا تھا کہ باہر سے گاڑی کے پیہوں کی کھڑکھڑاہٹ سنائی دی۔ آواز مکان کی طرف ہی آرہی تھی۔ دفعۃً میرے دماغ میں گھڑکھڑاہٹ سی ہوئی اور مجھے یوں معلوم ہوا جیسے کوئی آواز مجھے "پستول استعمال کرنے کی ترکیب سمجھا رہی ہو۔ اپنے ان دیکھے شیر کی آواز کا مطلب سمجھنے کے لئے میرے جسم کے تمام پٹھے تن گئے۔ جب میں اس آواز کا جو میرے دماغ میں پیدا ہو گئی تھی۔ مطلب سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا تو گاڑی کے پیہوں کی آواز بہت قریب آ گئی۔ میرا خیال تھا کہ وہ آواز آگے بڑھ جائے گی لیکن وہ مکان کے قریب آ کر رک گئی۔ میرا دل اچھل کر میرے حلق میں پھنس گیا۔ مجنونانہ خوف کے عالم میں میں نے ایک جھرجھری لی اور عارضی طور

وہ شام کا لباس پہنے اور ایک ہاتھ میں چھوٹا سا چرمی تھیلا لئے ہوئے تھے۔ مطالعہ کے کمرے میں میری غیر متوقع موجودگی نے انہیں بھونچکا کر دیا تھا۔ سنگھام کا ٹھنڈا مزاج اور سکون ضرب اٹل بن چکا

سرے تک پہنچے چلے گئے اور الماری سے ٹیک لگائے نمایاں طور پر کانپ رہے تھے اور اس شخص کی طرح کھڑے تھے جس کے سر پر اپنی ملاخوں سے شدید ضرب لگائی گئی ہو۔ ان کے پرسکون چہرہ میں حیرت انگیز تبدیلی ہوئی تھی۔ ان کے خوبصورت چہرے کا رنگ زرد ہو رہا تھا۔ اور اس سے حیرت، خوف اور دہشت کے جذبات نمایاں تھے اور ان کی آنکھیں پھٹ کر بے نور سی ہو گئی تھیں۔ لنگھام میرے ہیرہ میں۔ میں ان کی حد سے زیادہ قدر و احترام کرتا ہوں۔ صحیح معنوں میں ان کا پرستار ہوں۔ چنانچہ جب میں نے انہیں یوں خوف کے عالم میں کانپتے دیکھا تو میرا دل عجیب طرح کے بے چین کر دینے والے جذبات سے بڑھ گیا۔

”کون ہو تم؟... خدا کے لئے بتاؤ... کون ہو تم؟“

ان کی آواز بھی بدلی ہوئی تھی لرزتی ہوئی، پھٹی ہوئی اور گھبرائی ہوئی۔ اگر ان کا کوئی دوست بھی اس وقت ان کی آواز سنتا تو پہچان نہ سکتا۔

”کون ہو تم؟ سن رہے ہو یا نہیں؟ میں پوچھ رہا ہوں کہ تم کون ہو تم؟ تم کو خدا کا واسطہ۔ بتاؤ۔ کون ہو تم؟“

جب میں نے کوئی جواب نہ دیا تو ان کے بشریہ سے خوف و دہشت کے ساتھ ساتھ بے چینی کے آثار بھی پیدا ہوئے۔ ان کی حالت قابل رحم ہو رہی تھی اور اب بھی وہ الماری سے ٹیک لگائے کھڑے تھے۔ گویا حرکت کرتے ہوئے بھی ڈرتے ہوں۔ ان کے جسم پر لرزہ طاری تھا۔ ان کے جسم کا ایک ایک پٹھا لرز رہا تھا۔ ان کی انگلیاں ایٹھ گئی تھیں اور وہ اپنا ایک ہاتھ ہوا میں یوں ہلا رہے تھے جیسے کسی نظر نہ آنے والی چیز کو پکڑنا چاہتے ہوں۔

”کہاں سے آئے ہو تم؟ کیا چاہتے ہو؟ کس نے بھیجا ہے تمہیں؟ کیوں ڈر رہے ہو مجھے؟ کیوں؟“

یہ سوالات ان کے منہ سے حیرت انگیز تیزی سے نکل رہے تھے اور جب انہوں نے دیکھا کہ میں بدستور خاموش ہوں تو سوالات اور بھی تیزی سے ان کے منہ سے نکلنے لگے۔ اب وہ ایک مٹھن کی طرح بول رہے تھے۔

”اور یہ کیا پہن رکھا ہے تم نے؟ یہ عجیب و غریب لباس تو برہنگی سے بھی زیادہ شرمناک ہے۔ یہ ایک قسم تمہارا یہ لباس تمہیں سخت سے سخت سزا دلوانے کے لئے کافی ہوگا اور تم نے مجھے سمجھ کیا رکھا ہے؟“

بیوقوف۔ ایں بیوقوف کیا سمجھ رکھا ہے مجھے؟ کچھ سمجھ رکھا ہے جسے ڈرایا جاسکے؟ اگر تمہارا یہی خیال ہے تو غلط ہے۔ نہ تو میں بچہ ہوں اور نہ میں بیوقوف۔ جس نے بھی تمہیں یہاں بھیجا ہے اس نے تمہیں کم از کم اتنا تو بتا دیا ہوگا کہ میں ایسا ویسا آدمی نہیں ہوں۔ بلکہ اشرور سوخ رکھتا ہوں اور اس شخص کو جو تقریباً نکال میرے گھر میں گھس آیا ہو۔ سخت سے سخت سزا دلوا سکتا ہوں البتہ اگر تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم کون ہو کس نے تم کو بھیجا ہے اور یہ تم کیا لینے یہاں آئے ہو تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے ساتھ حق نہ کروں گا لیکن اگر تم اس طرح منہ بند کئے کھڑے رہے تو میں تمہیں پولیس کے حوالے کر دوں گا۔ اور پولیس تم سے سب کچھ کھلوائے گی اور تم

ہے۔ چاہے وہ کسی مجمع کو مخاطب کر رہے ہوں یا دارالعلوم میں گرما گرم بحث کر رہے ہوں۔ وہ کبھی کسی حالت میں جوش میں نہ آتے تھے۔ کہتے ہیں کہ وہ کبھی غصے نہ ہوئے وہ میدان سیاست کے مشہور شہسوار ہیں اور کہتے ہیں ان کی کامیابی کا راز ان کے حیرت انگیز دماغی سکون میں مضمر ہے۔ چنانچہ اس وقت بھی انہوں نے اپنے اس حیرت انگیز سکون کا ثبوت دیا۔ وہ دروازے کی پتھری پر ایک ہاتھ رکھے اور ٹانگیں چوڑی کئے خاموش کھڑے تھے۔ جیسے جانتے ہوں کہ میں بھاگنے کی کوشش نہ کروں گا۔ چند ثانیوں تک وہ خاموش کھڑے اپنی خوبصورت آنکھوں سے میری طرف دیکھتے رہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ میں ظاہری طور پر گھبرا گیا تھا یا نہیں۔ لیکن دل ہی دل میں گھبرا ہوا پریشان اور خوفزدہ تھا۔ اور جب لنگھام نے مجھے مخاطب کیا۔ تو میں حیران رہ گیا انہوں نے مجھے یوں مخاطب کیا جیسے میں ان کا کوئی گہرا دوست ہوں اور اطلاق کے بغیر ان کے یہاں آدھمکا ہوں۔

”کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ جناب غریب خانہ پر کیوں تشریف لائے ہیں؟“

وہ خاموش ہو گئے۔ گویا میرے جواب کے منتظر ہوں۔ لیکن میں نے کوئی جواب نہ دیا اور جب میں نے کوئی جواب نہ دیا تو انہوں نے پوچھا۔

”جناب! آپ کون ہیں اور کس کی دعوت پر یہاں آئے ہیں؟“

میں نے اس کا بھی کوئی جواب نہ دیا۔ میں خاموش کھڑا تھا اور مسٹر لنگھام کی نظریں مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ میرا جائزہ لے رہے تھے۔ وہ مجھے غور سے دیکھ رہے تھے اور میری وضع قطع ایسی تھی کہ وہ غالباً یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ کوئی پائل ان کے گھر میں آگھسا ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ انہوں نے مجھے پائل سمجھ لیا تھا یا نہیں البتہ ان کے بشریہ سے کچھ ایسے جذبات ہو رہے تھے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ میرے متعلق کوئی آخری فیصلہ کرنے سے قاصر تھے۔ وہ دروازے میں سے بہت آئے اور اب وہ نہایت اطمینان سے میری طرف بڑھ رہے تھے۔

”دیکھئے۔ پستول اور وہ پلندہ جو آپ کے ہاتھ میں ہے مجھے دے دیجئے۔“

انہوں نے بڑے اخلاق سے کہا۔

اور جب وہ میرے قریب آئے تو یکایک کوئی چیز کوئی روح میرے بدن میں گھس پڑی۔ اور ایک دم سے زور کر کے میرے ہوتوں کی طرف بڑھی۔ چنانچہ میں نے بے حد چنگی مگر پھنکار دی ہوئی آواز میں کہا۔

”بھونرا۔ آ۔ آ۔“

جیسے ہی یہ لفظ میرے منہ سے نکلا کہ فوج کمرے میں اندھیرا چھا گیا۔ جی جی میں نے کمرے میں آکر جلائی تھی اپنے آپ مدغم پڑ گئی اور ساتھ ہی مجھے احساس ہوا کہ کمرے میں کوئی تیسری ہستی بھی موجود تھی۔ کوئی شیطانی ہستی۔ ممکن ہے وہ میرا وہم ہو۔ لیکن اگر وہ میرا وہم تھا تو عجیب حقیقی وہم تھا۔ اور پھر اس اثر کو کسی طرح اپنا وہم کہوں جو اس لفظ نے مسٹر لنگھام پر کیا تھا۔ جب وہ اندھیرا جو ایک دم کمرے میں چھا گیا تھا۔ دور ہوا تو میں نے دیکھا کہ مسٹر لنگھام انتہائی خوف اور گھبراہٹ کے عالم میں کمرے کے آخری

ہیں اور غالباً اس مکان میں رہتے ہوں گے جن کے روشندانوں پر ہرے رنگ کے شیشے ہیں اور ایک کمرے میں ایک نوٹا یا نور کھا ہے۔ وہی گھر ہے نا آپ کا؟ میں اسے بھولا نہیں ہوں۔“

دفعاً انہیں ایک خیال آیا۔ غالباً میری نوٹوں والی خاموشی ان کے اس خیال کا باعث تھی۔
بظاہر تو آپ انگریز معلوم ہوتے ہیں پھر میری بات سمجھتے کیوں نہیں؟ کیا تم انگریز نہیں ہو؟ اگر نہیں ہو تو پھر کون ہو؟ فرامیسی؟“

چنانچہ اب مجھے فرامیسی زبان میں مخاطب کر رہے تھے۔ میں فرامیسی زبان نہیں جانتا۔ تھوڑی دیر بعد خود لنگھام کو بھی احساس ہوا کہ وہ مجھے ایک ایسی زبان میں مخاطب کر رہے ہیں جن کی ابجد تک سے میں واقف نہیں۔ چنانچہ وہ خاموش ہو گئے۔ وہ مسکرائے اور اب وہ مجھے لٹگوں میں مخاطب کر رہے تھے۔ میں سرے سے اس زبان سے نا آشنا ہوں یہ زبان تو مجھے بندروں کی ”خون خوں“ کی طرح بالکل ہی بے معنی معلوم ہوئی۔ بہت جلد انہیں معلوم ہو گیا کہ میں یہ زبان بھی نہیں جانتا چنانچہ وہ پھر انگریزی کی طرف لوٹ آئے۔

”نو تو تم فرامیسی جانتے ہو اور نہ ہی روڈی، راگاس والوں کی مخصوص زبان سے واقف ہو۔ تو پھر کون سی زبان ہے تمہاری؟ چپ کار وہ نہ رکھا ہے کیا یا خدا نخواستہ گوگلے ہو؟ کچھ بولو تو میرے بھائی۔ کچھ بولو۔ تمہارا رنگ اور چہرہ انگریزوں کا سا ہے چنانچہ میں یہ تسلیم کئے لیتا ہوں کہ جو بات انگریزی میں کہی جائے اسے تم اگر پوری طرح نہیں تو ایک حد تک ضرور سمجھ لیتے ہو۔“

مسٹر لنگھام زیادہ سے زیادہ پرسکون ہوتے جا رہے تھے تاہم ان کے لہجے میں دھمکی کی جھلک تھی جو چونکہ ان کے سکون سے میل نہ کھاتی تھی اس لئے مصنوعی معلوم ہوتی تھی۔

”اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو تم میرے ماضی کے واقعات سے واقف ہو جنہیں میں بھول جانا چاہتا ہوں اور غالباً تم ایک ایسے شخص کے فرستادہ ہو جو میرے ماضی کے ایک خاص دور سے پوری طرح واقف ہے۔ چنانچہ اس شخص کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ میں جو بھول چکا وہ بھول چکا اسے پھر یاد کرنا تو مجھے پسند ہے اور نہ یاد کروں گا۔ میری پچھلی یادوں کو تازہ کر کے کسی کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ یہ ایک فقرہ ذہن نشین کر لو میری پچھلی یادوں کو تازہ کر کے مجھ سے کچھ فائدہ حاصل نہ کر سکے گا۔ میرے ماضی کا دور ایک سرباب اور وہ تم تھا اور میں اسے ایک خواب پریشاں سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔ ایک بیمار اور ضعیف مہاش کا خواب اس وقت میری دماغی اور جسمانی حالت ایسی ہو رہی تھی کہ کوئی بھی شعبہ باز مجھے سہا دے سکتا تھا اور ہوا بھی ایسا ہی میرے ناپختہ اور کمزور دماغ پر چند نقوش ابھارے گئے۔ اس شعبہ باز کی کو اب میں پوری طرح سمجھ چکا ہوں۔ چنانچہ اب تم اپنے دوست کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ اب میں اس شعبہ باز کی کا ہدف نہ بنوں گا۔ تم سن رہے ہو نا؟“

میں خاموش رہا۔ میری خاموشی مسٹر لنگھام کے اعصاب پر سوار ہوئی جا رہی تھی۔ ”بہت اچھا۔ خاموش رہو۔ اس خاموشی کا خمیازہ تم جھکتو گے۔ تم ایک پاگل کا پارٹ کر رہے ہو۔ اور مجھے اعتراف ہے کہ نہایت مہارت سے کر رہے ہو لیکن یہ صاف بات ہے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اسے تم نہ صرف سن رہے ہو

جانتے ہو گے کہ مجرم کی زبان کھلوانے کے لئے پولیس کیسے کیسے طریقے استعمال کرتی ہے۔ چنانچہ میں تمہیں خبردار کئے دیتا ہوں کہ۔ ابے تو سن رہا ہے یا نہیں۔ یہ توقف گدھے۔ بتا کون ہے تو؟“

آخری الفاظ انہوں نے نہایت ہی غصے کے عالم میں کہے تھے۔ لنگھام اور غصہ، ناقابل یقین سی بات ہے۔ خود لنگھام کو بھی اپنے غصے کا احساس ہوا۔ یہ ان کی شان کے خلاف تھا۔ وہ سنکھلے اپنے کوٹ کی جیب میں سے رومال نکال کر چہرے پر سے پسینہ پونچھا۔ عجب ہے ان کی پیشانی پر سے پسینے کے قطرے ٹپک رہے تھے حالانکہ رات سرد تھی۔

”جناب! یہ تو بتائیے کہ آپ کی اس خاموشی کا مطلب کیا ہے؟ کیا یہ بھی آپ کے اس پارٹ کا ایک حصہ ہے جو آپ ادا کر رہے ہیں یا ادا دکھانے پر مجبور ہیں؟“ ان کی آواز پرسکون تھی۔ مسٹر لنگھام نے معجزانہ طور سے اپنے غصے پر قابو حاصل کر لیا تھا۔

”تمہارے ہونٹوں پر ممکن ہے مہر لگی ہوئی ہو لیکن میرے لب آزاد ہیں۔ میں بول سکتا ہوں۔ اگر کوئی شخص تقریباً ہر بند میرے گھر میں چوری کرنے کی غرض سے گھس آئے اور میں اسے پکڑ لوں تو ظاہر ہے کہ میں اس کے ساتھ جو بھی سلوک کروں بجا ہوگا۔ اس سے تو تم کو بھی انکار نہ ہوگا کہ میں نے تم کو عین حالت جرم میں پکڑا ہے چنانچہ امید ہے کہ تم میری چند باتیں فور سے سن لو گے۔ تمہاری زبان بند ہے لیکن امید ہے کہ کان کھلے ہوں گے۔“

وہ خاموش ہو گئے میرے خیال میں وہ اپنے الفاظ کو پراثر بنانے کی کوشش کر رہے تھے غالباً وہ طنز یہ لہجہ استعمال کرنے کے متعلق سوچ رہے تھے۔

لنگھام نے کبھی کسی پر طنز نہ کیا تھا۔ لیکن مجھے غیرت دلانے اور میری زبان کھلوانے کے لئے وہ یہی ہتھیار استعمال کرنا چاہتے تھے جسے وہ حدودِ ادب چھوڑ کر سمجھ رہے تھے۔ اس کے علاوہ وہ غالباً آپ اپنی بہت ہی بندھا رہے تھے۔ میں نہیں جانتا لفظ ”بھونرا“ میں کون سا سحر تھا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس لفظ نے مسٹر لنگھام کی روح تک کی بنیادیں ہلا دی تھیں۔ اس ایک لفظ نے عظیم لنگھام کو خوفزدہ کر دیا تھا اور اس کا بین ثبوت یہ تھا کہ وہ مجھ پر غصہ ہونے یا آگے بڑھ کر مجھے پکڑ لینے کی جرأت نہ کر سکتے تھے۔ اس کے برخلاف وہ مجھے گویا پکار رہے تھے۔ نرم الفاظ استعمال کر کے مجھے یوں سمجھا اور پھسلا رہے تھے۔ جس طرح کہ بزرگ کسی ضدی بچے کے ہاتھ سے کوئی قیمتی چیز چھڑانے کے لئے اسے طرح طرح سے سمجھاتے بہاتے اور پھسلاتے ہیں۔

”ہاں تو یہ بتائیے جناب کہ کیا آپ اسی شرمناک لباس میں لندن کی سڑکوں پر گھومنا کرتے ہیں؟ معاف کیجئے گا صاحب یہ سرے سے لباس ہے ہی نہیں۔ آپ تو برہنہ ہیں بالکل چٹچ، بڑے شرم کی بات ہے اس لباس میں ایک پاگل تک باہر نکلے شرمائے، آپ تو پھر بھی شریف معلوم ہوتے ہیں۔ کس طرف سے آئے ہیں آپ؟ روڈی راگاس کی طرف سے؟“

یہ سوال انہوں نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔ ان کے اس اشتیاق کو میں نہ سمجھ سکا۔ میں خاموش کھڑا تھا اور باوجود کوشش کے اپنی زبان تک نہ بلا سکتا تھا چنانچہ معلوم ہوا کہ آپ روڈی راگاس میں ہی رہتے

ضرورت ہوئی تو میں آواز دے کر تمہیں بلاؤں گا۔"

چنانچہ ماتھیو چلا گیا۔ سنگھام پھر میری طرف گھوم گئے اور اب ان کے بشرے سے بے خوفی اور استقلال عیاں تھا۔ غالباً اپنے ملازموں کی موجودگی نے ان کا خوف دور کر دیا تھا۔

"میرے خیال میں اب تو تم نے صورت حال کا اندازہ لگا لیا ہوگا۔ میرے ملازم بیدار ہو گئے ہیں اور قریب ہی کھڑے ہیں میری ایک آواز پر وہ دوڑے آئیں گے اور تم پر ٹوٹ پڑیں گے اور پھر تم جانتے ہو کہ نتیجہ کیا ہوگا۔ نہیں جانتے تو مجھ سے سنو۔ تم کو پولیس کے حوالے کر دیا جائے گا اور تم جیل کی ہوا کھاتے نظر آؤ گے۔ میں کسی پر سختی کرنے کا عادی نہیں ہوں خواہ وہ ایک بد معاش یا چور ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ پستول رکھ دو اور خطوط کا پلندہ دے دو اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم پر سختی نہ کی جائے گی۔"

میں خاموش رہا۔

"دیکھو۔ مجھے غصہ نہ آوے۔ میں ایک شریف آدمی ہوں اور خود تم بھی شریف معلوم ہوتے ہو۔ چنانچہ میں خواہ خواہ کے ہنگامہ کو پسند نہیں کرتا اور یقین ہے کہ تم بھی پسند نہ کرتے ہو گے۔ میرے بھائی صورت حال کو سمجھو عقل سے کام لو اور وہ پلندہ میرے حوالے کر دو۔"

وہ پھر میری طرف بڑھے۔ ایک بار وہ قدم چلنے کے بعد وہ بھر رک گئے اور خوفزدہ نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگے۔ اور ایک بار پھر وہ اونچی آواز میں اپنے آپ سے باتیں کرنے لگے۔

"وہم ہے میرا۔ کچھ بھی تو نہیں۔ کچھ بھی تو نہیں۔ اب مجھے یہ توقف نہیں بنایا جاسکتا بات یہ ہے کہ میں ضرورت سے زیادہ گھبرا گیا ہوں اور۔"

ایک ایک وہ پاگلوں کی طرح چلانے لگے۔

"ماتھیو۔ ماتھیو۔ دوڑو۔ بھاؤ۔"

ماتھیو انتہائی بدحواسی کے عالم میں کمرے میں داخل ہوا اس کے ساتھ تین دوسرے ملازم تھے جو اس کی طرح بوڑھے نہ تھے۔ تینوں ناکافی کپڑے پہنے ہوئے تھے صاف ظاہر تھا کہ جلدی میں جو کپڑے ہاتھ لگ گیا تھا اسے پھینک کر چلے آئے تھے اور جو بھی ہتھیار مل گیا اسے اٹھا کر بھاگے آئے تھے۔ مثلاً چمچری آگ بھڑکانے کی بجھنی وغیرہ۔

"پستول چھین لو اس کے ہاتھ سے۔" سنگھام نے کہا "پچھاڑ کر چڑھ بیٹھو اس پر اور اس سے وہ پلندہ چھین لو جو اس کے بائیں ہاتھ میں ہے ذرو نہیں ذرو نہیں۔ میں نہیں درتا اس سے۔"

اور ثبوت کے طور پر خود سنگھام میری طرف لپکے۔ فوراً ہی میرے ہونٹ پھڑکے "میرے منہ میں میری زبان لرزی اور ایک ایسی آواز میں جو یقیناً میری اپنی نہ تھی۔ میں نے چیخ کر کہا۔

"بھونکا آ۔"

دفعۃً کمرے میں اندھیرا چھا گیا اور کوئی بھی ناک آواز میں یوں مسلسل چیلنے لگا جیسے دوزخی عذاب میں مبتلا ہو۔ مجھے احساس ہوا کہ کوئی اندھیرے کمرے میں گھس آیا ہے۔ خدا جانے کہاں سے اور کیسے۔ لیکن کوئی ہولناک ہستی کمرے میں گھس آئی ہے۔ مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ کوئی مجھے گھسیٹ رہا تھا اور میں

بلکہ بخوبی سمجھ رہے ہو۔ چنانچہ میری درخواست ہے کہ یہ پستول اور خطوط کا وہ پلندہ جو تم نے چرایا ہے مجھے دیدو۔"

میں بت بنا کھڑا رہا۔

"میں پوچھتا ہوں پستول اور خطوط کا پلندہ مجھے دے رہے ہو یا نہیں؟ اگر نہیں دے رہے تو مجھے مجبور اپنے ملازموں کو طلب کرنا پڑے گا اور اس کے بعد جو ہوگا اس کے ذمہ دار خود تم ہو گے۔ مجھے دھوکہ دینے کے لئے پاگل نہ بنو۔ پاگلوں سے میں خوب واقف ہوں اور ان کے پاگل پن دور کرنے کا تجربہ بھی جانتا ہوں۔ لاؤ پستول اور پلندہ مجھے دو دے رہے ہو یا نہیں؟" مسٹر سنگھام کا غصہ اور بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ مشہور ہے کہ مسٹر سنگھام غصے کے نام تک سے واقف نہیں نہ ناممکن ہے کہ انہیں غصہ آئے لیکن میری خاموشی ناممکن کر رہی تھی اور اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں اگر سنگھام کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اب تک پاگل ہو گیا ہوتا یا کم از کم اپنے کپڑے پھاڑنے اور بال نوپنے لگ گیا ہوتا۔

"تم سمجھتے ہو کہ میں ڈر گیا ہوں تم سے؟ تم سے ایک پاگل سے خدا کی قسم ایسا سبق دوں گا کہ تم اس عمر بھر یاد رکھو گے۔ انہوں نے آخری الفاظ دانت پیس کر اونچی آواز میں کہے۔ لیکن صاف ظاہر تھا کہ اس طرح وہ آپ اپنی ذہان رس بندھا رہے تھے دھمکیوں کو بار بار دہراتا لیکن اس پر عمل نہ کرنا اس بات کا ثبوت تھا کہ مسٹر سنگھام گھبراہٹ ہوئے خوفزدہ اور سہمے ہوئے تھے۔ آخر کار وہ میری طرف بڑھے۔ صرف ایک یا دو قدم۔ دفعۃً وہ رک گئے۔ وہ بری طرح کا شپٹ لگے۔ ان کی پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہو گئے اور ان کی آنکھیں حلقوں میں گھومتی لگیں۔ دائیں بائیں نہایت تیزی سے جیسے وہ کسی چیز کو تلاش کر رہی ہوں۔ وہ میری موجودگی کو بھول کر اپنے آپ سے باتیں کرنے لگے۔ الفاظ ان کے منہ سے ٹوٹ ٹوٹ کر نکلتے رہے تھے۔

"کیا تھا وہ؟ کیا تھا؟ کچھ بھی نہیں۔ میرا۔ وہم تھا۔" میرے اعصاب جھنجھٹا اٹھے ہیں میرا دماغ شب و روز کی محنت سے تھک گیا ہے۔ کیا ہے یہ؟"

اور یہ آخری سوال ایک چیخ کی صورت میں ان کے منہ سے نکلا۔ دفعۃً کمرے کا دروازہ کھلا اور سفید بالوں والا ایک سر نمودار ہوا۔ وہ کوئی بوڑھا تھا جس کی آنکھوں میں نیند تھی۔ اس کے بشرے سے ناگواری کے آثار ہو رہے تھے۔ جیسے کسی نے اسے گہری نیند سے بیدار کر دیا ہو۔ سنگھام اس بوڑھے کی طرف یوں دیکھ رہے تھے جیسے وہ کوئی بھوت ہو اور خود بوڑھا سنگھام کی طرف حیرت سے آنکھیں پھاڑے دیکھ رہا تھا۔ پندرہانیوں تک وہ دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے اور پھر بوڑھا ہٹ کر بولا۔

"مم۔ مم۔ مم۔ معاف کیجئے گا صاحب۔ لیکن ایک ملازمہ کا خیال ہے کہ اس نے دھماکے کی آواز سنی تھی۔ چنانچہ ہم دیکھنے آئے ہیں۔ کیا بات ہے۔ ہمیں معلوم نہ تھا کہ آپ آگے آئے ہیں اور اب اس نے مجھے دیکھا مجھ پر نظر پڑتے ہی وہ اچھل پڑا۔ میرے خدا یہ کون صاحب ہیں؟"

"ماتھیو ملازمہ کا خیال غلط نہیں ہے۔ بیشک اس نے دھماکے کی آواز سنی ہوگی۔ لیکن اس وقت تم جاؤ۔ ان صاحب سے میں کیا ہی نہ پت لوں گا۔ البتہ ایک ملازم کے ساتھ زینے کے قریب کھڑے رہو اگر

اندھیرے کمرے میں سے جہاں ہیبت اور خوف کی چیخیں گونج رہی تھیں بھاگ رہا تھا۔
میں برآمدے میں سے دیوار پر کود گیا اور وہاں سے لٹک کر نیچے اتر آیا اور یوں نیچے اترتے وقت میرے
لنگے بدن کی جلد جلد جگہ سے اٹھ گئی۔ آخر کار میں سڑک پر کود گیا۔ لیکن اپنے آپ کو سنبھال نہ سکا اور سڑک
پر اوندھے منہ گرا اور جب میں اٹھ رہا تھا تو میں نے اپنے کندھوں پر مضبوط ہاتھوں کی گرفت محسوس کی۔ کسی
نے مجھے گھمادیا اور اب میرے سامنے چہرے سے بدن کا ایک بلند قامت نوجوان کھڑا ہوا تھا۔ اس کی
موچھیں بڑی خوبصورتی سے ترشی ہوئی تھیں وہ کالے رنگ کا کوٹ پہنے ہوئے تھا۔ جس کے تمام بدن لنگے
ہوئے تھے اس کی گرفت مضبوط تھی۔ وہ مجھے دیکھ رہا تھا اور مٹا سے۔
چہرہ دہلا۔

”بھائی صاحب! ایک عظیم حواری کے گھر میں سے باہر آنے کا یہ کون سا طریقہ ہے یعنی دیوار پھاند
کے؟ کیا بات ہے؟ سچ کہو یا؟ کس لئے مجھے تھے اس عظیم ہستی کے گھر میں؟ چوری کرنے؟ یا حواری
صاحب کا خون کرنے کی غرض سے؟ خدا کے لئے یہ خوشخبری سنا دو مجھے کہ تم نے لنگھام کا خون کر دیا ہے۔
سچ سچ میں تمہارے مہارک ہاتھ چوم لوں گا۔“
میں نہیں جانتا کہ وہ آدمی پاگل تھا یا کیا۔ البتہ وہ باتیں پاگلوں کی سی کر رہا تھا۔
خدا جانے کیوں اس کا چہرہ دیک رہا تھا۔

”بہر حال تم نے چوری کی ہو یا قتل تم نے ایک عمدہ کام کیا ہے اور میرے جلے دل پر پھیا ہار کھا ہے۔
خدا اپنی رحمتیں نازل کرے تم پر اور تم ہر دفعہ چوری کرنے میں کامیاب ہو۔ خوب لمبے لمبے ہاتھ مارو اور آخر
کار ایک مشہور و معروف چور بن جاؤ اور دنیا کہے کہ یہی ہے وہ قابل قدر ہستی جس نے پال لنگھام کو بر باد کیا
تھا اسے میرے ٹھگسار! اس نیک کام کے عوض میں تمہیں آزاد کرتا ہوں۔ ہو جاؤ رفو چکر۔“
اس نے میرے کندھوں پر سے ہاتھ ہٹا کے مجھے آگے کی طرف دھکیل دیا اور میں اندھا دھند بھاگ
پڑا۔ اور میرا خیال ہے کہ دنیا میں کوئی اتنی تیزی سے نہیں بھاگ سکتا جتنی تیزی سے میں بھاگ رہا تھا۔ میں
خود اپنی تیز رفتاری پر حیران تھا۔

بہت جلد میں اس مکان کے سامنے پہنچ گیا جس کی ایک کھڑی کھلی ہوئی تھی اور خطوط کا وہ پلندہ جو میں
نے لنگھام کے مکان سے چرایا تھا میرے ہاتھ میں تھا۔

خراشیں تھیں۔ سینے پر کی گہری خراشوں میں سے اب بھی تازہ تازہ خون رس رہا تھا۔ میرا ایک ایک عضو
درد کر رہا تھا۔ ایک ایک پٹھا ٹھکنے سے چور تھا۔ جسمانی اور دماغی طور پر میں بے حد تھکا ہوا تھا۔ وہ پراسرار اثر
جسے میں سمجھ نہ سکا تھا اور جو اس پراسرار آدمی نے مجھ پر ڈالا تھا۔ اگر مجھ پر حاوی نہ ہوتا اور مجھے سنبھالے
ہوئے نہ ہوتا تو میں اسی جگہ ڈھیر ہو جاتا۔

لیکن میرے عذاب دہندہ نے ابھی مجھے بخشا نہ تھا۔
میں مکان کے سامنے بے حد تھکا ہوا کھڑا تھا اور حکم کا منتظر تھا اور فوراً ہی علم آیا۔ یوں معلوم ہوا جیسے
ایک زبردست مقناطیسی کشش کی لہر کھلی ہوئی کھڑکی میں سے نکل کر میری طرف بڑھی اور اب مجھے آگے کھینچ
رہی تھی۔

اسی آسپ زدہ کمرے کی طرف۔ بے اختیار میں آگے کی طرف کھینچ گیا۔ میں دیوار پر چڑھ کر دوسری
طرف پہنچا۔ میں کھلی ہوئی کھڑکی کی دلیز پر چڑھا اور ایک بار پھر اس کمرے میں تھا جہاں میرا آقا تھا۔
کمرے میں داخل ہوتے ہی ایک بار پھر مجھے کسی بھیانک شیطانی وجود کی موجودگی کا احساس ہوا۔ میرے
اس احساس میں حقیقت کا کتنا شائبہ تھا اور ہم کتنا تھا یہ میں نہیں کہہ سکتا۔ لیکن ماضی کے اس دور کی طرف
میں جب بھی نظر کرتا ہوں تو مجھے یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کسی مافوق الفطرت قوت نے میری روح کو میرے
جسم سے ٹھیک کر گنا ہوں اور برائیوں کے کڑھے میں ڈال دیا تھا۔

میں کمرے میں پہنچا تو کوئی چیز پھڑپھڑا کر بستر سے فرش پر گری۔ میں اس پھڑپھڑاہٹ کا مطلب
خوب سمجھتا تھا۔ وہ گھناؤنا ہیبت ناک کیزا پھر میری طرف بڑھ رہا تھا۔ وہی کیزا جو ایک دفعہ میرے چہرے
تک پہنچ گیا تھا۔ میرے معدے میں انٹھن سی ہونے لگی اور میرا دل برف کی ڈلی میں تبدیل ہو گیا۔ خوف
نے میری زبان پر پڑے ہوئے تالے توڑ دیے اور میں نہایت ہی بھیانک آواز میں چیخنے لگا۔ اپنی ان
فلک بوس چیخوں کی آواز اب بھی میرے کانوں میں گونج رہی تھی۔ اب بھی جب بھی میں اپنی اس وقت کی
حالت اپنے خوف اور اس پھڑپھڑاتی ہوئی آواز کو یاد کرتا ہوں تو لرز اٹھتا ہوں۔

وہ کیزا یا جو کچھ بھی وہ تھا واپس چلا گیا۔ قالین پر اس کے رینگنے کی سرسراہٹ میں بخوبی سن سکتا تھا۔
کمرے میں خاموشی طاری تھی۔

دفعۃً ہی جل اٹھی۔ اندھیرے میں روشنی کی سلاخیں تیز گئیں اور بستر میں وہی بھیانک توہی اپنے
ایک ماتر پر سر رکھے لیٹا ہوا تھا۔ گناہوں کا دیوتا میری ساری تکلیفوں کا باعث۔ اس کی آنکھیں سلگ رہی
درودہ پلک تک نہ جھپک رہا تھا۔

”لاؤ۔ جولا کے ہو مجھے دو۔“
میں نے آگے بڑھ کر پلندا سے دوے دیا۔

”واہ! وہ تسخیرانہ انداز میں بولا۔“ بے حد خوبصورت فیتہ ہے۔ بڑی مہارت اور صفائی سے لپیٹا گیا
ہے۔ بے شک ایک عورت کے بازو ہاتھ ہی ایسی صفائی سے گرہ لگا سکتے ہیں۔ آہا۔ پلندا سے پرچھ لکھا ہوا
بھی ہے۔ دیکھیں تو بھلا کیا لکھا ہے تم نے۔ ہم۔ بڑا خوشخط لکھا ہے۔ میری پیاری مارجو۔ لندن کے

مکان کے سامنے میں یوں رک گیا۔ جیسے کسی نے میری یاگیں کھینچ لی ہوں اور اب میں اس مکان
کے سامنے کھڑا کاپ رہا تھا۔ بارش کی چھوڑ کو ہوا کے جنموٹے اڑاتے پھر رہے تھے اور میرا بدن پسینے سے
چکن پور ہو رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ میں سردی سے کاپ رہا تھا۔ میں کچھ میں ات پت تھا جسم پر ان گنت

جب اس نے یہ تحریر پڑھی تو اس کا بھیا نک چہرہ اور بھی بھیا نک ہو گیا۔ میں یقین نہیں کر سکتا اور کوئی بھی نہ کرے گا کہ غصہ کسی کے بھی چہرے کو ایسا بھیا نک اور نفرت انگیز بنا سکتا ہے۔ اس کا منہ کھل گیا۔ نچلا۔ جبر الٹ گیا اور اس کے زرد اور زہریلے دانت نظر آنے لگے اور اس نے اپنا سانس اتنی دیر تک روک رکھا کہ مجھے یقین ہو گیا کہ اس پر دورہ پڑا ہے۔ اس کے بے پال کے چہرے اور کھجی کھو پڑی پر موٹی موٹی رگیں خونی لکیروں کی طرح ابھر آئیں۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کتنی دیر تک یوں سانس روکے پڑا ہوا اور جب دوبارہ اس کا سانس چلنے لگا تو میں نے دیکھا کہ وہ رک رک کر سانس لے رہا تھا۔ اور جب وہ بولا تو اس کی آواز میں سانپ کی سی پھینکاہٹ تھی۔

”ہم۔۔۔ اس کی پیاری کے خطوط اس کی پیاری اس کی؟“ لکھا مہ کی! تو گویا میرا زندہ غلط نہ تھا۔ مارجورے لندن پیاری مارجورے اس کی پیاری مارجورے لکھا مہ کی مارجورے۔ کلزے اڑا دوں گا۔ زندہ جلا دوں گا۔“

وہ چند ثانیوں تک خاموش رہا۔ پھر بولا۔

”دیکھیں تو اس کی پیاری نے لکھا کیا ہے۔“

وہ بستر میں اٹھ بیٹھا۔ خطوط پر سے قیتہ اور پلٹا ہوا کاغذ کھول کر ایک طرف پھینکا۔ اس میں آٹھ یا نو خط تھے۔ چند مختصر اور چند طویل۔ ہر خط کو وہ عجیب اشتیاق اور بے تابی سے پڑھنے لگا۔ ہر خط کو وہ بار بار پڑھ رہا تھا۔ جیسے اسے حفظ کر رہا ہو۔ خطوط سفید کاغذ پر لکھے گئے تھے۔ کاغذ کے کناروں پر سرخ کنگورے بنائے گئے تھے اور خطوط کے ماتھے پر خط لکھنے والے کا نام اور پورا پتہ سنہری حروف میں چھپا ہوا تھا۔

خطوط پر جیسے وقت میرے آقا کے منہ سے عجیب عجیب آوازیں نکل رہی تھیں جو کہتے اور بھیڑیے کی فراہٹ سے مشابہ تھیں اور یہ آوازیں 'جو اس کے منہ سے نکل رہی تھیں سراسر غیر انسانی تھیں جیسے کوئی دھمی درندہ اپنے دشمن پر غصے میں غرا رہا ہو۔

”ہم تو یہ بات ہے۔ بہت اچھا استفہام۔ سمجھ لوں گا۔“

لفظوں میں اس غرّت و حقارت کو بیان کرنے کی طاقت نہیں جس کا اظہار بھیا تک آدمی کے بھیا تک چہرے سے اس وقت ہوا جب اس نے لسنکھام کا نام لیا۔ بس بہت ہو چکا۔ اب برداشت نہیں کر سکتا۔ اب خاتمہ ہے۔ خاتمہ ہے۔ موت ہے۔ موت ہے۔ رزہ خیز موت۔ سمجھ لوں گا۔ سمجھ لوں گا۔ لسنکھام تجھے عذاب میں مبتلا کر دوں گا۔ پکسل دول گا اور تیرے پکسلے ہو کے جسم کو کتھنوں کے گڑھے میں پھینک دوں گا۔ اور خون چوسنے والا تیرا خون چوستا رہے گا۔ اب رہی مار جو رہے اندان۔ لسنکھام کی پیاری۔ تو ایسا عذاب ہو گا اس پر کہ وہ اپنی ماں پر لعنت بھیجے گی جس نے اسے جنم دیا۔ اندھیرے کے دیوتا اس کے عذاب کی بو سونگھیں گے اور مار جو رہے اس دن پر لعنت بھیجے گی جس دن وہ پیدا ہوئی تھی۔ وہ عذاب میں مبتلا ہوگی اور اندھیرے ساہوں کے دیوتا اس کے عذاب کو دیکھیں گے اور خوش ہوں گے۔ اور یوں میں کفارہ ادا کروں گا۔ مجھے سراغ مل گیا ہے اور اب میرے انتقام کا آغاز ہوتا ہے اور ایسا انتقام لوں گا کہ کبھی کسی نے نہ لیا ہو

دوسرے رقص کے بعد میں نے قسمت آزمائی کرنے کا فیصلہ کیا۔ ایک طرف گوشہ میں پام کا سایہ پڑ رہا تھا اور اس وقت وہاں کوئی نظر نہ آ رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں اسے اس سایہ میں گھسیت لے جاتا وہ میرا ارادہ بھانپ کر چونکی اور اپنے نازک چہرے کو میرے ہاتھ پر مار کر گھبراہٹ ہوئی آواز میں بولی۔

”نہیں۔ نہیں۔ رک جاؤ۔“

لیکن میں رکنے والا نہ تھا۔ کلفت میرے قریب سے گزرا۔ وہ گرتی کازلی کے ساتھ رقص کر رہا تھا۔ اس نے میری طرف دیکھا اور مسکرا کر بڑے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔ لیکن میں نے اس کی طرف دھیان نہ دیا۔ میرے سر پر تو بھوت سوار تھا اور میں اسے اس طرف لئے جا رہا تھا۔ جہاں خاموشی تھی اور پام کا سایہ تھا۔ یوں تو نو جوان کسی لڑکی سے ملنے سے پہلے بڑی لمبی چوڑی اور اثر انگیز تقریریں تیار کرتے ہیں۔ لیکن جب ملاقات ہوتی ہے اور حرف مدعا زبان پر لانے کا وقت آتا ہے تو اناپ شاپ بگنے لگ جاتے ہیں۔ میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی واقعہ ہوا میں نے خدا جانے کبھی شاعری بگھاری کہ وہ ایک دم سے گھبرا گئی اور قطع کلام کرتے ہوئے بولی:

”سڈنی! مجھے افسوس ہے“

یگانہ مجھے غصہ آ گیا اور میں چیخ کر بولا:

”افسوس! کا ہے کا افسوس ہے؟ اس بات کا کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں؟ کیوں آیا افسوس تمہیں؟ میں کیوں؟ کیوں؟ کوئی تم سے محبت کرتا ہے۔ تم نے کسی کا دل قبضے میں کر لیا ہے اور پھر کہتی ہو کہ افسوس ہے۔ تمہیں تو الٹا خوش ہونا چاہیے کہ تم میری آنکھوں کا نور دل کا سرور اور خدا جانے کیا کچھ بن گئی ہو۔ مجھے تم سے محبت ہے اور محبت دنیا کی مقدس ترین چیز ہے۔ بڑے بڑے درویشوں اور ولیوں نے محبت کی ہے۔ کیونکہ یہ بڑا ہی ربانی قسم کا جذبہ ہے“

”مجھے معلوم نہ تھا کہ تم میرے متعلق یوں سوچتے ہو۔ میرا مطلب ہے مجھ سے محبت کرنے لگے ہو۔ ہاں ایسا کچھ شک ہوا تھا۔“

”شک! چلو۔ خدا کا شکر ہے کہ تمہیں شک بھی تو ہوا۔“

”تم جانتے ہو سڈنی کہ میں تمہیں پسند کرتی ہوں۔ بہت زیادہ پسند کرتی ہوں۔“

”ذرا فوازی ہے۔“

”سچ کہتی ہوں تم مجھے بہت پسند ہو۔“

”لیکن مجھے تمہاری پسند کی نہیں محبت کی ضرورت ہے۔“

”بس یہی تم غلطی کر رہی ہو۔“

دوسرا حصہ

آسیب زدہ

بھونرے کی کہانی

سڈنی آتھرٹن کی زبانی!

”غلطی کر رہا ہوں۔ یعنی عجیب لڑکی ہو۔ کہہ چکا ہوں کہ مجھے تم سے محبت ہے چنانچہ میں چاہتا ہوں کہ تم بھی مجھ سے محبت کرو۔“

”جو میں نہیں کر سکتی۔ چنانچہ اسی لئے میں نے کہا ہے کہ تم غلطی کر رہے ہو۔“

”مجھے میں نہیں آتا کہ اس میں غلطی کہاں سے آ پھنسی! میں تم سے محبت کرتا ہوں! محبت کرتا ہوں! محبت کرتا ہوں۔ اپنی محبت کا ثبوت کس طرح دوں؟ کیا تمہیں اپنے سینے سے لگا لوں؟ یہاں سب کے سامنے تمہارے ہونٹ چوم لوں اور لوگوں کو دکھا دوں کہ ہم ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔“

”نہیں۔ تم ایسی کوئی بات نہ کرو گے۔ اپنا جوش ذرا کم کرو آہستہ بولو۔ لوگ ہماری طرف دیکھ رہے ہیں اور سوچ رہے ہیں کہ تم مجھ سے جھگڑ رہے ہو۔“

”بہت نہ سناؤ مجھے۔ خدا کے لئے۔“

اس نے اپنا پنکھا کھولا پھر بند کیا۔ وہ مسکرا رہی تھی۔

”اچھا ہوا کہ تم نے یہ موضوع چھیڑ دیا۔ کم سے کم اب کسی قسم کی غلط فہمی تو باقی نہ رہے گی۔ بہر حال تم میرے دوست تو ہوئی۔“

”نہیں میں دوست نہیں ہوں تمہارا۔“

”تو پھر کیا ہو۔ دشمن؟“

میں نے کوئی جواب نہ دیا۔

”چنانچہ ثابت ہوا کہ تم میرے دوست ہو۔ جان بٹار شخص دوست۔“

”میں اگر تمہارا چچہ اور نہیں بن سکتا تو دوست بھی نہیں بن سکتا۔ لو بھی یہ اچھی زبردستی ہے۔“

وہ بڑی بے پرواہی سے اپنے نچلے سے کھینچی رہی۔ گویا اس نے میری بات سنی ہی نہ تھی۔

”بات یہ ہے کہ اس وقت صورت حال ذرا نازک ہو رہی ہے۔ میں بے حد پریشان ہوں اور مجھے ایک مخلص دوست کی سخت ضرورت ہے۔“

”تو خرید لاؤ بازار سے۔“

”دوست بازار میں نہیں ملا کرتے۔ مذاق نہ کرو سنڈلی۔ سچ مجھ میں بہت پریشان ہوں۔“

”کون پریشان کر رہا ہے تمہیں؟ تمہارے وہ غوغوار بڑے میاں؟“

”سنڈلی خدا کے لئے۔ ابا کے متعلق ایسے الفاظ نہ کہو۔“

”اچھا نہیں کہتا۔ تو گویا وہی ہیں تمہاری پریشانی کا باعث؟“

”اب تک تو انہوں نے کچھ نہیں کہا ہے۔ کیونکہ ابھی انہیں کچھ خبر ہی نہیں۔ لیکن بہت جلد ایک ہنگامہ اور طوفان بپا ہو جائے گا۔“

”گویا فساد۔“

”بالکل۔“

”اور اس فساد کی جز کون بزرگ ہیں؟“

”سنکھام۔“ اس نے بے حد چنجی آواز میں کہا اور نظریں جھکا لیں۔

”کیا۔ آ۔ آ۔“

”بھئی تمہارے دوست سنکھام۔“

”مار جو رہے اب تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ سنکھام میرا دوست کیوں ہونے لگا۔“

”بھلا! وہ میرا دوست نہیں ہے۔“

”اور میں اسے دوست بنانے کے لئے تیار بھی نہیں ہوں۔“

”چاہے نہ ہوں۔ لیکن بہت جلد وہ تمہارے دوست بن جائیں گے اور تمہیں انہیں اپنا دوست بنانا پڑے گا۔ کیونکہ۔۔۔۔۔“

”کیونکہ کیا؟“

”کیونکہ وہ میرے ہونے والے شوہر ہیں۔“

میں چونکا۔ ایک عرصہ سے میں دیکھ رہا تھا کہ سنکھام مار جو رہے کے ساتھ بہت زیادہ رہنے لگا ہے۔ میں نے اکثر دونوں کو ساتھ دیکھا تھا۔ لیکن یہ تو میرے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ مار جو رہے۔ کس مار جو رہے لندن۔ اسے پسند کرے گی۔ میرے خیال میں ایسے عورتوں کے سے نازک بدن اور تازہ جیسے مرد کو کبھی کوئی لڑکی پسند نہیں کر سکتی۔ اس کے علاوہ مار جو رہے کے والد بزرگوار سنکھام کو ذرا پسند نہ کرتے تھے بلکہ یوں کہتا مناسب ہو گا کہ بڑے میاں کو سنکھام سے سخت نفرت تھی اور یہ نفرت بجا بھی تھی۔ میرا مطلب ہے جہاں تک سیاست کا تعلق ہے۔

کیونکہ سنکھام اور مار جو رہے کے والد دو مخالف سیاسی جماعتوں کے رکن تھے اور مار جو رہے کے والد جس جماعت کے رکن تھے وہ نفرت کے معاملہ میں کسی سے بھی دو قدم آگے ہی تھی۔ بڑے میاں کی نفرت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ سنکھام بڑے میاں کی پارٹی کی ایک نہ چلنے دیتا تھا اور اپنی دھواں دھار تقریروں کے سیلاب میں مخالف جماعت کے تمام اعتراضات کو بہالے جاتا تھا۔ چنانچہ سنکھام کی جماعت اور مسٹر لندن کی جماعت میں ٹھنی رہتی تھی۔ چنانچہ اب انہیں صاحب کی صاحبزادی باپ کے دشمن سے شادی کر رہی تھی۔ کم سے کم مسٹر لندن اپنی بیٹی کو سنکھام سے شادی کرنے کی اجازت نہ دے سکتے تھے۔ سنکھام کو داما دہانے پر وہ غائبانہ موت کو ترجیح دیتے۔

”مار جو رہے! یہ حیرت انگیز انکشاف تم نے واقعی بے حد مناسب وقت پر کیا ہے۔“

میرے لہجے میں چھپے ہوئے طنز کو نظر انداز کرتے ہوئے اس نے کہا:

”چنانچہ اب تمہاری سمجھ میں آ گیا ہو گا کہ میں کس مشکل میں پھنس گئی ہوں۔“

”میری طرف سے مبارکباد قبول فرمائیے۔“

”شکریہ۔“

میں اپنے ہونٹ چبا کر رہ گیا۔

”تو کیا میں سمجھ لوں کہ تمہاری نسبت کا اعلان ہو چکا ہے؟“ میں نے پوچھا۔

نے جو بات کہی تھی وہ حقیقت کے بہت قریب تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ پچھلے چند منٹوں کے درمیان مجھ پر اچانک ظاہر ہوا تھا کہ میں مار جوڑے کی محبت میں گرفتار ہوں۔ پہلے رقص کے فوراً بعد میرے دل میں عشق کی جواا بھڑک اٹھی تھی۔ یعنی بغیر کسی تمہید کے..... چنانچہ میں نہیں جانتا تھا کہ مار جوڑے کو اس بات کا کیا جواب دوں۔

وہ سامنے کھڑی اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہی تھی اور مجھے اعتراف ہے کہ میں اس سے نظر ملاتے جھٹک رہا تھا۔ مار جوڑے کی آنکھیں چمک رہی تھیں ان میں پیار تھا۔ چھوٹی بہن کا پیار۔ میرا جی چاہا اس کی آنکھیں نکال لوں اور اس کا منہ نوج لوں اور آرتھر وہاں نہ آ گیا ہوتا تو میں ضرور کوئی ایسی سیدھی حرکت کر بیٹھتا۔

”مس لندن یہ رقص میرا ہے۔“ اس نے کہا۔

وہ اٹھی اور اپنا ہاتھ آرتھر کے ہاتھ میں دے دیا۔ میں بھی اٹھ کے وہاں سے چلا آیا۔ جب میں بڑے کمرے میں سے گزر رہا تھا تو میری منہ بھیڑ پر سی ڈور لے سے ہو گئی وہ حسب معمول یوں گھبرا ہوا تھا جیسے کوہ نور ہیرا کہیں رکھ کے بھول گیا ہو اور اب تلاش کرتا پھر رہا ہو۔ وہ میری طرف لپکا اس نے میرا ہاتھ کہنی کے اوپر سے پکڑ لیا اور بے حد گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”یار! مس لندن کو دیکھا ہے نہیں؟“

”ہاں۔ دیکھا ہے۔“

”دیکھا ہے؟ خدا کی قسم۔ کہاں؟ کب سے اسے تلاش کرتا پھر رہا ہوں پورا مکان سوائے اناری اور تہہ خانے کے چھان مارا۔ لیکن وہ نہ ملی۔ اگر صحرائیں سوئی تلاش کی ہوئی اس طرح تو مل جاتی لیکن وہ نہ ملی۔ کہاں ہے وہ؟ یہ رقص میرا ہے“

”تو پھر میاں فاتحہ پڑھ لو۔“

”کیا مطلب؟“

”مطلب یہ کہ وہ چکر دے گئی تمہیں۔“

”کیا مطلب؟ یعنی۔ میں! ناممکن“ اور پر سی کا منہ صفر بن گیا اور اس کی آنکھیں بھی صفر بن گئیں اور اس کی ایک چشمی عینک اس کی آنکھ پر سے پھسل کر اس کے سینے پر جھونے لگی۔

”تعلقی میری سی ہے یار“ وہ اپنے منہ کو خط مستقیم بنا کے بولا۔ ”بات یہ ہے کہ خود میں نے پروگرام میں گڑبڑ شروع کر دی ہے۔ یعنی عجب گڑبڑ گھلا رہا ہے۔ مجھے یہ یاد ہی نہیں آ رہا ہے کہ بجٹ کے مار جوڑے کے ساتھ میرا کون سا رقص تھا ہے۔ پچھلایا موجودہ یا آئندہ۔ تم بتاؤ یار میں کب اس کے ساتھ رقص کرنے والا تھا؟“

”میرے پیارے پر سی! ذرا عقل سے کام لو تمہارے پروگرام کے متعلق میں کس طرح معلومات بہم پہنچا سکتا ہوں؟ جا کر خود محترمہ سے دریافت کرو۔ خوش ہو جا میں گی وہ لڑکیاں ایسی باتوں سے اکثر خوش ہو جاتی ہیں۔ مانگ کیا مانگتا ہے۔ جوتا یا چائنا؟“

”نہیں بھئی۔ صرف تمہیں بتایا ہے کسی اور کو معلوم نہیں۔ چونکہ تم میرے دوست ہو اس لئے یہ بات صرف تمہیں بتائی ہے اور تم جانو شوہر دوست نہیں ہوتا۔ شوہر بس شوہر ہوتا ہے۔ دوست تو بڑی عظیم اور مقدس چیز ہے ہاں تو اب یہ بتاؤ کہ تم اس معاملہ میں میری مدد کرو گے نا؟“

”تمہاری پاپال سنگھام کی؟“

”بات ایک ہی ہے میری مدد کرنا ان کی مدد کرنا ہے اور ان کی مدد کرنا میری مدد کرنا ہے چنانچہ اب میں پوچھتی ہوں کیا تم ہماری مدد کرو گے؟“

”میں سمجھا نہیں۔ یعنی کس قسم کی مدد درکار ہے تمہیں؟“

”سندھی! تم پہلے شخص ہو جسے میں نے یہ بات بتائی ہے لیکن جب ابا کو معلوم ہوگا تو وہ ایک دنیا بڑا ماراں گے۔ ابا تمہاری بہت عزت کرتے ہیں تمہاری باتیں سنتے اور تمہارے مشورے قبول کرتے ہیں۔ چنانچہ جب وہ وقت آئے کہ ابا چراغ پا ہو جائیں تو اس وقت میں چاہتی ہوں تم ہماری مدد کرو۔ میری مدد کرو۔“

”یعنی کیوں کروں..... مدد تمہاری اس؟ کیا ضرورت ہے اس کی؟ تم خود مختار ہو اپنے ابا سے زیادہ طاقتور اور ہوشیار ہو اور سنگھام شاید تم سے بھی زیادہ طاقتور ہے۔ چنانچہ تم دونوں مل کر بے چارے بڑے میاں کو بخشنی دے سکتے ہو۔ میری کیا ضرورت ہے۔“

”اچھا یہ بتاؤ کہ تم میرے دوست ہو یا نہیں؟“

”چونکہ میں تمہارا پیٹھ اور نہ بن۔ کا اس لئے امانت دوست بننا ہی پڑے گا۔“

”شکریہ میں جانتی تھی کہ بڑے شخص اور رحم دل ہو۔“

”لیکن تم کہاں ہو رحم دل؟ میں نے اپنی محبت کا اظہار کیا تو بجائے اس کے کہ تم ذرا شرماتیں یا میرا شکریہ ادا کرتیں الٹا ایک تکلیف دہ انکشاف کر بیٹھیں۔ اسی پر بس نہ کرتے ہوئے اب تم مجھے اس بات پر مجبور کر رہی ہو کہ میں اپنے ناہنجار رقیب کے لئے راستہ بھی صاف کروں۔“

”اب مجھے کیا معلوم تھا کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔ یہ تو میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ ہم بچپن کے ساتھی ہیں شاید ہی کوئی ایسا دن ہوگا جب ہماری ملاقات نہ ہوئی ہو۔ اتنی دفعہ ملے ہیں لیکن سچ کہتا بھی تم نے بھولے سے بھی اپنی اس محبت کا ذکر کیا تھا جس کا اظہار تم نے ابھی ابھی کیا ہے؟“

”اور اگر میں بہت پہلے اظہار محبت کر چکا ہوتا تو کیا ہوتا؟“

”اس نے کندھے جھٹکے اور چند ثانیوں تک کچھ سوچتے رہنے کے بعد بولی۔

”خدا جانے کیا ہوتا غالباً کچھ نہ ہوتا تاہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتی کہ تمہیں ابھی کوئی آدھے گھنٹے پہلے یہ احساس ہوا ہے کہ یکا یک تمہیں مجھ سے محبت ہوئی ہے آدھے گھنٹے سے پہلے اس محبت کا نام و نشان تک نہ تھا۔“

اگر اس نے میرے گال پر ایک چاٹنا سید کر دیا ہوتا تو میں یوں نہ چونکتا جیسا کہ اس کے آخری الفاظ سن کر چونکا تھا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ مار جوڑے دلوں کا حال معلوم کر لیتی ہے۔ تاہم اتنا ضرور کہوں گا کہ اس

”بات یہ صاحب کہ مجھے حکم ملا ہے کہ پولیس کو مکان میں داخل نہ ہونے دوں“
”اچھا! کس نے دیا ہے یہ حکم؟“

وہ اپنا ہاتھ منہ پر رکھ کے کھانسا اور رازدارانہ انداز میں بولا۔
”مسٹر سنگھام نے“

غائب مسٹر سنگھام کو معلوم نہیں کہ ان کے گھر میں چوری ہو گئی ہے اور چور ابھی ابھی ان کی کھڑکی سے کود کر بھاگا ہے۔

ماٹھو نے پھر گردن گھما کر پیچھے دیکھا۔

”شکر یہ صاحب۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ مسٹر سنگھام جانتے ہیں کہ ایسی کوئی بات ہوئی ہے۔“ پھر وہ

اپنی آواز اور بھی نیچی کر کے بولا: ”صاحب مسٹر سنگھام بہت زیادہ گھبرائے ہوئے ہیں اس وقت“

”گھبرائے ہوئے ہیں؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔ ”ماٹھو کے رازدارانہ ہنسنے نے مجھے چکر دیا تھا۔“

”کیا مطلب ہے تمہارا؟“ کیا اس بد معاش نے سنگھام پر حملہ کر دیا تھا کیا؟

”کون ہے؟“

یہ آواز سنگھام کی تھی جو زمین کے قریب سے آئی تھی۔ سنگھام کی آواز کو میں پہلے پہچان نہ سکا۔ عجیب

پہنٹی ہوئی آواز تھی۔ میں ماٹھو کو تھمیل کے کمرے میں جا کھنسا۔ ایک دوسرا ملازم جو ناکافی کپڑے پہنے

ہوئے تھا ہاتھ میں موم بتی لئے کھڑا تھا۔ اس موم بتی کے علاوہ پورے مکان میں کوئی دوسری بتی نہ جل رہی

تھی اور یہ بات مجھے عجیب معلوم ہوئی۔ زمین کی آخری بے بسی پر سنگھام کھڑا تھا۔

”یہ میں ہوں۔ آتھرن۔ غالباً تم نہیں جانتے کہ ابھی ایک آدمی تمہاری نشست گاہ کی کھڑکی سے کود کر بھاگا ہے۔“

ایک دو منٹ تک خاموشی کا وقفہ رہا اور پھر سنگھام نے پوچھا۔

”فرار ہو گیا وہ؟“

”بالکل۔ اور اتنی تیزی سے کہ اب تک کوئی دو میل دور پہنچ چکا ہوگا“

اور اب سنگھام بولا۔ ”تو مجھے کچھ شک سا ہوا کہ اس کی آواز میں اطمینان کی جھلک تھی۔ پتہ چلا“

غریب! آتھرن! کبھی سیاست کے بھیسروں میں نہ پڑتا۔ بڑی ہی گندی چیز ہے سیاست۔ سیاست دان کا

ساتھ عجیب و غریب پاگلوں سے پڑتا ہے۔ شب خیز آتھرن۔ میں مشکور ہوں کہ تم نے اس پاگل کے فرار ہو جانے کی اطلاع ہمیں دی۔ ماٹھو اور وہ اندر بند کر دو“

سنگھام نے یہ عجیب برتاؤ کیا تھا میرے ساتھ۔ مجھے اور کسی کو بھی جو ایسی اہم خبر ملے کر آیا ہو۔ ایسے

سلوک کی توقع نہ تھی۔ کم از کم اسے میری پوری بات تو سننی ہی چاہئے تھی۔ چند سوالات تو پوچھنے ہی چاہئے

تھے۔ جس گھر میں چوری ہوئی ہو وہ یوں بے تعلق اور بے پرواہ نہیں رہ سکتا۔ جیسے کسی اور کے گھر میں چوری

ہوئی ہو۔ لیکن خدا جانے اس میں کیا راز تھا کہ سنگھام نے تو میری بات سنی اور نہ ہی کسی قسم کی تحقیق کرنے

کی کوشش کی اس کے برخلاف جب میں نے کہا کہ چور فرار ہو گیا ہے۔ تو سنگھام نے اطمینان کا سانس لیا۔

اس کا چہرہ پیشہ ورمجرم کا سا تھا اور اس کے چہرہ پر وہ وحشت بھی نہ تھی جو پاگلوں کے چہرے پر نظر آتی ہے۔ چنانچہ وہ پاگل نہ تھا بلکہ کچھ اور تھا۔

چنانچہ یہ اس کے چہرے پر کے جذبات تھے جنہوں نے خود مجھے عارضی طور پر پاگل کر دیا اور میں نے اس شخص سے کچھ کہا۔ خدا جانے کیا کہنے لگا۔ وہ خاموشی سے مجھے دیکھتا رہا اور اس کی یہ خاموشی مجھے عجیب

اور غیر فطری معلوم ہوئی میں نے اس سے پھر کچھ کہا لیکن اس کے ہونٹ سختی سے سمجھے رہے اور وہ بے فوری آنکھوں سے مجھے دیکھتا رہا۔ حیرت تو یہ ہے کہ اس تمام عرصہ میں اس عجیب شخص کی پلکیں تک نہ جھپکیں۔

اس کی آنکھیں عجیب اور بھیاں تک تھیں اور مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے ساتھ کوئی بھیا تک چیز دیکھ رہی تھیں

حالانکہ میں خود اس چیز کو نہ دیکھ سکتا تھا۔ میں نے اپنے ہاتھ اس کے کندھوں پر سے ہٹائے۔ میں نہیں کہہ

سکتا کہ میں نے ایسا کیوں کیا۔

جب تک میں اسے پکڑے رہا وہ بت کی طرح بے حس و حرکت اور خاموش کھڑا رہا۔ لیکن میری

گرفت سے آزاد ہوتے ہی وہ ایک دم سے بھاگ پڑا۔

جب وہ میری نظر سے اوجھل ہو گیا تب ہی مجھے اس کی حیرت انگیز اور ناقابل یقین تیز رفتاری کا

احساس ہوا۔ جتنی تیزی سے وہ بھاگا تھا اتنی تیزی سے بجلی بھی آسمان پر نہ کوئدی ہوگی۔ دوسرا احساس مجھے

یہ ہوا کہ اسے آزاد کر کے میں نے زبردست حماقت کا ثبوت دیا ایک شخص ایک مشہور سیاستدان کے مکان

میں چوری کرنے یا کسی برے ارادے سے گھسا تھا اور اتنا قیامی گرفت میں آ گیا تھا۔ چنانچہ اب میرا

فرض یہ تھا کہ اسے پولیس کے حوالے کر دیتا اس کے برخلاف میں نے یہ کیا کہ اسے چھوڑ دیا۔ میں خود

حیران تھا کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟

کوئی اور بات سمجھ میں نہ آئی تو میں نے سنگھام کے مکان کے دروازے پر دستک دی۔ کوئی جواب نہ

آیا۔ تیسری دفعہ اتنے زور سے دستک دی کہ مکان کی دیواریں تک ہل گئیں۔ لیکن تعجب ہے کہ اس دفعہ بھی

کوئی جواب نہ آیا۔

اور اب میں نہایت زور سے اور مسلسل دستک دے رہا تھا اور آخر کار میں نے اس مکان میں پڑے

ہوئے مردوں کو بیدار کیا۔ کوئی اور بیدار ہوا ہو یا نہ ہوا ہو کم سے کم ماٹھو بیدار ہو گیا۔ اس نے آہستہ سے کھوڑا

سادروازہ کھولا۔ اور دروازے کی کوئی چھانچ کی دروازے میں سے تاریخی ناک نمودار ہوئی۔

”اوہ آپ ہیں مسٹر آتھرن؟ میں سمجھا کہ پولیس ہے۔“

”اور اگر پولیس ہوتی تو کیا ہوتا؟ تو کیا تم آخر کار قانون اور اس کے محافظوں سے ڈرنے لگے ہو

ماٹھو بے حد متحاط ہوشیار اور بیدار مغز ملازم تھا اور مجھے کہنا پڑتا ہے کہ ایک مشہور سیاستدان کے ملازم کو

ایسا ہی ہونا چاہئے۔ اس نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا۔ مجھے پہلے ہی سے شک تھا کہ ماٹھو کا آقا اس کے

پیچھے کہیں اندھیرے میں کھڑا ہوا ہوگا۔ ماٹھو کی اس حرکت سے میرا شک یقین میں بدل گیا ماٹھو نے اپنے

ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور تقریباً سرگوشی میں بولا۔

تھا۔ اس کے علاوہ مجھے تقریباً ہر دھکیل کے دھڑ سے دروازہ بند کر دیا تھا۔ اور اب میں باہر نکلنے پر کھڑا تھا۔

”لغت ہے یا اس حواری پر“ میں دانت پیس کر بولا اب اگر اس کا مکان جل بھی رہا ہوگا تب بھی اسے اطلاع نہ دیں گا۔ اگر دوں تو تھوک دینا میرے منہ پر۔ اور اس سے کیا مطلب تھا اس کا کہ ایک سیاست دان کا سابقہ عجیب و غریب پاگلوں سے پڑتا ہے؟ اس کا اشارہ میری طرف تو نہ تھا؟“

الو کا پٹھا۔ پاگل تو وہ خود ہے۔ حیران ہوں کہ مار جوڑے کو اس میں کیا نظر آیا کہ اس نے اس غول بیاباں کو مجھ پر ترجیح دی؟ اس کی ایسی تہمتی۔

میری وہ رات بڑی بے قرار گزری۔ صبح ہونے سے کچھ دیر پہلے میری آنکھ لگ گئی تو میں نے خواب میں دیکھا کہ مار جوڑے لنگھام کے بجائے مجھ سے محبت کرتی ہے اور مجھ سے شادی کرنے والی ہے۔ لیکن جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ اپنا ہی گریبان تھا۔ یعنی میں خود اپنے آپ کو آغوش میں لئے اور نیچے کونا گلوں میں دبائے ہوئے تھا۔ میں نے سوچا کہ تمام دنیا کو تباہ کر دوں۔ اس طرح اس دنیا میں پھر صرف دو بستیاں باقی رہ جائیں۔ میں اور مار جوڑے۔

میں اٹھا، یونہی سناشتہ کیا اور سیدھا اپنی تجربہ گاہ میں پہنچا وہاں میں ایک ایسی گیس تیار کرنے کی کوشش کر رہا تھا جو چشم زدن میں دشمن کی پوری فوج کا خاتمہ کر سکتی تھی۔ اگر میرا یہ تجربہ کامیاب رہا۔ اگر میں نے وہ گیس ایجاد کر لی تو میں نہ صرف مشہور ہو جاؤں گا بلکہ لنگھام سے انتقام بھی لے سکوں گا۔ اور میرا یہ انتقام جرم نہ ہوگا۔ کس قدر عجیب بات ہے کہ اگر آپ ایک آدمی کا گلا کاٹ دیں تو آپ سلاخوں کے پیچھے آئیں گے۔ لیکن اگر آپ لاکھوں کروڑوں آدمیوں کو ایک ہی وقت میں ملک عدم پہنچا دیں تو یہ آپ کا ایک زبردست کارنامہ ہوگا جس کے عوض آپ کو سونے چاندی کے تمغے ملیں گے۔

کیا مفرح خیال ہے کہ پوری دنیا کی موت آپ کی منجھی میں بند ہے اور جناب پوری دنیا کی موت میری منجھی میں آنے والی تھی۔ بلکہ تقریباً آگئی تھی۔

میرے سامنے میز پر بوتلیں اور سلنڈر پڑے ہوئے تھے اور ان میں تباہ کن عناصر قید تھے جنہیں آپس میں ملا کے ایک عجیب گیس تیار کرنے والا تھا۔ ان عناصر کے اثر سے اپنے آپ کو بچانے کے لئے میں نے اپنے پیہر سے پر ایک خاص قسم کا نقاب ڈال لیا تھا۔ یہ نقاب بھی میری ایجاد تھا جو کانوں، ناک اور منہ کو پوری طرح ڈھک لیتا تھا۔ آنکھوں کی جگہ دو سوراخ تھے جن میں کانچ لگے ہوئے تھے۔ کیونکہ میں ایسی گیسوں پر تجربہ کر رہا تھا جن کی ہر ایک موت کا پیغام ثابت ہو سکتی تھی۔

ایڈورڈ نے میرے کندھے کو چھو کر اپنی آمد کی اطلاع دی۔ جب میں یہ نقاب پہن لیتا ہوں تو کسی بھی

آواز کو آسانی سے نہیں سن سکتا۔

”کوئی صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔“ ایڈورڈ نے کہا۔

”تو اس صاحب سے کہو کہ میں ان سے ملنا نہیں چاہتا۔“

تجربہ کار اور سدھار ہوا ملازم چلا گیا اور میں نے سمجھ لیا کہ اب میں اطمینان اور یکسوئی سے کام کر سکوں گا اور وہ صاحب جو خدا جانے کون ہیں۔ لوٹ جائیں گے۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔

میں ایک سلنڈر میں آکسیجن منتقل کر رہا تھا کہ پھر کسی نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور میں نے یقین کر لیا کہ یہ میرے وفادار ملازم ایڈورڈ کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ چنانچہ میں نے اس کی طرف گھومے بغیر کہا۔

”میرے دوست! اگر میں اس لنگی پر کے ڈاٹ کو ذرا سا گھما دوں تو تم فوراً ہی اس دنیا میں پہنچ جاؤ گے جہاں نہ ہوا میں چلتی ہیں۔ جہاں نہ شور و ہنگامے ہوتے ہیں اور نہ ہی تفکرات کا گزر رہا ہے البتہ کہتے ہیں کہ وہاں بھوت بستے ہیں۔ عجیب ہونق ہونم کہ جہاں تمہاری ضرورت نہیں ہوتی وہاں آپکتے ہو“ اور اب میں نے گردن گھما کر دیکھا۔ ”ہیں کون ہونم؟“

کیونکہ میرے سامنے جو کھڑا تھا وہ قطعی ایڈورڈ نہ تھا بلکہ کوئی اور تھا نہ وہ انگریز تھا اور نہ فرانسیسی بلکہ ایک دوسری ہی قوم کا حیرت انگیز نمونہ تھا۔

میرے سامنے جو کھڑا تھا وہ اسی دنیا کا باشندہ معلوم ہوتا تھا جہاں بھوت بستے ہیں۔ اور جس کا ذکر میں نے ابھی ابھی کیا تھا۔ اس کا لباس بھی عجیب تھا جو اجزاء کے قیدیوں یا باشندوں کے لباس سے ملتا جلتا تھا۔ اس قسم کے لوگ فرانس میں یہاں وہاں پائے جاتے ہیں۔ لیکن یہ شخص تو عجیب ہی تھا۔ نہ صرف وہ میلے چمک چمکے پنے ہوئے تھا بلکہ خود بھی غلیظ تھا۔ پھر وہ ایک عجیب طرح کا جب پنے ہوئے تھا۔ جس کی کلاہ نے اس کے چہرے کو چھار کھا تھا۔ لیکن سب سے زیادہ عجیب بات تو یہ تھی کہ اس کے چہرے پر کہیں ایک بال تک نہ تھا۔ حالانکہ اجزاء کے باشندوں کی خصوصییت یہ ہے کہ ان کے چہرے پر نہایت کھنی دھڑکی لہرایا کرتی ہے۔ میرا خیال تھا کہ یہ شخص مجھے لنگو زبان میں مخاطب کرے گا۔ جو اجزاء والوں کے نزدیک گویا بڑی ملیغ فرانسیسی ہے لیکن اس نے ایسا نہ کیا۔

”آپ ہی ہیں مسٹر آر تھرٹن؟“

”اور آپ کون بزرگ ہیں؟ یہاں کیسے آ گئے؟ میرا نوکر کہاں گیا کم بخت؟“

اس عجیب و غریب ملاقاتی نے اپنا ایک ہاتھ اٹھا دیا۔ اور جیسے ہی اس نے ہاتھ اٹھا یا ایڈورڈ کمرے میں یوں داخل ہوا جیسے الہ دین کا چراغ گھٹے ہی جن حاضر ہو جاتا ہے۔ میں نے دیکھا کہ ایڈورڈ کا رنگ فق ہو رہا تھا اور وہ بے حد پریشان معلوم ہوتا تھا۔

”یہی صاحب ہیں جو مجھ سے ملنا چاہتے ہیں؟“

”جی“

”جی کے بچے! بھرے ہونم؟ میں نے کہا نہیں تھا میں کسی سے ملنا نہیں چاہتا۔“

”جی کہا تھا۔“

”تو پھر تم نے ان صاحب سے کیوں نہ کہہ دیا؟“

”کہہ دیا تھا جناب۔“

”تو پھر یہ کیسے آگئے؟“

”خدا جانے کیسے آگئے؟“ ایڈورڈ نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا

”کیا مطلب؟ یعنی کہ تم نے انہیں روکا نہیں؟“

”میں سمجھتا ہوں صاحب کہ مجھ پر غشی سی طاری ہو گئی تھی۔ کیونکہ میں نے چاہا کہ ہاتھ بڑھا کے ان صاحب کو روک دوں لیکن ایسا نہ کر سکا۔ ہاتھ تو ہاتھ میں آگئی تک نہ ہلا سکا۔“

”کیا ہاتھ رہے ہو تم نہایت اعلیٰ درجہ کے کندھے ہو جاؤ یہاں سے۔“

ایڈورڈ چلا گیا۔ اب میں انجینی کی طرف گھوم گیا۔

”کیوں صاب! آپ کہیں جادوگر و غیرہ تو نہیں ہیں؟“ میں نے کہا۔

”معاف کرنا مسٹر آر تھرن۔ جادو تو آپ معلوم ہوتے ہیں۔“

”وہ میرے نقاب کو جو میرے چہرے پر پڑا ہوا تھا۔ حیرت سے دیکھ رہا تھا صاف ظاہر تھا کہ وہ اس نقاب کا مطلب سمجھ نہ سکا تھا۔“

اس نے اپنے جبے کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر کاغذ کا ایک پرزہ برآمد کیا اور اس میز پر جس کے قریب ہم کھڑے ہوئے تھے رکھ دیا۔ میں نے بڑی بے دلی سے کاغذ کے اس پرزے کی طرف دیکھا میرا خیال تھا کہ اس پر کوئی تحریر ہوگی جس میں اس شخص کی حالت زار کا ذکر ہوگا۔ اور پھر آخر میں درخواست کی گئی ہوگی کہ رحمدل حضرات اس شخص کی مدد کریں اور جو کچھ بن پرزے سے دیں لیکن اس پرزے پر ایسی کوئی تحریر نہ تھی۔ اس کے برخلاف اس پر صرف ایک نام لکھا ہوا تھا جسے دیکھ کر میں چونکا۔

”مارجوری لنڈن“

”آپ کو کس لنڈن نے بھیجا ہے؟ یا اس نئے زمانے کی ایلامیں عجیب عجیب قسم کے پیغامبروں کو پسند کرتی ہیں!“

اس نے اپنے کندھے جھکائے، بھوسیں سکڑیں، اپنا سر ایک طرف ڈھک دیا اور اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کی پوریں ایک دوسرے سے چھوڑ دیں۔ میں اس کی اس حرکت کا مطلب نہ سمجھا۔ چنانچہ میں نے اپنا سوال دہرایا۔

”آپ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ کو کس لنڈن نے بھیجا ہے؟“

جواب دینے کے بجائے اس نے پھر اپنا ہاتھ جبے کے گریبان میں ڈالا ایک بار پھر کاغذ کا ایک پرزہ برآمد کیا اس پرزے کو اس نے پہلے پرزے سے قریب میز پر رکھ دیا۔ میں نے اس پرزے پر نظر کی اس پر بھی ایک نام لکھا تھا۔

”پال سنگھام“

”اچھا۔ پال سنگھام۔ پھر؟ اب کیا ہے مداری کے قہیلے میں؟“

”یہ اچھی ہے۔ یہ برا ہے۔ ٹھیک ہے؟“

اس نے پہلے اس پرزے پر جس پر مار جوروے کا اور پھر اس پرزے پر جس پر سنگھام کا نام تھا انگلی رکھ

دی۔

”یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟“

”یہ آدمی اس لڑکی کو کبھی حاصل نہ کر سکے گا۔“

”کیا مطلب؟“

”آپ پوچھتے ہیں میں کیا کہنا چاہتا ہوں؟“

”بالکل۔ اور اب یہ بھی پوچھتا ہوں کہ آپ کون مصیبت ہیں؟“

”میں آپ کا دوست ہوں۔“

”تو پھر بہتر ہوگا کہ آپ تشریف لے جائیں میں اپنے دوستوں سے تنگ آچکا ہوں پہلے ہی میرے دوستوں کا قافلہ کیا کم ہے۔ اس میں مزید ایک دوست کا اضافہ کروں؟ بہر حال شکریہ آپ مجھے تو معاف رکھیں میں آپ کی دوستی کے قابل نہیں ہوں۔“

”میں اس قسم کا دوست نہیں ہوں جن سے آپ تنگ آگئے ہیں۔“

”تو پھر آپ کس قسم کے دوست ہیں؟“

”کام آنے والا دوست۔“

”میں سمجھتا ہوں۔ چنانچہ آپ کی عالمانہ باتیں میری سمجھ میں آتی نہیں۔ لہذا میری آپ سے

درخواست ہے کہ اس ”کام آنے والے دوست“ کی تشریح فرمائیے۔“

”آپ اس لڑکی سے جس کا نام مار جوروے لنڈن ہے پیار کرتے ہیں لیکن وہ کبھی اور سے پیار کرتی ہے اب اگر آپ حقیقت میں مرد ہیں تو آپ کبھی اس بات کو برداشت نہ کر سکیں گے کہ وہ سنگھام کی ہو جائے۔“

میں نے اپنے چہرہ پر سے نقاب اٹھالی کیونکہ اب اس کا وقت آ گیا تھا جب میں نے ایسا کیا تو اس انجینی نے بھی اسے سر پر سے کھلا دیکھنے سے اس کی آنکھیں بخوبی دیکھ سکتا تھا۔ مجھے ذرا احساس ہوا کہ اس کی آنکھوں میں کچھ تھا۔ عجیب طرح سے چمک رہی تھیں وہ۔ میں نے سنا تھا کہ اس قسم کے لوگ اپنی آنکھوں کی چمک کے ذریعے کمزور اعصاب کے لوگوں پر اثر ڈال کر انہیں اپنے قبضہ میں کر لیتے ہیں اور پھر اس شخص سے جو چاہتے ہیں کروا لیتے ہیں۔ دوسرا یہ احساس ہوا کہ وہ شخص مجھ پر اثر ڈال رہا ہے مجھے اپنے قبضہ میں لینے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن میرے اعصاب کمزور نہیں اور نہ ہی میں تو ہم پرست ہوں۔ چنانچہ اس انجینی کے لئے میں گویا قہر تر نہ تھا۔

”تو گویا آپ مسمریزم کے عامل ہیں۔“

وہ چونکا۔

”میں کچھ نہیں ہوں۔ سایہ ہوں۔ سایہ ہوں۔“

”اور میں ایک سائنسدان ہوں۔ چنانچہ آپ کی اجازت ہے یا اگر آپ اجازت نہ دیں تو بلا اجازت میں آپ پر ایک آدھ تجربہ کرنا چاہتا ہوں۔“

بے اختیار وہ چند قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اب اس کی آنکھوں میں حیوانی چمک تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ یہ اپنی قوم میں شیطان قوتوں کا سب سے بڑا عامل تھا۔

”ہم دونوں مل کر ایک تیسرے شخص پر تجربہ کریں گے۔“ وہ بولا۔

”یہ تیسرا شخص کون ہے؟“

”لنگھام۔ لنگھام۔“

”میں نے دیکھا کہ اس کے دانت زرد اور زبر پیلے تھے۔“

”میں پوچھ سکتا ہوں کہ لنگھام پر کیوں کیا جائے تجربہ؟“

”نہیں جانتے؟“

”ظاہر ہے کہ نہیں جانتا۔ اگر جانتا ہوتا تو آپ سے کیوں پوچھتا؟“

”کیوں جھوٹ بول رہے ہو؟“

”جھوٹ بولنے سے کیا فائدہ؟ حقیقت میں میں نہیں جانتا کہ آپ کون ہیں کیا چاہتے ہیں اور

لنگھام سے آپ کو کس قسم کی دلچسپی ہے اور کیوں ہے؟“

”میری دلچسپی کوئی احوال ہم ایک طرف رکھے دیتے ہیں اس وقت زیر بحث آپ کی دلچسپی ہے میری

نہیں۔“

”معاف کیجئے گا آپ کو شاید کسی قسم کی غلط فہمی ہوئی ہے۔ لنگھام سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں لیکن آپ کو

ضرور ہے اور غالباً اسی لئے آپ نے غریب خانہ پر قدم رنج فرمایا ہے۔“

”مستر آتھرٹن! آپ مار جو رہے لندن سے محبت کرتے ہیں لیکن لنگھام اسے اپنا بنا رہا ہے۔ آپ

اشارہ کر دیں اور لنگھام مار جو رہے کو بھی حاصل نہ کر سکے گا یہ میں کہہ رہا ہوں۔ میں۔“

”یہ تو میں بھی سن رہا ہوں کہ آپ ہی کہہ رہے ہیں آپ کا جھوٹ نہیں کہہ رہا ہے لیکن یہ تو بتائیے کہ

آپ ہیں کون؟“

”دیوی ایڈریس (مصر قدیم کی مشہور دیوی) جو دیوتاؤں کی ماں اور دیوتاؤں کی بہن اور بیوی تسلیم

کی جاتی تھی۔ پورے مغرب میں یہ دیوی پوجی جاتی تھی اور بڑی مقدس سمجھی جاتی تھی۔ کیونکہ ایک دیوتا کی

ماں اور دوسرے کی بیگ وقت بہن اور بیوی تھی۔“

”تو پھر آپ غلط جگہ آ گئے۔ یہ مصر کا ریزار نہیں لندن ہے اور یہ کمرہ مندر نہیں میری تجربہ گاہ ہے۔“

”اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ کچھ نہیں۔ وقت آئے گا۔ بہت جلد آئے گا۔ جب آپ کو میری

ضرورت ہوگی۔ بہت جلد آپ کو احساس ہوگا کہ آپ مار جو رہے کو کسی اور کی آغوش میں نہیں دیکھ سکتے اور

اس وقت آپ مجھے یا کریں گے اور میں آ جاؤں گا اور مار پال لنگھام کا خاتمہ ہو جائے گا۔“

ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ کہیں یہ شخص پاگل تو نہیں یا پھر کہیں یہ مجھے بنا تو نہیں رہا اور یہ کہ اسے لنگھام سے اتنی نفرت کیوں ہے ابھی میں یہ سوچ رہا تھا کہ وہ کمرے سے نکل گیا۔

یہ میری اور لنگھام کی ایک ملاقات تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

”یاد رکھو آتھرٹن، تم مجھے شکست نہیں دے سکتے۔ چاہو تو یقین دلایا جا سکتا ہے کہ ایسا ہونا ناممکن

نہیں۔“

میں حیرت سے لنگھام کی صورت دیکھنے لگا۔ یہ عجیب اور غیر معمولی سوال تھا اور یہ سوال وہ شخص پوچھ رہا

تھا جس کی فہم و فراست میں کسی کو شک نہ ہو سکتا تھا۔ چنانچہ یہ سوال ایک ہوشیار، عقلمند اور تعلیم یافتہ شخص نے

پوچھا تھا اس لئے یہ سوال اور بھی زیادہ غیر معمولی بلکہ اہم ہوگا۔ مجھے شک ہونے لگا کہ اس میں ضرور کوئی

بجید ہے جو یقیناً اس سوال سے زیادہ حیرت انگیز اور غیر معمولی ہوگا۔ لنگھام! اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو

تم ایک حیرت انگیز کہانی اپنے سینے میں دفن کئے ہوئے ہو۔ جتنی نہیں جو کچھ تم نے سنایا دیکھا ہے کہ ڈالو۔

میرے یار کہہ ڈالو اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ کہانی بھولی اور من گھڑت نہیں ہے۔ بلکہ آنکھوں دیکھا واقعہ

ہے۔ لنگھام! تم نے میری دلچسپی اور شوق کو ہوا دی ہے چنانچہ میرے ان جذبات کی تسکین نہ کرنا سراسر ظلم

ہے۔ وہ میری صورت دیکھنے لگا اس کے بشرے سے خوف و ہراس کے جذبات رفتہ رفتہ غائب ہونے لگے۔

یہاں تک کہ اس کا چہرہ ہر قسم کے جذبات سے ماری تھا۔ اور جب وہ بولا تو اس کی آواز پر سکون تھی۔

”میرا خیال ہے کہ تم یوں سمجھ رہے ہو کہ میں گپ ہانک رہا ہوں۔“

”لیکن یہ گپ کیسی ہے اور کیا ہے یہ معلوم کرنے کے لئے بے تاب ہوں۔“

”افسوس ہے آتھرٹن کہ میں بندھا ہوا ہوں۔ مجبور ہوں۔ فی الحال میری زبان پر تالے پڑے ہوئے

ہیں وقت آنے پر تمہیں بتا دوں گا۔“ اس نے میز پر سے اپنا ہیٹ اور چھاتا اٹھایا اور دایاں ہاتھ بڑھا کر

میری طرف بڑھا۔

”آتھرٹن، میں نے تمہارا بہت زیادہ وقت لیا جس کی معافی چاہتا ہوں۔ مشکور ہوں کہ تم نے میری

باتیں بڑے سکون اور غور سے سنیں اور میرے ہر سوال کا جواب دیا اچھا اب میں چلتا ہوں۔ یہ کیا ہے؟“

اس میز پر جو مجھ سے دو قدم دور تھی کاغذ کا ایک ٹکڑا پڑا ہوا تھا۔ کاغذ کا یہ ٹکڑا خاصا بڑا اور چوکور تھا۔

لنگھام اسے دیکھنے کے لئے جھکا تو ایک حیرت انگیز بات ہوئی۔ اس کاغذ کو دیکھتے ہی لنگھام کا چہرہ مارے

دہشت کے بگڑ گیا ہیٹ اور چھاتا اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اس نے اپنے دونوں ہاتھ آگے کی طرف

بڑھا دیئے جیسے وہ کسی ان دیکھے دشمن کو اپنے قریب آنے سے روک رہا ہو۔ اور یوں ہاتھ بڑھا کر وہ قدم بہ

قدم پیچھے ہٹا۔ یہاں تک کہ دیوار سے ٹکرا گیا۔ اور اب وہ دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا اور اس کے چہرے

کارنگ حتی کہ اس کے ہونٹ سفید ہو گئے تھے۔

”لنگھام! میں نے گھبرا کر کہا کیا بات ہے؟ کیا ہوا یا؟“

پہلا خیال مجھے یہ آیا کہ اس پر مرگی کا دورہ پڑا ہے حالانکہ وہ مرگی کا مریض نہ تھا۔ میں حیران تھا کہ یہ ایک دم اسے کیا ہو گیا ہے کہ اچانک میری نظر کاغذ کے اس ٹکڑے پر پڑی جسے دیکھ کر لنگھام کی یہ حالت ہو گئی تھی۔ پہلے وہ کاغذ وہاں نہ تھا۔ اس وقت بھی نہ تھا جب میں لنگھام سے گفتگو کر رہا تھا۔ دوسری بات یہ کہ میں نے وہ کاغذ وہاں نہ رکھا تھا تو پھر وہ کہاں سے آ گیا تھا؟ اس کاغذ پر ایک تصویر بنی ہوئی تھی جو کبھی عمل سے تیار نہ کی گئی تھی۔ یعنی کمرے کی تصویر نہ تھی۔ یہ تصویر ایک غیر معمولی طور پر بڑے اور کسی عجیب نسل کے بھونرے کی تھی۔ اس قسم کا بھونرہ میں نے پہلے بھی نہ دیکھا اور نہ کسی نے سنا ہو گا بھونرے کا رنگ بھی عجیب تھا۔ سبز اور نیلا اور اس قدر چمکدار کہ خوفناک معلوم ہوتا تھا اور یہ تصویر اتنی مہارت اور کچھ اس طرح ابھار کے بنائی گئی تھی کہ وہ بھونرہ زندہ معلوم ہوتا تھا اور یہ حقیقت ہے کہ پہلی نظر میں خود میں نے بھی اس تصویر کو زندہ بھونرہ ہی سمجھا تھا۔ چنانچہ جب تک میں نے اسے غور سے نہ دیکھا مجھے یقین نہ آیا کہ وہ زندہ بھونرہ نہیں بلکہ تصویر تھی۔ اس تصویر کی وہاں میرے میز پر موجودگی کا معرکہ کسی طرح حل نہ ہو رہا تھا اور سب سے زیادہ تعجب تو اس بات پر تھا کہ وہ تصویر بڑے پراسرار طریقہ سے وہاں آ گئی تھی۔ پھر یہ بات بھی سہجہ بنی ہوئی تھی کہ اس تصویر نے لنگھام جیسے شخص کو خوفزدہ کر دیا تھا۔ محض ایک تصویر اس کے کسی خوف کا باعث نہیں ہو سکتی۔ تو پھر کیا تھا اس کے خوف کا باعث؟

میں کاغذ کا وہ ٹکڑا اٹھا کے جس پر بھونرے کی تصویر تھی۔ لنگھام کی طرف بڑھا جو دیوار سے ٹیک لگا رہا تھا۔

”لنگھام! یہ یہ ایک دم سے کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ کیا بات ہے یا؟“ میں نے اپنا ایک ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ کے اسے چھوڑا۔ وہ یوں چونکا جیسے کوئی بھیا تک خواب دیکھتے دیکھتے بیدار ہو گیا ہو۔ اور اگر میں یوں کہوں تو غلط نہ ہو گا کہ وہ میرے چھوڑنے کی ہی وجہ سے بیدار ہوا تھا۔ کیونکہ اس پر غشی طاری تھی۔ اس نے میری طرف دیکھا اس کے بشرے سے ناقابل بیان وہشت کے آثار نمایاں تھے۔ ”کون ہے؟ کون ہے؟“ وہ! یہ تم ہو! آتھرٹن؟“ خدا کا شکر ہے۔ میں ٹھیک ہوں۔ ٹھیک ہوں“ اور اب وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔

”اگر ٹھیک ہو تو مجھے کہنا پڑتا ہے کہ تمہارے رویہ صحت ہونے کا طریقہ بھی تمہارے مرض کی طرح عجیب ہے“ اس نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ جیسے وہ نہ چاہتا ہو کہ میں اس کے کاپٹے ہوئے ہونٹ دیکھ سکوں۔

”کوئی خاص بات نہیں ہے کام بہت زیادہ کرتا ہوں۔ اسی کا رد عمل ہے یہ پہلے بھی ایک دو دفعہ اس قسم کے دورے پڑ چکے تھے۔ کوئی خاص بات نہیں۔“

”میری مانو اور کسی اچھے سے اچھے ڈاکٹر سے علاج کراؤ اپنا“

”اس مشورے کا شکریہ آج ہی جاؤں گا کسی ڈاکٹر کے پاس۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ محض میری دماغی

”جھکن تھی جو۔“

”تمہیں یقین ہے لنگھام کہ دورے کا اس سے کوئی تعلق نہیں؟“ اور میں نے بھونرے کی تصویر اس کے سامنے کر دی۔ اس تصویر کو دیکھتے ہی وہ پاگلوں کی طرح چیخنے اور دونوں ہاتھ لیے کر کے پیچھے ہٹنے لگا۔ اور ایک بار پھر دیوار سے جا ٹکرایا اور اب وہ اس سے یوں چپکا کھڑا تھا جیسے دیوار میں گھس جانا چاہتا ہو۔

”ہناؤ اسے۔ ہناؤ اسے“ وہ چیخا۔ چند لمحوں تک میں اس کی صورت تکٹا رہا۔

”لنگھام! پاگل تو نہیں ہو گئے یا؟ یہ تو محض تصویر ہے۔“

”ہناؤ اسے۔ ہناؤ اسے۔ پھاڑ دو۔ جلا دو“ اس کا یہ خوف اور چیخ و پکار ایسی غیر فطری تھی کہ مجھے خوف ہوا کہ کہیں اس کی حرکت قلب بند نہ ہو جائے۔ چنانچہ میں نے اس کاغذ کے چار ٹکڑے کٹے اور دیالائی کی تیلی جلا کر انہیں سلاک دیا۔ لنگھام دم بخود کھڑا کاغذ کو جلتے دیکھتا رہا۔ جب وہ جل کر راکھ ہو گیا تو لنگھام نے اطمینان کا سانس لیا۔

”لنگھام! آیا تو تم پاگل ہو گئے ہو یا بہت جلد ہونے والے ہو۔ بات کیا ہے آخر؟“

”آتھرٹن! نہ تو میں پاگل ہوں اور نہ ہونے والا ہوں۔ میں اتنا ہی ہوش میں ہوں جتنے کہ شاید تم ہو۔ وہ۔ وہ۔ کہانی جس کے متعلق میں تم سے کہہ رہا تھا۔ عجیب بات ہے۔ کسی روز سناؤں گا۔ بے حد عجیب اور دلچسپ کہانی ہے اور ناقابل یقین بھی۔“ وہ سنبھلا اور پرسکون آواز میں بولا ”مجھے افسوس ہے آتھرٹن کہ میری وجہ سے تمہیں خواہ مخواہ پریشان ہونا پڑا۔ آتھرٹن! جو کچھ ہوا ہے اسے خدا کے لئے اسے تک ہی رکھنا تم میرے دوست ہو اور میں تم پر اعتبار کر سکتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ تم کسی سے کچھ نہ کہو گے خصوصاً مار جو رہے۔“

”خصوصاً مار جو رہے سے کیوں؟“

”یہ بھی مجھے بتانا پڑے گا۔ تم خود نہیں سمجھ سکتے؟“

میں نے کندھے جھٹکے۔

”مار جو رہے سے کچھ چھپانا نہ مناسب ہے اور نہ ممکن ہے۔“

”اگر اسے بتانا ضروری ہے تو جو کچھ کہنا ہے اس سے میں کہوں گا۔ آتھرٹن! وعدہ کرو تم اس کے متعلق جو بد قسمتی سے تم نے دیکھا ہے مار جو رہے سے کچھ نہ کہو گے۔“

میں نے بادل نا خواستہ وعدہ کر لیا۔

اس رات ڈچز کے یہاں رقص تھا۔ جب میں رقص کے کمرے میں پہنچا تو سب سے پہلے میری نظر فوراً گرے لنگ پر پڑی۔ چنانچہ میں اسی کی طرف چلا ”مس گرے لنگ! گزشتہ رات میں نے بڑی

بد اخلاقی کا ثبوت دیا تھا چنانچہ اس وقت میں اس کی معافی مانگنے آیا ہوں امید ہے کہ تم معاف کر دو گی۔
”میں تم سے خفا نہیں ہوں اس لئے معافی مانگنے کی ضرورت ہی نہیں۔ گزشتہ رات تمہاری طبیعت ٹھیک
نہی اب کیسی ہے؟“

”اچھا ہوں۔ شکر یہ گزشتہ رات کی خلافی میں آج چاہتا ہوں۔ اس وقت میرے ساتھ رقص کر کے کیا
تم یہ اطمینان دلا دو گی کہ تم مجھ سے خفا نہیں ہو؟“ وہ اٹھی عین اس وقت ایک نوجوان جسے میں نے پہلے نہ
دیکھا تھا خدا جانے کہاں سے نکل کے ہمارے قریب آیا۔
”یہ میرا رقص ہے مس گرے لنک۔“ اس نے کہا۔

ذورانے مسکرا کے اس کی طرف دیکھا۔

”بات یہ ہے کہ میں بھول گئی تھی کہ میں اپنا یہ رقص ان صاحب کے ساتھ بک کر اچکی ہوں“

اس نے میری طرف اشارہ کیا۔ ”مجھے واقعی افسوس ہے پھر کبھی سہی۔“ اس نے میرے ہاتھ میں ہاتھ
دے دیا اور اس غریب نوجوان کو مایوس اور حیرت زدہ چھوڑ کر ہم دونوں آگے بڑھ گئے۔

”بیچارہ“ جب ہم رقص کر رہے تھے تو میں نے ذورانے کا ہاتھ میں کہا۔ جس طرح آج یہ نوجوان مایوس
اور بیچارہ ہوا ہے نا! گزشتہ رات اسی طرح میں مایوس اور بیچارہ تھی۔ آتھرن! تمہارے ساتھ رقص کرنے
میں مجھے بڑا لطف آتا ہے لوگ میرے ساتھ رقص کرنے کو بے تاب رہتے ہیں لیکن میں خود تمہیں تلاش
کرتی پھرتی ہوں۔“ اس نے بے اختیار اپنے دانتوں میں زبان لے لی اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ ”میرا
مطلب ہے۔ تم بہت اچھا ناچ لیتے ہو۔“

”شکر یہ۔“ ہم رقص کرتے رہے اور پھر اس سا بان میں پہنچے جو برآمدہ میں تھا۔ ذورا میں خدا
جانے کیا بات تھی کہ جب کوئی شخص اس کے ساتھ بیٹھتا تو وہ بس اپنے متعلق ہی باتیں کیا کرتا اور ذورا
بیزار کی کا اظہار کئے بغیر اس کی باتیں بڑے شوق اور دلچسپی سے سنا کرتی۔ اگر کوئی اس کے سامنے اپنا دکھڑا
رو رہا ہوتا تو ذورا اس کی بہترین ہمدرد ثابت ہوتی اور اسے تسلی دیتی۔ اگر کوئی اپنی کامیابیوں کی داستان سنا
رہا ہوتا تو وہ اس کی مسرتوں میں برابر کی شریک ہوتی۔ چنانچہ اب میں بھی ایک عالم بے خودی میں اپنے
تجربہ بات کا ذکر کر رہا تھا اور میں نے اسے بتایا کہ اگر میرا تجربہ کامیاب رہا تو میں دنیا کا مشہور ترین آدمی بن
جاؤں گا وہ حیرت اور دلچسپی سے میری باتیں سنتی رہتی۔

”بات یہ ہے کہ سائنس کو نظریات کی اتنی ضرورت نہیں جتنی کہ عمل کی ہے ایک سائنسدان اپنے کسی
عمدہ اور انوکھے نظریے کو کاغذ پر تحریر کر دیتا ہے۔ اور تجربے سے اسے ثابت نہیں کرتا تو پھر وہ نظریہ صرف
نظریہ رہتا ہے۔ حقیقت نہیں بنتا۔ چنانچہ سب سے بڑی اور اہم بات کسی بھی نظریہ کو عمل میں رکھنا ہے۔ سچ
اور کامیاب تجربہ کی بنا پر نظریے کی صحت اور صداقت کا ثبوت یہ ہے اصل سائنس تجربہ بڑی اور اہم
چیز ہے نظریہ تو ایک بچہ جی پیش کر سکتا ہے اور خاص قسم کے تجربات صرف جانوروں پر کئے جاتے ہیں اب
اگر میں اپنی تجربہ گاہ کو جنوبی امریکہ کے جنگلات میں منتقل کروں جہاں جانوروں کی افراط ہے اور جہاں
میں ہر قسم کے جانور آسانی سے حاصل کر سکتا ہوں تو میں اپنے ہر نظریے کو سچ ثابت کر سکتا ہوں“

”تو پھر کیوں منتقل نہیں کر لیتے اپنی تجربہ گاہ کو؟“

”روپیہ۔ محترمہ روپیہ۔ اتنے بہت روپیے کی ضرورت ہوگی۔ کہاں سے لاؤں روپیہ؟“

”میرا خیال تھا کہ تم مجھے اپنی دوست سمجھتے ہو۔“

”پیشک سمجھتا ہوں۔“

”تو مجھے موقع کیوں نہیں دیتے؟“

”کاہے کا؟“

”مدد کرنے کا؟ یہ کیسے؟“

”جنوبی امریکہ میں تجربات کرنے کے لئے مجھ سے روپیہ لے لو۔ میں سمجھتی ہوں کہ اپنی اس پونجی کا
جو میں اس کام میں لگاؤں گی مجھے خاصا بدل مل جائے گا۔“

”بدل مل جائے گا!“

”مم۔ مم۔ میرا مطلب ہے منافع وغیرہ۔“

”بڑی مہربانی“

”آتھرن! گھما پھرا کے باتیں نہ کرو۔ میں جانتی ہوں کہ یہ بڑی مہربانی کہہ کر تم نے میری اس
پیشکش کو ٹھکرا دیا۔“

”مس گرے لنک!“

”مجھ سے روپیہ لیتے ہوئے تمہیں شرم آتی ہے اور میری اس پیشکش کو تم نے اپنی توہین سمجھا ہے۔“

”میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ۔“

”مجھے یقین دلانے کی کوئی ضرورت نہیں اگر میرے بجائے مار جورتے نے یہ پیشکش کی ہوتی تو تم
پھولے نہ مارتے اسے بے حد شائستہ اور احسان مند نہ جواب ملتا۔ لیکن ہر لڑکی جس خندان نہیں ہے اور نہ ہو
سکتی ہے چنانچہ میں بھی نہیں۔“

میں جھوٹکارہ گیا ذورا کا یہ غصہ اور غیر متوقع تھا اور میں سمجھ نہ سکا کہ ایسی تو میں نے کون سی بات کہہ
دی جس کی وجہ سے وہ مجھ پر یوں غصا ہو رہی ہے۔ اس کے بشرے سے ناامیدی غصے اور حسد کے تپتے
جذبات کا اظہار ہو رہا تھا اور مجھے اعتراف ہے کہ اس وقت وہ بڑی پرکشش اور حسین معلوم ہو رہی تھی۔ میں
خاموشی سے اس کی صورت مکتا رہا۔ میں اور کون بھی کیا سکتا تھا۔ ایک صاحب ہماری طرف آتے نظر آئے۔
”لو یہ آ رہے ہیں اپنے رقص کا مطالبہ کرنے ظاہر ہے کہ میں اپنے سب ساتھیوں کو خبر دانیں سکتی۔ تم
معلوم ہوتا ہے غصے ہو گئے۔ چنانچہ اب میرے ساتھ رقص کرنا پسند نہ کرو گے۔“

”ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ مس گرے لنک۔ اس کے برخلاف تمہارے ساتھ رقص کر کے میں ٹیپ
طرح کا سرور محسوس کرتا ہوں۔“

”اچھا!“ اس نے بچوں کی طرح خوش ہو کے کہا اور اپنا کارڈ جس پر رقص کے نمبر اور ہر نمبر کے سامنے
رقص کرنے والے کا نام لکھا ہوا تھا میری طرف بڑھا دیا۔ ”یہ تو بھرا ہوا ہے۔ کون سا رقص ہو سکتا ہے میرا“

خدا کی قسم میرے سپرد یہ عجیب خدمت کی جا رہی ہے کبھی کسی ناکام محبت کے سپرد ایسی خدمت نہ کی جی ہوگی۔ پہلے تو اس نے میری محبت ٹھکرا دی اور اب وہ چاہتی ہے کہ میں اپنے رقیب کی نہ صرف سفارش کروں بلکہ اس کے لئے رات بھی ہموار کروں یہ ایک ایسا صدمہ تھا جسے میں برداشت نہ کر سکتا تھا۔ میں خاموش بیٹھ رہا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ کیا کہوں۔

”سڈنی اتنے ہمیشہ میرے دوست رہے ہوا ریچ تو یہ ہے کہ میں نے تمہیں سوائے دوست کے کچھ اور سمجھا ہی نہیں۔ مجھے یاد ہے کہ جب میں چھوٹی سی جی تو تم مجھے مار سے بچانے کے لئے میرے اور ابا کے درمیان آ جاتے تھے۔ اب جبکہ میں بڑی ہو گئی ہوں تو چاہتی ہوں کہ ایک بار پھر تم میرے اور ابا کے درمیان آ جاؤ اور میری مدد کرو۔“ اس کی آواز رندھی ہوئی تھی۔ اس نے اپنا ایک ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ دیا اس نے نرم و نازک ہاتھ کے لمس سے میرا پورا بدن جل اٹھا۔ لیکن اس معاملہ کو پردہ راز میں کیوں رکھا گیا آخر؟

”اس لئے کہ پال چاہتا تھا کہ فی الحال ابا سے کچھ نہ کہا جائے۔“

”کیوں؟ کیا وہ اس محبت کی وجہ سے شرمندہ اور ضل ہے یا پوچھتا رہا ہے؟“

”یا یہ عظیم سیاستدان تمہارے ابا سے ڈرتا ہے؟“

”بڑے بے رحم ہوتے۔ تم جانتے ہی ہو کہ ابا پال سے جلتے ہیں چنانچہ پال کا عروج اور اس کے سیاسی خیالات سب سے بڑی مشکل بلکہ ہماری راہ میں روڑے اٹکاتے ہیں۔ ابا چونکہ مخالف جماعت سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے پال کو یقین ہے کہ وہ اپنی بی بی کی شادی ایک کم درجہ کے شخص سے تو کر سکتے ہیں لیکن خود اسے اپنے داماد کے طور پر پسند نہ کریں گے۔ چنانچہ پال چاہتا ہے کہ پارلیمنٹ کے آخری اجلاس تک ابا سے کچھ نہ کہا جائے۔“

”عظیم پال لنگھام محبت کے معاملے میں بڑے محتاط واقع ہوئے ہیں۔ یعنی وہ سیاست دان پہلے ہیں اور عاشق بعد میں۔“

”تو کیا برائی ہے اس میں؟ اگر اس کی جگہ خود تم ہوتے تو جگہ کہنا کہ محبت کے سامنے اپنی زندگی کے اہم مقاصد کو فراموش کر جاتے؟“

”میرا تو صرف ایک مقصد ہے اور اس کے سامنے میں پوری دنیا کو ٹھکرا سکتا ہوں۔“

”کہیں تمہارا اشارہ ان باتوں کی طرف تو نہیں جو تم نے گزشتہ رات کہی تھیں؟ بڑی احمقانہ باتیں تھیں۔“ وہ ہنسی۔

”تم انہیں احمقانہ باتیں کہتی ہو اور وہ میرے دل کی آواز تھی۔ تم نے میری محبت ٹھکرا دی اور اب میری ہمدردی کی طالب ہو۔ لیکن سچ بتاؤ کیا تمہیں مجھ سے ہمدردی ہے یا نہیں ہے۔ خاتون اتالی ایک ہاتھ سے نہیں بچتی۔“

”مجھے تم سے ہمدردی ہے اور ہے گی۔ میرا اپنا سڈنی۔ بیچارہ یوں جوش میں آؤ اور بیکار باتیں نہ کرو۔ میں تمہیں بچپن سے جانتی ہوں اور جانتی ہوں تم ایک بہترین دوست لیکن بدترین عاشق ہو۔ میں جانتی ہوں کہ تم نے کتنی لڑکیوں سے محبت کی ہے اور پھر انہیں بھول گئے ہو۔ میرے خدا اتم بردہ رہا۔“

میں نے پوچھا ”جو بھی تم پسند کرو۔ تاہم میرے خیال میں اپنا نام آخر میں لکھ دو تو مناسب رہے گا۔“

”لیکن تم تو آخر تک بک ہو؟“

”کوئی سا بھی نام کاٹ کے اپنا نام لکھ دو۔“ یہ بڑی حوصلہ افزا اجازت تھی۔ چنانچہ میں نے تیسرے والٹر کے سامنے والا نام کاٹ کے اپنا نام لکھ دیا۔ میں نے یہ معلوم کرنے کی کوشش ہی نہ کی کہ وہ کون بد نصیب تھا جو میرے لئے جگہ خالی کر گیا تھا۔ ذرا رقص کرنے چلی گئی میں وہیں بیٹھا رہا۔ خیالات میرے دماغ میں جھوم کرائے تھے۔

”ارے! یہ تم ہوا تھرٹن!۔۔۔۔۔“ میں نے چونک کر دیکھا۔ یہ وہی تھا۔ وہی تار جو رے لنڈن۔ اور اس پر نظر پڑتے ہی مجھے احساس ہوا۔ شدت سے احساس ہوا کہ میرے خوابوں کی ملکہ صرف ایک ہے۔ دوسری کوئی لڑکی اس کی جگہ نہیں لے سکتی۔ کم سے کم میں تو یونہی سمجھ رہا تھا اسے دیکھتے ہی میرا بدن تپ گیا اور میری رگوں میں خون سنسنانے لگا۔ وہ اپنے ساتھی کی طرف گھوم گئی۔ جھک کر اس کا شکریہ ادا کیا اور جب وہ چلا گیا تو مار جو رے میرے قریب آئی۔

”افو! بہت تھک گئی ہوں۔ یہاں ایک آدھ خالی کرسی تو ہوگی۔“ اس نے گویا اپنے آپ سے کہا اور وہ اس کرسی پر بیٹھ گئی جسے ذرا ابھی ابھی خالی کر گئی تھی۔ کرسی پر بیٹھ کے اس نے میری طرف دیکھا اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں اور میں بیوقوفوں کی طرح خاموش بیٹھا کانپ رہا تھا۔ غالباً رعب حسن سے۔

”تم بھولے نہ ہو گے کہ گزشتہ رات میں نے تم سے ایک درخواست کی تھی۔“

”ہاں نہیں بھولا ہوں۔“

”تو اب وہ وقت آ گیا ہے۔“

میں خاموش رہا۔ چند لمحوں تک وہ بھی خاموش رہی پھر بولی:

”تم تو جانتے ہی ہو کہ ابا کتنے ضدی ہیں۔“

بے شک میں جانتا تھا۔ جافری لنڈن جیسا ضدی اور خرد مانگ آدمی پورے لنڈن میں کوئی اور نہ ہوگا۔ لیکن میں اسی کی بی بی کے سامنے اس کا اعتراف کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔

”تو اب تک مسٹر لنڈن اس معاملے سے گویا بے خبر ہیں۔“ میں نے کہا۔

”میں نے تو اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا لیکن میں سمجھتی ہوں کہ انہیں شک ہو گیا ہے چنانچہ اب تمہیں اپنا پارٹ ادا کرنا ہے۔“

”کیسا پارٹ؟“

”بے حد آسان پارٹ ہے۔ ابا تمہارے متعلق بہت اونچے خیالات رکھتے ہیں اور اگر تمہارا ہر مشورہ قبول نہیں کرتے تو اس پر غور ضرور کرتے ہیں۔ چنانچہ تمہیں یہ کرنا ہے کہ ان کے سامنے پال کی بڑے زور شور سے تعریف کرو اور اس طرح انہیں اس اعلان کو سننے کے لئے پہلے سے تیار کرو جو میں کرنے والی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ میرے اس اعلان سے ان کے دل کو دھچکا نہ پہنچے اور وہ غصہ نہ کریں۔ تم جانو پال کے متعلق ابا کے خیالات کچھ اچھے نہیں ہیں۔“

”ہاں۔ ہے کیوں نہیں۔ بلکہ خود تم سے بھی مجھے دلچسپی ہے۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔“
”اچھا تو کل میری بجر بگاہ میں آؤ گی؟“
”آؤں گی۔“

”میں تمہیں اپنے تجربات سے روشناس کرا کے وہ باتیں بتاؤں گا جن کا جاننا ضروری ہے۔ اس کے بعد اگر تمہیں مناسب معلوم ہو تو میری مدد کر سکتی ہو۔ میں بڑی خوشی سے تمہاری پیش کش قبول کر لوں گا بشرطیکہ تمہیں یقین ہو کہ میرے تجربات سے تمہیں دلچسپی ہے اور یہ کہ میرے تجربات سے اہم اور سودمند نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔“

”مجھے تمہارے تجربات سے دلچسپی ہے اور مجھے یقین ہے کہ تمہارے تجربات سے اہم نتائج برآمد ہوں گے۔ اب اطمینان ہوا۔“

”تو اس کاروبار میں ہم گویا ساجھی ہوں گے۔“

”ساجھی! ہاں۔ ہاں۔ بے شک ساجھی ہوں گے۔“

”لیکن۔ تم جانو خاصی رقم لگانا پڑے گی۔“

”کوئی بات نہیں۔ دنیا میں کچھ کام ایسے بھی ہوتے ہیں جن پر روپیہ لگا کے آدمی کو افسوس نہیں ہوتا۔“

خواہ کاروبار بظاہر گھٹانے کا ہی کیوں نہ ہو۔

”مگر سے کم میرا تجربہ تو یہ نہیں کہتا۔“

”مجھے ہے اس کا تجربہ۔ تمہیں روپیہ دے کر مجھے افسوس نہ ہو گا۔ خواہ میری پوری رقم ڈوب ہی کیوں نہ جائے۔“

”تو پھر معاملہ طے رہا؟“

”بالکل۔“

جب میں کمرے سے باہر آیا تو معلوم ہوا کہ پرسی میرے ساتھ تھا اس کا منہ ایک دم سے لنگ کر ہاتھ

بھر کا ہو گیا اس نے اپنی آنکھ پر سے ایک شیشی مینک ہنس اور ہیپ سے رومال نکال کر اس کا شیشہ

صاف کرنے لگا۔ اس نے پھر مینک آنکھ پر ہمانی۔ لیکن پھر اسے اتار کر شیشہ صاف کرنے لگا۔ وہ بہت

مضطرب بلکہ اعصابی بیجان میں جتنا نظر آتا تھا۔ اور اگر اس عالم میں وہ آپ کو تلاش کرے تو آپ کو کونسی

چاہئے کہ وہ کسی اہم معاملے پر گفتگو کرنا چاہتا ہے۔ یا کوئی خاص واقعہ ہوا ہے۔

”آٹھ ٹھن ایلار بڑا گڑ بڑ گھٹا ہے۔ میں بہت پریشان ہوں۔“

”وہ تو تمہارے لنگے ہوئے منہ اور تمہاری ہر حرکت سے ظاہر ہے۔“

”خداق نہ کرو بار۔ ایسا زبردست صدمہ پہنچا ہے میرے دل کو کہ میں سنبھل نہیں سکتا۔“

”تو نہ سنبھلو۔ کہو تو پیشگی فاتحہ پڑھاؤ۔ تم پر ہاں تو کب انتقال فرمانے کا ارادہ ہے۔“

پرسی ان لوگوں میں سے تھا جو مجھ سے خدا جانے کیوں کوئی بات نہیں چھپاتے حتیٰ کہ وہ یہ تک بتا

دیتے ہیں کہ کون سی دھوبن انہوں نے اپنے کپڑے دھوا نے کے لئے اور کون سی ملازمہ خود اپنے لئے پسند

کسی کی محبت میں گرفتار ہوتے ہو اور پھر اسے چھوڑ دیتے ہو۔ تم تو بھی اپنے زمانے کے ڈان وائ (ایکس) کا مشہور عاشق مزاج نوجوان (ہو)۔ میں جانتی ہوں کہ تم ابھی کل ہی مجھ پر عاشق ہوئے ہو۔ سچ کہنا اس سے پہلے کبھی تم نے مجھے اس نظر سے دیکھا تھا۔ چنانچہ مجھ سے تمہاری یہ محبت ایک اتفاق اور عارضی ہے۔ یقین کرو میرے اچھے سڈنی کہ کل ہی تم کسی اور لڑکی کی محبت میں آجیں بھرتے نظر آؤ گے۔ بشرطیکہ کہ شیعہ رات ہی تم کسی کی محبت میں پھنس چکے ہو بہر حال وہ وقت بھی آئے گا۔ جب تم جلی کی طرح گھر گھر جھانکنے کے بجائے کسی ایک جگہ کے ہو رہو گے۔ اب یہ کیا منہ لٹکانے بیٹھے ہو۔ تمہارا کام عاشق ہونا ہے۔ چنانچہ ہر دوسرے دن ایک نہ ایک پر عاشق ہوتے رہو۔ گویا تو نہیں اور کسی اور نہیں اور کسی۔ وغیرہ۔ یہ کون محترمہ چلی آ رہی ہیں اس طرف؟“

”یہ محترمہ“ جو چلی آ رہی تھیں اس طرف ذرا تھکی۔ میں کچھ کہے بغیر اٹھا اور اس کے ساتھ چلا گیا۔ ہم خاموشی سے رقص کرتے رہے۔ آخر کار ڈورانے یہ خاموشی تو زری۔

”مجھے افسوس ہے کہ میں نے ابھی ابھی بڑی ترش روئی کا ثبوت دیا تھا۔ خدا جانے کیا بات ہے کہ میں تم پر ہمیشہ غصہ کرتی ہوں!“

”قصور میرا تھا ڈورا۔ تم تو مجھ پر بڑی مہربان ہو جاؤ انک میں اس مہربانی کا مستحق نہیں ہوں۔ مجھے اعتراف ہے کہ تم نے شروع ہی سے میرے ساتھ بڑا اہم روانہ سلوک کیا اور ہر دفعہ میری حوصلہ افزائی کی ہے۔ حیران ہوں کہ کن الفاظ میں تمہارا شکر یہ ادا کروں۔“

”اب بتاؤ نہیں۔“

”میں تمہیں بتا نہیں رہا۔ یہ حقیقت ہے ڈورا۔ اور یہ بھی حقیقت ہی ہے کہ میں نا آشنا کے دوست ہوں۔“

”تم اور نا آشنا کے دوست!“

”ہاں۔ میرا کوئی دوست ہی نہیں۔“

”کیسے یقین کر لوں۔ اتنے بہت سے دوست ہیں تمہارے۔ خصوصاً لڑکیاں بیچاری تو ہر دم گھر رہتی ہیں تمہیں۔“

”میں گھر سے لنگتے ہی تم۔“

”اب رہی یہ بات کہ تم نے دنیا میں کوئی اہم کام نہیں کیا تو یہ بھی غلط ہے۔ اتنی بہت سی حقیقتات کی ہیں تم نے۔ اور اتنی بہت سی ایجادات منسوب ہیں تم سے اور پھر۔ غیر چھوڑو۔ دنیا جانتی ہے کہ تم نے بہت سے عظیم کام کئے ہیں سائنس کی بڑی بڑی امیدیں وابستہ ہیں تم سے۔ تمہیں شکایت ہے کہ تمہارا کوئی دوست نہیں۔ اس کے باوجود جب میں نے تمہاری مدد کرنے کی پیش کش کی تو تم نے مجھے جھڑک دیا۔“

”یہ سراسر زیادتی ہے۔ کب جھڑکا تھا میں نے؟“

”میری پیش کش تم نے بڑی رکھائی ہے ٹھکرادی تھی یا نہیں؟“

”تو کیا واقعی تمہیں میرے کاموں سے دلچسپی ہے۔“

کی ہے۔ اور پری تو اس معاملے میں دوسروں سے بہت آگے تھی۔ وہ اپنا ہر دھڑکا میرے سامنے رو لیتا تھا حالانکہ میں نے اس سے کبھی اپنی ہمدردی کا ثبوت نہ دیا تھا۔ اور نہ ہی کبھی اس کی ذہنی بندھانے کی کوشش کی تھی۔ تاہم وہ مجھے اپنا گہرا دوست اور مخلص دوست سمجھتا تھا۔ "یار تمہیں مذاق سوچھ رہا ہے اور یہاں جان پرینی ہے۔ میں تقریباً نگل ہو گیا ہوں۔ اس وقت اگر نہیں ہو تو بہت جلد ہونے والا ہوں۔"

"فکر نہ کرو دوست۔ پہلے کبھی کئی دفعہ تمہاری ایسی ہی حالت ہوئی ہے اور تم پاگل ہونے کے بجائے بڑی ذہنیائی سے سنبھل گئے ہو۔"

"ایسی باتیں نہ کرو یار۔ تم جانو نہیں ہو کہ کسی کا درد نہ سمجھ سکو۔"

"کیا بات کہی ہے۔ سچ سچ میں جانو رہی ہوں۔"

"بہت نہ ستاؤ یار۔ تم تو لڑکیوں کی سی ہمدردی کا ثبوت دے رہے ہو۔" خدا کی قسم اپنا سر پھوڑ لوں گا اگر تم نے اس نے میرے کوٹ کا کونا چڑایا۔" تمہارے خیال میں کیا ہوا ہوگا؟"

"ظاہر ہے کہ کچھ ہوا ہوگا۔"

اس نے انکار کر دیا۔

"اچھا! تو میرے بھائی اس میں یوں سوسنے کی کیا ضرورت سے ظاہر ہے کہ اس کے انکار کر دینے سے تم سنیاسی نہ بن جاؤ گے۔ چنانچہ اور کچھ دیکھو۔ کسی زبردست حکیم کا قول ہے۔ غالباً اٹھ یا ستر اذیاتیان قسم کے کسی حکیم کا۔ جس کے نام کے آخر میں "اربا" آتا ہے۔ قول ہے کہ ایک درندہ تو سو درندے سے بڑا ہے۔ میری نانی کا قول ہے۔ بہر حال مددہ قول ہے۔ میرے دوست طالب رنگ برنگی مچھلیوں سے پلا پڑا ہے۔ ایک سے ایک اعلیٰ قسم کی مچھلی ہے۔ جس کا نام "اربا" کا امین ہاتھ سے نہ چھوڑو۔ اور جلد یا بدیر ایک نہ ایک مچھلی ضرور پھنس جائے گی۔"

پری نے اپنے رومال کا گولا سا بنا لیا تھا اور اس گولے سے وہ اپنی آنکھیں یوں پونچھ رہا تھا۔ جیسے انہیں سینک رہا ہو۔ وہ رو رہا تھا۔

"یہ کیا عورتوں کی طرح نسوے بہا رہے ہو۔ مجھے واقعی تم سے ہمدردی ہے۔ لیکن کیا کروں کہ یہ اب دلچسپ کچھ ایسا ہے کہ لوگ مجھے تندہ اور پتھر دل سمجھ لیتے ہیں۔ بہت نہ بارو۔ پھر کوشش کرو۔"

"بے فائدہ ہے۔ میں جانتا ہوں کہ وہ پھر انکار کر دے گی۔"

"یہ تم نے یقین سے کیسے کہہ دیا؟"

"بڑا ہی سخت سلوک تھا اس کا۔"

"بھی جہاں تک سلوک کا تعلق ہے اس کے متعلق یقین سے کچھ کہنا مشکل ہے تم جانو عورت ایک پہلی ہے۔ جو بچہ لیا تو تمہارے وارے نیارے ہیں نہ بوجھ سکے تو پھر اتانہ۔ بات یہ ہے کہ اپنے طور پر کوئی نتیجہ اخذ کرنا سراسر غلط ہے ممکن ہے اس کے انکار میں اقرار پوشیدہ ہو۔ ایک بار پھر ایک زبردست حکیم کا قول دہرانے کی اجازت چاہتا ہوں۔ فرماتے ہیں کہ جب کوئی لڑکی کہے اوں ہوں تو سمجھ لو ہاں ہاں اور جب کہے ہاں ہاں تو سمجھ لو اوں ہوں۔ یار یہ حکیم لوگ بعض اوقات بڑے کام کی باتیں کہہ جاتے ہیں۔"

لیکن یار یہ لڑکی ہے کون؟"

"کون ہے؟ اس کون ہے؟ میری روح میری دنیا بلکہ میری زندگی صرف ایک ہے۔"

"وہ تو ظاہر ہے میاں مجنوں۔ لیکن یہ ہے کون؟"

"صرف ایک۔ صرف ایک۔"

"ارے یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ صرف ایک ہے کیونکہ تجھے حرم نہیں کھولنا ہے لیکن اس کا نام کیا ہے۔"

"ہائے۔ اس کا نام ہے مار جوہرے لنڈن۔"

"اے مار جوہرے لنڈن۔" اور میرا منہ کھلا کھلا رہ گیا۔

"اب یہ کیا ہو گیا تمہیں! پری بھو بھوکا ہو کر بولا۔"

میں اسے حیرت زدہ چھوڑ کر بھاگا وہاں سے اور مار جوہرے سے تقریباً ٹکرا گیا۔ "یہ کیا ہوا؟ کوئی بلا لگ گئی ہے تمہارے پیچھے یا کسی پر عاشق ہو گئے ہو؟" وہ بے دردی بولی۔

"وہ۔ وہ۔ پری! میں ہکا نے لگا۔"

"میں جا رہی ہوں۔ ذرا ابھی تک چہنچہو مجھے۔"

میں اس کے ساتھ ابھی تک گیا۔

"اگر چلن ہو تو ابھی میں بیٹھ جاؤں۔ تم جہاں کہو کے وہاں اتار دوں گی تمہیں۔"

"جی نہیں۔ شکریہ۔ میں ابھی نہیں جا رہا۔"

"میں جا رہی ہوں دارالعوام میں۔ تم نہیں چلو گے؟"

"وہاں کیوں جا رہی ہو۔ بڑے بڑے ہنگامہ دار احمق ہیں وہاں پھر تمہاری کیا ضرورت ہے؟"

"اب اتراؤ نہیں۔ تم بخوبی جانتے ہو کہ میں کیوں جا رہی ہوں؟ آج رات محکمہ زراعت و تجارت کا اجلاس ہے اور پال تقریر کرنے والا ہے اور جہاں بھی اور جب بھی پال کی تقریر ہوتی ہے میں وہاں پہنچ جاتی ہوں۔"

"بڑا خوش قسمت ہے پال۔"

"ظاہر ہے۔ ایسی امتیازی خصوصیات کا مالک ہے وہ کہ سوائے خوش قسمت کے وہ اور کچھ ہوتی نہیں سکتا۔ میرے خیال میں اب مجھے چلنا چاہئے اس کی تقریر اس وقت تک شروع ہو جانی چاہئے گی۔ لیکن ابھی ابھی اس کا فون آیا تھا کہ چند نوہات کی بنا پر اس کی تقریر آدھے گھنٹے بعد شروع ہوگی۔ چنانچہ۔ خدا حافظ۔"

جب میں واپس رقص کے کمرے میں پہنچا تو ایک بار پھر میری نگاہ بھڑ پری سے ہو گئی۔ وہ اپنے سر پر ہیٹ رکھے کہیں جانے کے لئے پر تول رہا تھا۔

"اب یہ کہاں دھاوا بولا جا رہا ہے؟"

"دارالعوام میں جا رہا ہوں۔"

”بال لستھام کی تقریر سننے جا رہے ہو۔“

”جہنم میں ڈالو لستھام کو۔“

”بڑی خوشی ہے۔“

”سنا ہے مخالف جماعت تجاویز کی زبردست مخالفت کرنے والی ہے۔“

”مخالف جماعت کا سوائے اس کے اور کام بھی کیا ہے۔“

”یار اگر گرمائی ہوئی تو بڑا لطف رہے گا۔“

”پری! تمہیں ایک اطلاع دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ کوئی اور بھی وہاں گیا ہے محض لستھام کی تقریر سننے کے لئے۔“

”کون؟“

”مارجور سے لنڈن۔“

”میری قسم! کاش میں بھی وہاں ہوا ہوتا تو تقریر کر سکتا۔ دھواں دھار نہ سہی محض تقریر کر سکتا۔ لیکن میں بھی تقریر نہ کر سکوں گا۔ چناؤ کے زمانے میں جب میں بطور ایک رضا کار کے کام کر رہا تھا۔ تو دوسروں سے تقریریں لکھوا کے انہیں رٹ لیتا تھا۔ لیکن اگر مارجور سے واقعی سامعین میں شامل ہے تو میں کچھ کروں گا۔“

”کیا کرو گے؟“

”اگر میری عقل نے کام کیا اور مجھے کوئی قابل اعتراض بات نظر آئی یا کسی نے مجھے کوئی بات سمجھا دی تو خدا کی قسم میں لستھام پر اعتراض بڑا دوں گا۔ اگر نہ کروں اعتراض تو تم کو بڑھاتا ہوں مارنا میرے منہ پر۔ میں مارجور سے کو بتا دوں گا کہ میں بھی کچھ ہوں۔“

”شباباش۔ شباباش۔ تم کچھ کیا بہت کچھ ہو۔ پری! میرے دوست اعتراض ضرور کرنا۔ اگر کوئی بات سمجھ نہیں آئے تب بھی اعتراض کرنا۔ میں چلتا ہوں تمہارے ساتھ۔ لستھام کے سامنے میں تمیں اہم ہستیاں ہوں گی۔ مارجور سے۔ پری اور بندہ۔“

”مارجور سے نے اس شخص کو اپنے لئے پسند کر کے غلطی نہیں کی ہے۔ میں نے اپنے آپ سے کہا۔“

”مخالفت کے طوفان میں وہ بڑی بہادری سے ڈٹا ہوا رہا اور ایک جاننا ناسٹ کی طرح اس کا مقابلہ کرتا رہا۔ اسے اس عالم میں دیکھ کے کوئی بھی لڑکی لستھام کو اپنا بیرو بناسکتی تھی اور مارجور سے نے اسے اپنا بیرو بنالیا تھا۔“

”اس کی تقریر بڑی پرزور تھی جو سامعین سے بار بار تالیاں پتواری رہی تھیں۔ جب وہ تقریر کر کے اپنی نشست پر بیٹھ گیا تو تالیوں کے شور سے دارالعوام کی چھت اڑی گئی۔ اس شخص کو لوگوں پر چھا جانے کا کر معلوم تھا۔ مخالف یوں خاموش تھے جیسے انہیں سانپ سونگھ گیا ہو۔ لستھام میرا رقب تھا تاہم مجھے اس کی خداداد قابلیتوں کا اعتراف کرنا ہی پڑا۔“

”دفعۃً کہیں سے مارجور سے نکل کر میرے سامنے آئی۔ مارے خوشی کے اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔“

”تو آخر تم آگئے؟ سچ کہنا کیسی تقریر تھی اس کی؟ یہ بھی خدا کی ایک دین ہے اور اس دین کو نیک متعبد کے لئے استعمال کرنا کیسی عظیم بات ہے۔ اب کچھ تو بولو۔ یہ خاموشی تمہاری فطرت کے خلاف ہے۔ تم بڑے زندہ دل آدمی ہونے کے علاوہ خاصے بلند نظر اور وسیع القلب ہو۔“

”مارجور سے مجھ سے اپنے پیارے کی تعریف سننا چاہتی تھی۔“

”ہاں۔ اچھی تقریر کر لیتا ہے۔“

”کیا مطلب؟“ اس کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے اور اس نے حقارت سے میری طرف دیکھا۔ ”تم جلتے ہو اس سے اور اس کی خوبیوں کی داد نہ دے کر دراصل تم خود اپنے احساس کمتری کا ثبوت دے رہے ہو۔ بالفرض مجال اگر تم احساس کمتری میں مبتلا ہو بھی تو اس کا اعتراف کرنا عقلمندی کی دلیل نہیں۔“

”مارجور سے مجھ سے اپنے پیارے کی تعریف سننا چاہتی تھی۔“

”ہاں۔ اچھی تقریر کر لیتا ہے۔“

”کیا مطلب؟“ اس کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے اور اس نے حقارت سے میری طرف دیکھا۔ ”تم جلتے ہو اس سے اور اس کی خوبیوں کی داد نہ دے کر دراصل تم خود اپنے احساس کمتری کا ثبوت دے رہے ہو۔ بالفرض مجال اگر تم احساس کمتری میں مبتلا ہو بھی تو اس کا اعتراف کرنا عقلمندی کی دلیل نہیں۔“

”مارجور سے مجھ سے اپنے پیارے کی تعریف سننا چاہتی تھی۔“

”ہاں۔ اچھی تقریر کر لیتا ہے۔“

لسنگھام کی تقریر ہر طرح سے بے حد عمدہ اور پرتاثر تھی اور چونکہ تم اسے سراہ نہیں رہے ہو اس سے ثابت ہوا کہ تم نہایت بد ذوق ہو اور تنقیدی نظر نہیں رکھتے۔
بہر حال سنگھام کے سامعین میں ایک ایسی توائسی ہے جو نہایت اعلیٰ ذوق اور نکھری ہوئی تنقیدی نظر رکھتی ہے۔ چنانچہ جو بھی تمہارے اعلیٰ ذوق اور تنقیدی نظر کا معترف نہ ہو وہ تو بیچارہ دنیا کا احمق ترین شخص ہے۔

میرا خیال تھا کہ وہ مارے غصہ کے پاگل ہو جائے گی اور دارالعوام میں موجود سامعین اور اراکین کو ایک نہایت ہی دلچسپ قسم کا ناکہ دیکھنے کو ملے گا۔ لیکن ایسی کوئی بات نہ ہوئی۔ اس کے برخلاف اس نے بس کراپنا ایک ہاتھ میرے کندھے پر رکھ دیا۔

”بیچارہ اسڈنی۔ میں تمہاری دلی کیفیت سے واقف ہوں اور مجھے تم سے ہمدردی ہے۔ غالباً تم نہیں جانتے کہ تم اس بچے کی طرح ہو جو پت کر آنے کے باوجود اپنی ٹانگ اونچی رکھتا ہے اور بڑا ہلکتا ہے کہ دشمن نے اسے دھوکے اور چال بازی سے پیٹ ڈالا ہے۔ خیر کوئی بات نہیں ابھی تم بچہ ہو۔ بڑے ہو جاؤ گے تو بڑی بہادری اور شان سے پٹنا سیکھ لو گے۔“

مارجورے کے ان چہیتے ہوئے فقرے نے مجھے آگ بھڑک کر دیا۔ یہ تو میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ معصوم لڑکی طنز کے ایسے تیر بھی چلا سکتی ہے۔

”اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو مجھ سے پہلے خود تم بہت کچھ سیکھ لو گی۔“ میں نے سنگھام کی صبح کی حالت کا تصور کر کے کہا۔
”کیا مطلب؟“

اس سے پہلے کہ میں کوئی جواب دیتا سنگھام وہاں آدھمکا۔
”معاف کرنا تمہیں میرا انتظار کرنا پڑا۔ دراصل مجھے وہاں ضرورت سے زیادہ دیر ہو گئی۔“ وہ بولا۔

”کوئی بات نہیں۔ لیکن اب چھٹنا چاہئے۔ دراصل اس جگہ تمہارا انتظار دلچسپ کے بجائے بیزار کن ثابت ہوا ہے۔“ مارجورے نے شرارت سے میری طرف دیکھا اور اب سنگھام کی نظر بھی مجھ پر پڑی۔
”ارے تم اور یہاں! تم اکثر یہاں نہیں آتے۔“

”جی ہاں نہیں آتا کیونکہ میرے پاس فضول وقت نہیں ہے کہ اسے ضائع کرتا پھروں۔“
”میرے خیال میں یہاں آنا وقت ضائع کرنا نہیں ہے۔ تاہم جب بھی تمہارے پاس ضائع کرنے کے لئے وقت ہو یہاں آ جایا کرو۔ کچھ نہ کچھ سیکھ کر ہی جاؤ گے۔“

”شکریہ۔ بہت کچھ سیکھ لیا ہے اور جو باقی ہے وہ سیکھ لوں گا۔ امید ہے اب تمہاری طبیعت اچھی ہو گی۔ صبح جب ہماری ملاقات ہوئی تھی تو تم کچھ بیمار سے تھے۔“
سنگھام کی آنکھیں بھیجی گئیں اور اس کا رنگ زرد ہو گیا۔ لیکن وہ فوراً ہی سنبھلا۔ اس کے بشرے سے

نہ حیرت عیاں تھی اور نہ خوف۔
”شکریہ۔ اب اچھا ہوں۔“

لیکن مارجورے نے اندازہ لگا لیا کہ میری اس مزاح پر سی میں کوئی گہرے معنی پوشیدہ ہیں۔ اس کا خیال تھا کہ میں سنگھام سے جھگڑا کرنا چاہتا ہوں۔

”چلو بھئی یہاں سے اس وقت تو مسٹر آتھرٹن کی طبیعت کچھ خراب معلوم ہوتی ہے۔“ وہ بولی۔
ابھی اس نے اپنا ہاتھ سنگھام کے ہاتھ میں دیا ہی تھا کہ مارجورے کے والد بزرگوار طوفان میں گھری ہوئی کشتی کی طرح ڈولتے ڈالتے وہاں آ پینے بڑے میاں نے اپنی بیٹی کی طرف یوں دیکھا جیسے انہیں یقین نہ رہا ہو کہ عواری کے ہاتھ سے لگتی ہوئی چیز بندر یا نہیں بلکہ خود ان کی نور نظر ہے۔

”میرا تو خیال تھا کہ تم جوڑے کے یہاں رقص میں لگی ہوئی ہو۔“ بڑے میاں نے کہا۔
”میں وہیں گئی تھی۔ لیکن اب یہاں آ گئی ہوں۔“

”اے۔ یعنی۔“ مسٹر جافر می لنڈن بکھلانے لگے اور ان کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ جب وہ غصہ ہوتے تھے تو ان کی ایسی ہی حالت ہو جاتی تھی۔ ”کک۔ کک۔ کیا مطلب ہے۔ تم۔ تم۔ تمہارا کہ تم یہاں ہو؟“
بب۔ بب بھی کہاں ہے گویا کہ؟

”جہاں اسے ہونا چاہئے۔“ مارجورے نے بغاوت کا ثبوت دیتے ہوئے کہا۔ ”کک۔ کک۔ کیا مطلب گویا کہ؟“

”باہر میری منتظر کھڑی ہو گی۔ بشرطیکہ کھڑے اسے لے کر بھاگ نہ گئے ہوں۔“
”تت۔ تت۔ تو چلو۔ مم۔ مم میں تمہیں لے لے چلتا ہوں اس تک گویا کہ تمہارا۔ اے۔ اے۔ ایسی واہیات۔ ج۔ ج۔ جگہ آنا مجھے پ۔ پ پسند نہیں گویا کہ۔“
”آپ تکلیف نہ کریں ابا جان۔ مسٹر سنگھام مجھے بھی تک بخیر و خوبی پہنچا دیں گے۔ اچھا میں چلتی ہوں۔“

اور وہ اپنے عاشق کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر چلی گئی اور بڑے میاں بیچارے نے گستاخ لڑکی کہہ کر خاموش ہو گئے۔ اور کہتے ہیں کہ تہذیب و تمدن اپنے عروج پر ہے اور لوگ شور مچا رہے ہیں کہ حنف نازک کو ہر طرح کی آزادی ملنی چاہئے۔ اب اس سے زیادہ آزادی کیا ہو گی کہ ایک لڑکی اپنے باپ تک کو خاطر میں نہیں لاتی۔ شریف والدین کے لئے وہ بڑا ہی عبرت انگیز منظر تھا کہ باپ شکست خوردہ اور چل کھڑا ہوا تھا۔ اور صاحبزادی اپنے عاشق کے ہاتھ پر لگی ہنستی اور تہمت لگاتی چلی جا رہی تھی۔

مسٹر لنڈن خاموش کھڑے ان دونوں کو جاتے دیکھتے رہے ان کا چہرہ الال بھجھو کا ہو رہا تھا۔ پیشانی کی رگیں تیر آئی تھیں اور سختی سے بھینچے ہوئے ہونٹوں کے کونے کانپ رہے تھے۔ جب مارجورے اور سنگھام نظروں سے اوجھل ہو گئے تو بڑے میاں میری طرف گھوم گئے اور بولے:

”الوکا پٹھا، گدھا، کمینہ گویا کہ۔“
ظاہر ہے کہ معزز حضرات مجھے نہیں بلکہ اس شریف زادے کو عطا ہو رہے تھے جو ان کے سامنے ان کی صاحبزادی کو لے اڑا تھا۔

”آج صبح ہی“ وہ پھنکارے ”م۔ م۔ میں نے اس الو کی پٹھی سے کہ۔ کہا تھا کہ وہ اس۔ ن۔ ن نا ائق

”یہ بلی پال لستکھام کی ہے۔“

”جناب! اسی پال لستکھام کی جس نے آج دارالعوام میں دھواں دار تقریر کی اور پھر مار جوروں کو لے

اڑا۔“

”تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ اسی کی بلی ہے۔“

”مجھے معلوم تو نہیں ہوا۔ لیکن اگر یہ اس کی بلی نہیں ہے تو ہم اسے اس کی بلی تصور کئے لیتے ہیں۔

چونکہ یہ بلی اسی کے گھر کے قریب بھٹک رہی تھی اس لئے مان لو کہ یہ اسی کی ہے۔ اب چونکہ یہ بلی ہے میں

لستکھام کو اس مرتبان میں بند نہیں کر سکتا۔ اس کی بلی بند کر دی ہے۔ گویا بلی نہ سہی اس کا کتا سہی۔“

”لیکن اس مرتبان میں کیوں بند کیا گیا ہے؟“

”یہ تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا۔ اب یہ دیکھو بلی کتنی خوش معلوم ہو رہی ہے۔“

”مجھے تو ذرا بھی خوش نہیں معلوم ہو رہی ہے غریب۔“

”میرے عزیز پرسی۔ جانور عجیب عجیب طرح سے اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہیں چونکہ یہ بلی گھبراہٹ

ہوئی اور سہی ہوئی ہے۔ اس لئے ہمیں سمجھ لینا چاہیے کہ یہ اس طرح خوشی کا اظہار کر رہی ہے۔“

”یا تمہاری منطق میری سمجھ میں نہیں آتی۔“

وہ بلی تو جیسے پاگل ہو گئی تھی۔ وہ مرتبان میں اچھل کود رہی تھی۔ اس کی دیواروں سے ٹکرا رہی تھی۔ اور

غرار ہی تھی۔

”بہت خوش ہے یہ بلی۔“ میں نے کہا۔

”تو مجھے کہنا پڑتا ہے کہ خوش ہونے کا یہ برا طریقہ ہے۔“

”بلیوں کے علاوہ ہم انسانوں کے خوش ہونے کے بھی عجیب طریقے ہیں اچھا اب ہوشیار۔ اچھا اب

ذرا اس کھلونے کو دیکھو اس قسم کے کھلونے تم نے پہلے بھی دیکھے ہوں گے۔ یہ چھوٹی سی بندوق ہے جس

کے پچھلے حصہ میں اسپرنگ لگا ہوا ہے اس اسپرنگ کو ہینچو۔ اس کا تروس کونالی میں ڈالو۔ اسپرنگ چھوڑ دو اور

جناب بندوق چل جائے گی۔ اب میں اس تجوری کو کھولوں گا جو اس دیوار میں جڑی ہوئی ہے۔ دیکھو!

تجوری بہت زیادہ مضبوط بنائی گئی ہے۔ اس تجوری میں میرا خزانہ ہے۔ وہ مجھے بے حد عزیز ہونے کے

علاوہ بے حد خطرناک ہے۔ اس چور پر مجھے رحم آتا ہے جو کبھی انجانے میں اس تجوری کا قفل توڑ کر میرا خزانہ

چرانے کی کوشش کرے گا۔ اچھا اب دیکھو اس تجوری میں۔ دیکھو! اس میں چھوٹی چھوٹی گیندیں کا بیج کی

میں اور ہر گیند ایک الگ خانے میں رکھی ہوئی ہے۔ گیندیں شفاف ہیں۔ تم ان کے آپار دیکھ سکتے ہو۔ یہ

ہیں دو ننھی سی نکلیا میں۔ یعنی نمونے کے گیند۔ ان میں نہ تو پھٹ پڑنے والا مادہ ہے اور نہ ہی اس قسم کی کوئی

چیز۔ اس کے باوجود تم ان نکلیاؤں کو کسی جگہ پھینک دو تو یہ تباہی مچا دیں گی۔ لو ایک نمونہ تم لو۔ تم کہتے ہو۔ تم

دنیا سے بیزار ہو گئے ہو اور خودکشی کرنے کا ارادہ کر رہے ہو۔ اس نمونہ کو اپنی ناک کے قریب لے جا کر پشلی

سے دبا کے رگڑ دو اور تم فوراً ہی اس دنیا میں پہنچ جاؤ گے۔ جہاں نہ دشمن ہیں اور نہ بیزاری بلکہ سکون ہی

سکون ہے۔“

سے نہ ملے ایک نہ ایک دن۔ م۔ م۔ میں اسے اس کے منہ پر الو کا پتھا کہہ دوں گا گویا کہ وہ اسے میرے س۔

س سامنے لے کر چلتا بنا۔ گویا کہ کچھ کیا رکھا ہے۔ ام۔ م۔ م۔ مجھم۔“

وہ بھنار ہے تھے۔

اور اپنے دونوں ہاتھوں کے گھونٹے اپنے گوت کی جیبوں میں ٹھونس کر وہ بگڑے ہوئے انجن کی طرح

بھتی بھٹاتے بھناتے اور چر پھرتے وہاں سے چل دیئے اور یہ اچھا ہی ہوا کہ وہ وہاں سے چلے گئے کیونکہ ان

کی آواز خطرناک حد تک اونچی ہو گئی تھی اور لوگ رو نہیں سہا تھا کہ ہماری طرف دیکھنے لگے تھے۔

جب مسٹر لنڈن تشریف لے جا رہے تھے تو مسٹر پری تشریف لارہے تھے۔ حسب معمول وہ بے حد

گھبراہٹا ہوا اور پریشان تھا۔

”وہ۔ وہ۔ لستکھام کے ساتھ چلی گئی۔ دیکھنا تم نے؟“

”دیکھا میرے دوست پرسی! خوب اچھی طرح دیکھا۔ ان بیکاری فکروں کو چھوڑو۔ کون کس

ساتھ گیا اور کون کس کے ساتھ نہ گیا۔ چنانچہ اصول تاشے بجاؤ اور چلو یہاں سے۔“

میں پرسی کے ساتھ ”ہالی کون“ ہوئی پہنچا اور اپنی طرف سے اسے کھانا پیش کیا۔ ہم دونوں کھانا کھائے

لگے۔ میں خاموش تھا۔ لیکن پرسی اپنی بد قسمتی کا ردِ نارور رہا تھا اور ساری دنیا سے بیزار معلوم ہوتا تھا۔ تاہم

خوب ڈٹ کر کھارہا تھا اس نے بتایا دنیا کے سب جاندار اس کے دشمن ہیں قسمت کی دیوی اس سے روٹھ گئی

ہے اور یہ کہ وہ خودکشی کرنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ وغیرہ۔ میں نے اسے شامیوں کے دو جام دیئے۔ جنہیں وہ

یوں چڑھا گیا جیسے روانہ ہو رہا ہو۔

میں نے اس سے کہا کہ وہ میرے ساتھ میری تجربہ گاہ میں چلے جہاں میں اسے اپنی ایجادات دکھا

کے اس کا دل بہلانے کی کوشش کروں گا۔ وہ تیار ہو گیا چنانچہ ہم دونوں کرائے کے تانگہ میں سوار ہو کر اپنے

گھر کی طرف چلے۔ راستے میں ایک بڑی سی کالی بی بھلتی نظر آئی۔ میں تانگہ رکوا کے اتر اور بلی کو پلاز کے

پھر تانگہ میں بیٹھ گیا۔

جب ہم اپنی تجربہ گاہ میں پہنچے تو میں نے بلی کو کانچ کے ایک مرتبان میں بند کر دیا۔ پرسی حیرت سے

بھی مجھے دیکھ رہا تھا اور کبھی بلی کو۔

”اس بلی کو تم نے اس مرتبان میں کیوں بند کر دیا ہے یا۔ بہتر ہوگا کہ اس بیچاری کو چھوڑ دو“ پرسی نے

کہا۔

”کیوں چھوڑ دوں اسے؟ جانتے ہو یہ کس کی بلی ہے؟“

”نہیں تو۔ آج پہلی دفعہ اس سے شرفِ ملاقات حاصل کر رہا ہوں۔“

پر کسی نہایت ہی بدحواس ہو کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔

”میں نہیں جانتا کہ تم کیا کہہ رہے ہو! مجھے نہیں چاہئے یہ نکیا اسے اپنے پاس ہی رکھو۔“

”سوچ لو۔ پھر ایسا موقع نہ آئے گا۔“

”نہیں چاہئے مجھے یہ نکیا۔“

”بہت اچھا۔ لو اب ہم اس بلی پر آزمائیں گے۔“

”تم پاگل ہو گئے ہو۔ جانے دو اس بیچاری کو۔“

”یہ بیچاری جا رہی ہے۔ اس دنیا میں جا رہی ہے جو بہت نزدیک ہوتے ہوئے بھی بہت دور ہے۔“

دراغور سے دیکھو کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ یہ بدوق۔ یہ کھلوتا میرے ہاتھ میں ہے۔ میں نے اس کی

اپرنگ کھینچ رکھی ہے۔ اب میں یہ نکیا اس نالی میں ڈال رہا ہوں۔ اب دیکھو میں نالی کو اس سوراخ میں

ڈال رہا ہوں۔ جو مرتبان کی دیوار میں بنا ہوا ہے اور اس مرتبان میں ہمارے عواری دوست کی بلی بند ہے۔

بدوق کی نالی کیا ٹھیک ٹھیکھی ہے اس سوراخ میں کہ او۔ اب میں اپرنگ چھوڑنے جا رہا ہوں۔ چنانچہ ٹو

سے دیکھو۔“

”آخر ن! جانے دو اس بیچاری کو۔“

”یہ بیچاری چلی گئی۔ نکیا نالی میں سے نکل کر مرتبان کی چھت سے ٹکرائی ہے اور لوٹ کر پینڈے میں

گڑی ہے۔ اور آنکھوں والوں دیکھو کہ بلی مردہ پڑی ہے اب ذرا سوچو اور اس تباہ کن ہم کی تباہی کا تصور کرو

جس میں وہ گیس بھری ہوئی ہوگی جس کا نام آخر ن کی جادوئی کیس ہوگا اور یہ کیس ایک سو میں ن کی توپ

سے پھینکی جائے گی۔ اور اس کیس کا کو۔ دشمن کی فوج یا دشمن کے شہر میں پھٹ پڑے گا اور لوگ کھبیوں کی

طرح مرجائیں گے۔ عورتیں امر و جوان بوز سنے درندے چرندے نباتات جمادات سب ختم ہو

جائیں گے۔ اور میرا نام بلند ہوگا۔ ہزاروں بے گناہوں کی جانیں لے کر ایک شخص عروج حاصل کر سکتا ہے

آفریں ہے جدید سائنس کی ترقیوں کو۔“

”میں جا رہا ہوں۔ میری طبیعت گھبرا رہی ہے۔“ دھشت زدہ پری نے کہا۔

”گھبرا کیوں رہے ہو؟ ڈر ہے ہو مجھ سے؟ میرے دوست میں تمہاری معلومات میں اضافہ کر رہا

ہوں۔ چنانچہ تمہیں تو میرا احسان مند ہونا چاہئے لو اپنا جام خالی کرو۔“

میں نے لبریز جام اس کی طرف بڑھا دیا۔ وہ شراب کا آخری قطرہ تک پی گیا لیکن اس کے اعصاب

سکون پذیر نہ ہوئے۔ چنانچہ اس نے بے حد غصے کے عالم میں جام اٹھا کے دے مارا۔ بد قسمتی سے میں

نے دوسری نکیا میز پر رکھ دی تھی۔ جام میز کے کونے سے ٹکرایا اور ایک دھکے کے ساتھ نکیا لڑھکتی ہوئی میز

کے کنارے کی طرف چلی گئی اور میں نے دیکھا کہ میری اور پری کی موت قریب تھی۔ نکیا کو روکنے کے لئے

میں میز کی طرف دوڑا لیکن اس سے پہلے کہ میں اس تک پہنچتا وہ میز پر سے زمین پر پڑی کے قدموں میں گر

کے لوٹ گئی اور اس میں سے گیس نکلنے لگی میں پاگلوں کی طرح چیخ رہا تھا کہ پری اس نکیا کے قریب سے

بہت جائے لیکن وہ اللہ کا بندہ تو بت بنا کھڑا تھا۔ اور اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ میں کیوں شور مچا رہا ہوں۔

فورا ہی پری کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ وہ آگے کی طرف جھکا اور دھڑام سے اوندھے منہ گرا۔ میں نے تیزی

سے آگے بڑھ کر بے ہوش یا شاید مردہ پری کے دونوں ہاتھ پکڑے اور اسے گھسیٹتا ہوا اس دروازے کے

قریب لے آیا جو صحن میں کھاتا تھا۔ میں نے جلدی سے دروازہ کھولا اور پری کو باہر گھسیٹ لایا۔

ابھی میں پری کو صحن میں لایا ہی تھا کہ خدا جانے کہاں سے ایک پراسرار سایہ نکل کے میرے سامنے آ

کھڑا ہوا۔ میں نے نظر اٹھا کے دیکھا اور دم بخود رہ گیا۔ یہ وہی تھا۔ لسنکھام کا مشرقی دوست وہی

عرب جو مجھ سے ملنے آیا تھا۔

صحن میں چونکہ اندھیرا تھا اور میں تجربہ گاہ کے اجالے میں سے اندھیرے میں آ گیا تھا۔ اس لئے پھر

دیر تو مجھے کچھ نظر ہی نہ آیا۔ جب میری آنکھیں اندھیرے کی عادی ہو گئیں تو میں نے اپنے پراسرار ملاقاتی

کو پہچانا۔ وہ اپنا وہی جب پہنے ہوئے تھا اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے بھیا تک خواب کا کوئی تیرا حقیقت بن

کے ہماری دنیا میں آ گیا ہو۔ اور پھر میرا سر پھرانے لگا۔

میں نے اس وقت جب کہ نکیا فرش پر گڑی تھی۔ اپنا سانس روک لیا تھا کہ مبادا میرا بھی پری کا سال

ہو جائے۔ چنانچہ کھلی ہوا میں نکل آئے میں آرا ایک لمحہ کی بھی تاخیر ہوئی ہوئی تو میں یقیناً دوسری دنیا میں پہنچ

گیا ہوتا۔

چنانچہ بہت دیر تک سانس روک رکھنے کی وجہ سے میرا سر گھوم رہا تھا۔ اور آنکھوں کے سامنے تاری

سے ناچ رہے تھے۔ چنانچہ یوں ہوا کہ میں نے جب پری کو زمین پر لٹایا تو میں بھی لڑکھڑاکے اس پر گر پڑا

اور مجھ پر بے ہوشی طاری ہونے لگی اور مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ بے ہوش ہوتے وقت میں نے قسمت

خوش اور سخت مندی سے کہا تھا۔

”آخر ن کی جادوئی کیس۔“

اور میرے ہوش میں آنے کا واقعہ بھی عجیب ہے۔ مجھے احساس ہوا کہ کسی کی باپیں مجھے سہارا دے

ہوئے تھیں۔ ایک انجی چہرہ مجھ پر جڑا ہوا تھا۔ اور وہ بے حد عجیب اور غیر معمولی قسم کی آنکھیں مجھے گھور رہی

تھیں۔

”کون ہو تم؟“ میں نے پوچھا۔

اور پھر میں نے اسے پہچان لیا۔ وہ میرے بن بلائے مہمان کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ وہی پراسرار

مشرقی۔ میں نے بڑی کوششوں کے بعد اپنے آپ کو اس کی پانہوں سے الگ کیا اور پھر پری کی طرف

دیکھا جو میرے قریب ہی زمین پر مردے کی طرح پڑا ہوا تھا۔

”خدا یا! کہیں مرنے نہیں گیا؟“ پری! میرے دوست! اٹھو۔ اس نکیا کا اثر ایسا زبردست نہیں ہو

لیکن اس نکیہ کا اثر ایسا بڑا دست تھا۔ میں نے پری کے سینے پر اپنا ایک کان رکھ دیا۔ میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ لیکن پری کا دل خاموش تھا اور بدن ٹھنڈا۔

میرے خدا پرستی مڑ چکا ہے اور اس کا قاتل میں تھا۔ کاش میں اسے اپنے ساتھ نہ لایا ہوتا۔

جب میں خاموش بیٹھا بے وقوفوں کی طرح اپنے دوست کے بے جان جسم کو دیکھ رہا تھا تو وہی پراسرار مشرقی آگے بڑھا اور اس نے پری کو چپٹ لایا۔ اپنے دونوں ہاتھ اس کے کندھوں کے نیچے رکھے اور خود پری پر اوندھے منہ لیٹ گیا۔ اس طرح اس کا سینہ پری کے سینے سے لگا ہوا تھا اور پھر اس مشرقی نے اپنے باہر کو نکلے ہوئے گھناؤنے ہونٹ پری کے ہونٹوں پر بٹا دیے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ پری کے بدن میں حیات پھونک رہا تھا۔ کسی کو یقین نہ آئے گا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ مشرقی پری کے مردہ بدن میں حیات پھونک رہا تھا۔ میں وحشت زدہ سا بیٹھا تھا کہ میرے دیکھتے ہی دیکھتے پری کے بدن میں تھر تھری پڑ گئی۔ پھر اس کے اعضا اٹھنے لگے۔ پھر اس پر سبج طاری ہو گیا۔ اس کا جسم لرزہ اور اس نے ایک ایسی مروڑ لی کہ اجنبی اس پر سے لڑھک کر زمین پر آ۔ میں نے جبکہ کر پری کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ اب بھی اس کی حالت اطمینان بخش نہ تھی۔ اس کے چہرے کے نیچے سخت اور آڑے ہوئے تھے۔ جلد کی رنگت زرد تھی۔ اوہ کھلے ہونٹوں میں سے اس کے دانت اور کھلی ہوئی آنکھوں میں سفیدی نظر آرہی تھی جس نے اس کے چہرے کو لرزہ خیز حد تک بھیانک بنا دیا تھا۔

اجنبی نے غالباً میری دلی کیفیت کا اندازہ لگا لیا۔ وہ چند ثانیوں تک مجھے خاموشی سے دیکھتا رہا۔ اور پھر پری کی طرف اشارہ کر کے ہوا۔

”گھبراؤ نہیں۔ لٹھیک ہو جائے گا۔“

”کیسے یقین کر لوں؟“

اجنبی نے جواب دینا مناسب نہ سمجھا۔ وہ جدید سائنس کی ترقیوں کے شکار کے قریب آڑوں بیٹھا اور اپنا ایک ہاتھ پری کے چہرے پر پھیرنے لگا۔ اوپر سے نیچے تک اور پھر نیچے سے اوپر تک۔ اور پھر ایک جیسے جاوے کے اثر سے پری کے چہرے پر سے مروڑنی غائب ہو گئی۔ اس کے چہرے کی ساری کڑخی اور جیت ناک اور مروڑنی غائب ہو گئی۔ اب اس کی آنکھیں بند تھیں اور منہ بھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ گہری پرسکون خند سو رہا ہے۔

”یہ۔۔۔ تم نے چنا مار کر کیا ہے کیا؟“ میں نے پوچھا۔

”اس سے تمہیں کیا؟“ پھر حال تمہارا دوست اچھا ہو جائے گا۔“

اگر یہ بیچنا ٹرم تھا تو مجھے کہنا پڑتا ہے کہ وہ پراسرار مشرقی اپنے فن میں یکتا تھا۔ بارہ سینکڑوں میں اس نے پری کو نہ صرف گویا زندہ کر دیا تھا۔ (بشرطیکہ وہ مردہ ہو) بلکہ اس کے چہرے پر سے موت کے آثار بھی دور کر دیے تھے۔

”تمہارا دوست گہری خند سو رہا ہے۔ جب وہ بیدار ہوگا تو لرزے ہوئے واقعات کو بھلا چکا ہوگا۔“

اسے یہیں سونے دو۔ رات گرم اور ہوا خشک ہے چنانچہ اسے کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔“

جیسا کہ اس اجنبی نے کہا تھا۔ رات گرم اور ہوا خشک تھی۔ چنانچہ اجنبی کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے میں نے پری کو گھنٹن میں ہی سوتا ہوا چھوڑا اور اپنے پراسرار ملاقاتی کے ساتھ فجر بہ گاہ میں آ گیا کہ اس سے گفتگو کر سکوں۔

فجر بہ گاہ کا دروازہ بند تھا۔ پراسرار ملاقاتی دروازے سے ایک یا دو فٹ دور کھڑا تھا اور میں خود کمرے کے بیچ میں کھڑا ہوا تھا اور موقع غنیمت جان کے نور سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ بیشک اجنبی جانتا تھا کہ میں اس کا جائزہ لے رہا تھا تاہم وہ بیڑی ہے پرواہی اور اطمینان سے کھڑا ہوا تھا۔ اس میں تو کوئی شک نہ تھا کہ وہ مشرقی تھا۔ مشرقی ممالک کے متعلق میری معلومات خاصی وسیع ہیں اس کے باوجود میں یہ نہ معلوم کر سکا کہ وہ مشرق کے کون سے حصے سے تعلق رکھتا تھا۔ نہ تو وہ عرب تھا نہ مصر کا ملاح اور نہ ہی وہ مسلمان معلوم ہوتا تھا۔ اس کے چہرے مہرے اور خود اس کی شخصیت میں کوئی خاصی بات تھی جو اسے دنیا کے ہر مسلمان عوام اور مشرقی ممالک کے مسلمانوں سے خصوصاً الگ کر رہی تھی۔

جہاں تک صورت شکل کا تعلق ہے۔ وہ غالباً دنیا کا بد صورت ترین شخص تھا۔ اول تو اس کی چونچ جیسی ناک ہی اسے بد صورت بنانے کے لئے کافی تھی۔ اس کے ہونٹ آگے کی طرف نکلے ہوئے ’موٹے‘ اور بے ڈھنگے تھے۔ ان ہونٹوں کے علاوہ اس کے خدو خال میں چند خصوصیات اتنی نمایاں تھیں جن سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کی رگوں میں گردش کرتے ہوئے خون میں جیشی خون بھی موجود ہے۔ اب رہی اس کی عمر تو اس کے لئے صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے۔ وہ قبل از تاریخ کے ان لوگوں میں سے معلوم ہوتا تھا جن کی طویل عمر کے متعلق عجیب و غریب روایتیں مشہور ہیں۔ یا ان لوگوں میں سے معلوم ہوتا تھا جو صدیوں تک زندہ رہنے کے بعد کسی کافرانہ طریقہ سے اپنے آپ کو پھر جوان کر لیتے ہیں۔ یقین نہیں آتا تھا کہ وہ اتنا ہی عمر ہوگا جتنا کہ وہ نظر آ رہا تھا۔ بلکہ مجھے کچھ شک سا ہوا کہ وہ سرے سے بوڑھا ہے ہی نہیں۔ کیونکہ کسی بھی بوڑھے کی آنکھیں ایسی نہیں ہوتیں جیسی کہ اس کی تھیں۔ اس کی چہرے کوئی گول آنکھیں کسی ایسے جانور یا کبوتر سے کی آنکھوں کی یاد دلا رہی تھیں جس سے میں واقف تھا۔ لیکن اس وقت مجھے یاد نہ آیا کہ ایسی آنکھیں کون سے جانور یا کبوتر سے کی ہوتی ہیں۔ ان آنکھوں میں عجیب طرح کی چمک تھی۔ وہ کسی اندرونی آگ سے سلگتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ ایسی حیوانی چمک میں نے کبھی کسی کی آنکھوں میں نہ دیکھی تھی۔ چنانچہ ایسی آنکھوں کا مالک اور سب کچھ تو ہو سکتا ہے لیکن ملنسار اور مخلص نہیں ہو سکتا۔ مجھے یوں معلوم ہوا جیسے اس کی آنکھیں میری روح کی گہرائیوں میں جھانک کر میرے وہ راز معلوم کر رہی ہیں جن سے میں خود بھی واقف نہ تھا۔ ممکن ہے یہ میرا وہم ہوتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ وہ اجنبی کسی کی طرف بھی چند سینکڑوں تک دیکھتے

رہنے کے بعد اسے بے چین کر سکتا تھا۔

خوش قسمتی سے میں زبردست قوت ارادی اور اپنی اعصاب کا مالک ہوں غالباً اپنی انہی خصوصیات کی وجہ سے میں اپنے آپ کو سنبھال سکا۔ تاہم جب میں نے اس کی آنکھوں کی طرف دیکھا تو مجھے شدت سے احساس ہوا کہ کسی قسم کی ان دیکھی لہریں اس کی آنکھوں میں سے نکل کر خود میری آنکھوں میں داخل ہو رہی تھیں۔

”تمہیں معلوم ہی ہوگا کہ میں یہاں کیوں آیا ہوں؟“ آخر کار اس نے کہا۔

”میری صاف گوئی اگر تمہیں بری معلوم ہو تو مجھے معاف کرنا لیکن میں نہیں جانتا کہ تم یہاں کیوں آئے ہو۔“

”تم اس سے محبت کرتے ہو۔“

میں نے یہ نہ پوچھا کہ میں کس سے محبت کرتا ہوں کیونکہ میں نہ جانتا تھا کہ مارجورے کا پیارا نام اس کی ناپاک زبان ادا کرے۔

”تم اس سے محبت کرتے ہو۔“ اس نے پھر کہا۔ لیکن وہ ”اس“ سے محبت کرتی ہے اور یہ بات اچھی نہیں ہے۔ لیکن اگر تم پسند کرو تو وہ تم سے محبت کرنے لگ جائے اور یہ اچھی بات ہوگی۔“

”اچھا۔ چھا! لیکن یہ تو بتاؤ کہ اس اچھی بات کی تکمیل کس طرح ہوگی؟ یعنی یہ کیسے ہوگا کہ مارجورے کی محبت کا رخ یکا یک ایک سے دوسرے شخص کی طرف ہو جائے گا؟ یہ تو محبت نہ ہوگی گویا مرغ باورنما ہو گیا۔“

”اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دو اور کہو کہ تم چاہتے ہو کہ مارجورے تمہاری ہو جائے اور یقین کرو کہ وہ تمہاری ہو جائے گی۔“

اور ایک قدم آگے بڑھا کے اس نے اپنا دایاں ہاتھ میری طرف بڑھا دیا۔ میں شش و پنج میں پڑ گیا۔ اس مشرقی کی اس حرکت میں کوئی خاص بات تھی جس نے لمحہ بھر کے لئے مجھے محسوس کر دیا۔ دفعۃً مجھے وہ کہانیاں یاد آئیں جن میں کوئی شیطان سے مصالحت کر لیتا ہے اور پھر شیطان ہر برے کام میں اس کی مدد کرتا ہے صرف یہی نہیں بلکہ مجھے احساس ہوا کہ میں شیطان یا کسی شیطانی قوت کے رد و بر و کھڑا ہوں میرے دماغ میں کئی یادیں تازہ ہو گئیں۔ یکا یک اپنے آپ تازہ ہو گئیں اور مجھے احساس ہوا کہ یہ مشرقی مجھے اکسانے کے لئے خود اپنے زور سے میری ان یادوں کو تازہ کر رہا ہے۔ مجھے اس محبت کا خیال آیا جو مجھے مارجورے سے تھی۔ میں بے چین ہو گیا مارجورے کو اپنی آغوش میں لینے کی آرزو میرے دل میں کروٹیں لینے لگی۔ اس کے سرخ ہونٹوں کے کس کیلے میرے ہونٹ پھڑکنے لگے۔ میں نے مشرق کی طرف دیکھا اور فوراً ہی اس کی آنکھوں میں سے ان دیکھی لہریں نکل کر میری آنکھوں میں داخل ہو گئیں اور میرا دماغ جلنے لگا اور اپنے مستقبل کی خوشگوار تصویریں میری آنکھوں کے سامنے ناچنے لگیں اور کسی نے میرے کان میں کہا:

”کیا سوچ رہے ہو؟ یہ ایک نادر موقع ہے مارجورے کو حاصل کرلو۔ حاصل کرلو۔“ اور پھر میں نے

سوچا۔

”کیا بکواس کر رہا ہے یہ شخص؟ کبھی ایسا ہوا ہے؟ ہو سکتا ہے کبھی؟ کیوں نہ اس شخص کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے میں اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیدوں؟ پھر کیا ہوگا یہ کہ یہ شخص کچھ نہ کر سکے گا اور نکل ہو کر پھر میرے پاس کبھی نہ آئے گا۔“

چنانچہ ایک عالم بے خودی میں میں اس کی طرف بڑھا۔ مشرقی کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی۔ لیکن ابھی میں دو قدم بڑھا تھا کہ ایک دم سے ٹھٹھک کر کھڑا ہو گیا۔ دفعۃً مجھے ہوش سا آ گیا۔ میرے دماغ پر چھائی ہوئی دھند کا ایک چھٹ گئی۔ اور میں نے سوچا:

”میں ذلیل اور کمینہ ہوں۔ میں خود غرض ہوں۔ یہ آوارہ گرد بد معاش ایک لڑکی کا نام لے کر مجھے بنا رہا ہے اور میں بن رہا ہوں۔ اسے اس کی جرأت کیونکر ہوتی۔ ہاں کیونکر ہوتی۔“

اور میں چیخا۔

”کمینے۔ بد معاش۔ کیا سمجھ رہا ہے تو نے مجھے؟“

میری دماغی کیفیت میں فوری تغیر ہوا۔ اور میرا جی چاہا کہ میں اس بد معاش کے ناپاک وجود سے دنیا کو پاک کر دوں۔ یہ جذبہ اتنا شدید تھا کہ میں اپنے دونوں ہاتھوں کی ٹھپیاں بھینچ کر اس کی طرف اڑکا۔ فوراً ہی اس مشرقی نے اپنے اس ہاتھ کا وجود جو میری طرف بڑھانے ہوئے تھا رخ بدل دیا۔ اس نے اپنا ہاتھ اٹھا کر میری طرف کر دی جیسے وہ مجھے روکنا چاہتا ہو اور یہ عجیب بات ہے کہ جیسے ہی اس نے یوں کیا میں رک گیا جیسے میرے سامنے آہنی دیوار آگئی ہو۔

ایک لمحہ تک میں حیرت زدہ کھڑا رہا۔ لیکن پھر میں نے سنبھل کر آگے بڑھنے کی کوشش کی تو یہ عجیب انکشاف ہوا کہ میں اپنی جگہ سے بل تک نہ سکتا تھا۔ چند ثانیوں تک میں پیر اٹھانے کی کوشش کرتا رہا۔ اور پھر یہ کوشش بھی نہ کر سکا حقیقت میں میرے پاؤں زمین میں گڑ گئے تھے۔ میں خالی الذہن کھڑا پھٹی پھٹی آنکھوں سے مشرقی کی صورت تک رہا تھا۔ اور پھر مجھے احساس ہوا کہ وہ بد معاش مجھے چپاٹنا نہ کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

میری ریڑھ کی ہڈی میں ٹھنڈی سی لہر دوڑ گئی۔ اگر میں عین وقت پر سنبھل نہ گیا ہوتا تو خدا جانے کیا ہوتا۔ میں نے اپنے پر اسرار ملاقاتی کی قوتوں کا اندازہ لگانے میں سخت غلطی کی تھی۔ وہ حیرت انگیز اور ناقابل یقین قوتوں کا مالک تھا یقیناً وہ اپنے فن کا استاد تھا۔

میرا خیال ہے کہ اس نے یقین کر لیا تھا کہ اب میں پوری طرح اس کے اختیار میں ہوں۔ چنانچہ جب میں کوشش کر کے پیچھے ہٹا اور میز سے ٹیک لگا کے کھڑا ہو گیا تو میرا خیال ہے کہ میں نے اسے کانپتے دیکھا۔ اسے غالباً اس بات پر غصہ آ گیا تھا کہ میں اب تک آپ اپنی مرضی کا مالک تھا۔ میں خاموش تھا۔ بڑی کوششوں کے بعد میں اپنے حواس میں آ سکا اور میں نے فیصلہ کیا کہ اب میں اپنی قوتوں کا مظاہرہ کر کے اسے دکھا دوں گا کہ اس کا سابقہ کسی ایسے ویسے شخص سے نہیں پڑا۔

”دوست! پھر کبھی مجھ پر اپنی شعبہ بازی آزمانے کی کوشش نہ کرنا“ میں نے کہا۔

تھا تو میں نے اپنے ان جذبات کا اظہار نہ کیا تھا۔ اس کے برخلاف مشرقی اپنے جذبات کو چھپانے کا تھا اور یہ واقعی عجیب بات تھی کہ وہ شخص جو ایسی زبردست اور غیر معمولی قوتوں کا مالک ہو کہ محض ہاتھ اٹھا کے میرے سامنے نظر نہ آنے والی آہنی دیوار پیدا کر کے مجھے روک دے۔ وہی شخص ایک شعلے کو دلچسپ کے یوں خوفزدہ ہو جائے اور گھبرا جائے کہ اپنے آپ کو میری غلامی میں دے دے یہ واقعی عجیب اور قابل غور بات تھی۔ لیکن یہ غور کرنے اور حیران ہونے کا وقت نہ تھا۔

”بس۔ اٹھو“ میں گرجا۔

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اور اب میں بڑی دلچسپی سے اپنے اس پراسرار غلام کا جائزہ لے رہا تھا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ میں نظر بندی کا شکار ہو گیا تھا یا کوئی اور بات تھی لیکن یہ حقیقت تھی کہ وہ میرے سامنے سے بچ چکا تھا۔ عجیب ہو گیا تھا۔ اگر یہ نظر بندی یا شعبہ تھا تو کس قسم کا تھا؟ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ وہ غائب ہو گیا تھا۔ لیکن کس طرح؟ کون سی قوتیں تھیں اس کے پاس؟ اور اگر واقعی وہ ایسی زبردست قوتوں کا مالک تھا کہ اپنے آپ کو غائب کر سکتا تھا تو ایک شعلے کو دلچسپ کر کیوں سہم گیا تھا؟ اور وہ کیا چیز تھی جو اس کے غائب ہونے کے بعد فرش پر پڑی تڑپ رہی تھی؟

اس اثنا میں وہ خاموش اور شکست خوردہ سا کھڑا تھا۔ اس کی گردن ہلکی ہوئی۔ نظر فرش پر جمی ہوئی۔ اور دونوں ہاتھ سینے پر بندھے ہوئے تھے۔ مجھے یاد آیا کہ قدیم مصر کی تصویروں میں فرعون کے ہاتھ اسی طرح سینے پر رکھے ہوئے ہیں اور یہ کہ مصر قدیم کی خطوط شدہ لاشوں کے ہاتھ بھی اسی طرح سینے پر رکھے ہوئے ہیں۔ میں نے موقع غنیمت جان کے اس سے چند سوالات پوچھنے کا فیصلہ کیا کہ اس کی پراسرار شخصیت کے متعلق کچھ باتیں معلوم کر سکوں۔

”دیکھو! میں تم سے چند سوالات پوچھنا چاہ رہا ہوں اگر تم نے صحیح جواب دے تو میں تمہیں بخش دوں گا۔ ورنہ تم جانو میں زبردست قوتوں کا مالک ہوں۔“

”پوچھئے میرے آقا۔“

”تمہارا نام سے تم کیا چاہتے ہو؟“

”انتقام۔“

”کیا مطلب؟“

”میں اس سے انتقام لینا چاہتا ہوں۔“

”کس بات کا انتقام لینا چاہتے ہو تم اس سے؟“

”ایک بے گناہ کے خون کا۔“

”صاف صاف کہو۔“

”اس کے ہاتھ میرے ایک عزیز کے خون میں رنگے ہوئے ہیں۔ اس کا خون بے انتقام پڑا ہے۔“

”کس کا خون کیا ہے اس نے؟“

”میں کہہ چکا ہوں کہ میرے ایک عزیز کا۔“

”کیسی شعبہ بازی؟“

”مکومت۔ اگر تم جادوگر ہو تو میں جادوگر کا باپ ہوں۔ چشم زدن میں تمہیں جلا کر خاک کر دوں گا۔“

میرے چہچہے بجلی کی ایک مشین تھی جو اٹھ انچ کا تیز تند شعلہ اگتی تھی۔ اس مشین کو چلانے کا میں اسی میز کے کونے پر تھا جس کا سہارا لئے میں کھڑا ہوا تھا۔ اپنی جگہ سے ہلے بغیر میں اپنا ہاتھ اس مین تک پہنچا سکتا تھا۔ چنانچہ مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ میں اپنی دھمکی کو زوردار بنانے کے لئے اس مشین کو چلا دوں چنانچہ میں نے ہاتھ بڑھا کے مین دبایا۔ فوراً ہی مشین نے بجلی کا سرخ و سفید شعلہ اگلا جو بجلی کے کوندے کی طرح مشرقی کی طرف لپکا۔ اس شعلے کو دیکھتے ہی مشرقی کی جو حالت ہو گئی وہ خلاف توقع تھی۔ اس کے بشر سے انتہائی خوف کے آثار ہویدہ ہوئے۔ وہ شعلے کے سامنے سجدہ میں گر گیا۔ پھر اٹھا اور کمر تک جھک کر سلام پر سلام کرنے لگا۔

”رحم۔ میرے آقا۔ رحم۔“

میں اس کے اس فوری تغیر پر حیران تھا۔ تاہم میں نے موقع غنیمت سمجھا اور لڑک کے کہا۔

آئندہ سے ہوشیار رہنا۔ تم اپنے آپ کو بڑا جادوگر سمجھتے ہو۔ لیکن اب تمہیں معلوم ہوئی گیا ہو گا کہ میں بھی کچھ کم نہیں ہوں۔ اس وقت تو تم میرے اختیار میں ہو۔ کیونکہ اس کمرے میں جہاں میرے جادو کا ہر سامان موجود ہے اور ایسا جادوگر ہوں کہ تم جیسے ہزاروں سے ناک درگزر سکتا ہوں۔

دیکھو۔ اور دیکھو۔

میں نے الماری میں سے پتلی نکالی اس کا ڈالٹ کھولا اور آتش گیر مادے کے چند قطرے فرش پر پڑا دیئے۔ فوراً ہی نیلے نیلے شعلے بھڑک اٹھے اور ساتھ ہی اندھا کر دینے والا دھواں کمرے میں پھیل گیا۔ ساٹھس دانوں نے سمجھ لیا ہو گا کہ اس بوتل میں فاسفورس پرومائیڈ کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ لیکن اس معمولی چیز نے میرے پراسرار ملاقائی پر عجیب اثر کیا۔ اگر میری آنکھیں اور میرے کانوں نے مجھے دھوکا نہیں دیا تو میں نے دیکھا کہ فاسفورس کے شعلوں کو دیکھتے ہی وہ مشرقی انتہائی خوف کے عالم میں نہایت زور سے چیخا اور یکایک غائب ہو گیا۔ کیسے کہاں اور کس طرح یہ میں نہیں کہہ سکتا لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ جیسے ہوا میں تحلیل ہو گیا تھا۔ کیونکہ کمرے میں کہیں نظر نہ آ رہا تھا۔ وہ میرے دیکھتے ہی دیکھتے غائب ہو گیا تھا۔ البتہ وہ جہاں کھڑا تھا میں اس کی جگہ کوئی چھوٹی سی چیز فرش پر پڑی اضطراب اور بے چینی کے عالم میں ایٹھ اور تڑپ رہی تھی۔ ایک عجیب بات یہ ہوئی کہ مشرقی کے غائب ہوتے ہی نہ صرف فاسفورس کے شعلے بلکہ تجربہ گاہ کی بقیان بھی اپنے آپ مدھم مدھم ہو گئیں۔ اور اس سے پہلے کہ میں آگے بڑھ کے فرش پر تڑپتی ہوئی اس چیز کی طرف دیکھتا ہوں پھر جل اٹھیں۔ فاسفورس کے شعلے مدھم مدھم ہو کر بجھ گئے اور میں نے حیرت سے دیکھا کہ میرا پراسرار ملاقائی پھر آمو جو ہو ہوا تھا اور گھٹنوں کے بل بیٹھا بار بار اپنا ہاتھ زمین پر ٹیک رہا تھا۔

”میرے آقا۔ میرے آقا۔ وہ گڑ گڑایا۔“ مجھ پر رحم کرو۔ میں تمہارا غلام ہوں۔“

”بے شک تم میرے غلام ہو۔“ میں نے لڑک کر کہا حالانکہ خود میرے دل کا خدا ہی حافظ تھا۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ اس وقت وہ مشرقی زیادہ خوفزدہ اور گھبراہٹا ہوا تھا کہ میں۔ اور اگر میں زیادہ خوفزدہ اور گھبراہٹا ہوا

”میرا مطلب کون تھا وہ؟“

”یہ میں نہیں بتا سکتا۔“

”تو گویا تم میرے اس سوال کا جواب نہ دو گے۔ بہت اچھا میں پھر اپنا جادو استعمال کرتا ہوں۔“

اور میں نے دیکھا کہ وہ کانپ رہا ہے۔ ”رحم کرو میرے آقا“

”تو بتاؤ پھر اس نے کس کا خون کیا ہے؟“

”اس کا جسے لسنکھام نے اپنے سینے سے لگایا تھا جس کے ساتھ وہ کئی راتوں تک سویا تھا۔“

میں دم بخود رہ گیا جو اس شخص نے کہا اس میں ذرا بھی ابہام نہ تھا بات صاف تھی۔ اس کے الفاظ ایک معمولی سے مشرقی رومان کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔ حالانکہ یہ بات ناقابل یقین تھی۔ اس رومان کا ہیرو لسنکھام تھا۔ جو غالباً اس مشرقی کی بہن یا شاہد اس کی بیٹی کے ساتھ کئی راتیں گزار چکا تھا۔ ممکن ہے یوں ہو۔ لیکن یہ تو پھر ناممکن تھا کہ لسنکھام اس لڑکی کا خون کر کے بھاگ آیا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ خون بہانے کے بخاورے کو مشرقی نے کسی دوسرے ہی معنی میں استعمال کیا ہو۔

”دیکھو! خون کرنا یا خون بہانا ایک بخاورہ ہے جو وسیع و مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے اگر تمہارا مطلب یہ ہے کہ لسنکھام کسی کو قتل کر کے بھاگ آیا ہے تو تمہارے انتقام کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ قانون کا دروازہ کھٹکنا ہو۔“

”انگریزوں کے قانون سے مجھے کیا تعلق؟“

”اگر تم ثابت کر دو کہ لسنکھام مجرم ہے تو تم دیکھو گے کہ انگریزوں کا قانون تمہاری مدد کرے گا۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ قانون کسی کا بھی خیال نہیں کرتا خواہ وہ شہرت یافتہ سیاست دان ہی کیوں نہ ہو۔ ثابت کر دو کہ لسنکھام مجرم ہے اور پھر تم دیکھو گے کہ قانون لسنکھام کو بھی اسی طرح پھانسی پر لٹکا دے گا جس طرح کہ کسی ایرے غیرے کو لٹکا دیا جاتا ہے۔“

”سچ کہتے ہو؟“

”ہاں سچ کہتا ہوں۔“

وہ اپنے سامنے کسی چیز کو دیکھ رہا تھا۔ وہاں مجھے تو کچھ نظر نہ آیا لیکن یقیناً اسے کچھ نظر آ رہا تھا۔ کیونکہ اب اس کی آنکھوں میں ایسی چمک آئی تھی جسے دیکھ کے شیطان بھی شرم جائے۔

”اور اس کی عزت و شہرت خاک میں ملے جائے گی؟“ اس نے پوچھا۔

”بے شک۔“

”سب کے سامنے؟“

”ہاں۔“

عورتوں کے بھی سامنے اسے ذلیل کیا جائے گا؟“

”ہاں۔“

”اور پھر پھانسی پر لٹکا دیا جائے گا؟“

”بے شک بشرطیکہ وہ خونی ہو۔“

اس کا چہرہ ابلیدسا نہ خوشی سے دھکنے لگا اور اس دمک نے اسے اور بھی زیادہ بھیا تک بنا دیا۔

”ابھی نہیں۔ یہ تو آخری حربہ ہے۔ آخری۔“

اس نے اپنی آنکھیں پوری طرح کھول دیں۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ کسی بھی شخص کی آنکھیں اس حد تک پھیل سکتی ہیں اور پھر اس نے آنکھیں زور سے پھینچ لیں جیسے اس تصویر کو محفوظ کر لینا چاہتا ہو جو اس کا تصور اسے دکھا رہا تھا۔ اس نے پھر آنکھیں کھول دیں۔

”ابھی نہیں۔ ابھی نہیں۔“ وہ بولا۔ ”ابھی تو میں اپنے طور پر انتقام لوں گا“ جانتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ انتقام لینے والا آ گیا ہے۔ وہ بے چین ہے وہ گھبرایا ہوا ہے۔ وہ اپنے سامنے والے کو دیکھ رہا ہے اور جانتا ہے کہ کیسی موت ہے یہ اور بہت جلد اسے معلوم ہو جائے گا کہ وہ کسی طرح اور کسی حال میں اپنے آپ کو نہیں بچا سکتا۔ فرار ناممکن ہے اور وہ وقت دور نہیں جب سورج اس کے لئے نہ چمکے گا۔ دہشت اسے رات اور دن میں ستاتی رہے گی۔ نیند میں اور جاگتے ہیں۔ وہ جس طرف بھی دیکھے گا اسے وہی نظر آئے گی اور وہ جان لے گا کہ موت آ رہی ہے۔ تکلیف وہ اور ہیبت ناک موت۔ میں اس پر موت لے آؤں گا۔ ہاں میں۔“

وہ پورا شیطان نظر آ رہا تھا اس وقت۔ چنانچہ اسے اس عالم میں دیکھ کے میں خود ڈر گیا۔ میں نے مشین کا مشن دہرایا۔ فوراً ہی اس نے شعلہ لگا اور اسے دیکھتے ہی مشین کا پھٹنے لگا۔

”یہ بتاؤ کس کا غدر پڑی ہوئی ایک کیزے کی تصویر نے لسنکھام کو کیوں سہا دیا تھا؟“

”یہ تو اسی سے پوچھو میرے آقا۔“

”اس سے تو خیر میں بعد میں پوچھ لوں گا کافی الحال تو تم سے پوچھ رہا ہوں۔ چنانچہ جواب دو ورنہ تیار ہو جاؤ۔“

مشین آگ اگل رہی تھی اور مشرقی نہایت خوف اور اضطراب کے عالم میں اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ سنبھلا اس نے ایک جھرجھری سی لی اور خلاف توقع اپنے خوف پر قابو حاصل کر لیا اور اب وہ سینہ تانے کھڑا تھا۔

”میں دیوی ایزبس کی اولاد ہوں۔“

اور میں نے دیکھا کہ یہ اعلان اس نے مجھے مرعوب کرنے کے لئے نہیں بلکہ خود اپنی ہمت بندھانے کے لئے کیا تھا۔

”اچھا! تو پھر مجھے کہنا پڑتا ہے کہ حسن کی اس دیوی نے ایک گھناؤنے بد شکل اور بد معاش بھوت کو جنم دیا ہے۔“

اور اب وہ بولا تو اس کی آواز میں بجلی کی سی لڑک تھی۔

”خاموش۔ بہت آگے نہ بڑھو اور اپنی حیثیت نہ بھولو۔ تم نہیں جانتے کہ کیا کہہ رہے ہو۔ میں نہیں

خبردار کئے دیتا ہوں۔ ہو شیہر ہو جاؤ مباد تمہارا بھی وہی حشر ہو جو لسنکھام کا ہوا ہے اور ہونے والا ہے۔“

”یہ مجھے کس سے خبردار کیا جا رہا ہے؟ کس سے ڈرایا جا رہا ہے مجھے؟“
 ”بھونرے سے“
 ”بھونرے سے؟“
 ”ہاں۔ بھونرے۔ آ۔ آ۔“

وہ مجھ سے صرف دس فٹ دور کھڑا ہوا تھا اور کمرہ روشن تھا چنانچہ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس وقت میرے سامنے جو کچھ ہوا وہ میرا وہم تھا یا میری آنکھوں نے مجھے دھوکا دیا تھا۔ جب اس نے کہا ”بھونرے“ تو دفعۃً وہ غائب ہو گیا یا یوں کہئے کہ اس نے اپنا روپ بدل لیا۔ میری نظر کے سامنے اپنا روپ بدلا اور مجھے یقین ہے کہ جو کچھ ہوا وہ حقیقت تھی۔

اس کا گندہ جبہ لگا ایک اس کے جسم پر سے پھسل کر فرش کی طرف چلا اور جب وہ پھسل رہا تھا تو اس نے بے میں سے ایک خوفناک چیز نمودار ہو رہی تھی۔ ایک دیو قامت زبردست بھونرے۔ وہ مشرقی وہاں نہ تھا۔ اس کی جگہ بھونرے تھا۔ جس کا قد مشرقی کے قد جتنا ہی تھا اور وہ اپنی دم پر اس طرح کھڑا ہوا تھا کہ اس کی گھٹناؤں ناٹکیں میری طرف بڑھی ہوئی تھیں۔ دوسرے ہی لمحہ وہ بھونرے اس کے لگا اور اتنی تیزی سے کہ وہ بی سینڈ بعد میرے سامنے مشرقی کا جبہ پڑا ہوا تھا اور اس پر بھونرے کی نسل کا ایک عجیب نمونہ بیٹھا ہوا تھا۔ غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ وہ تھا تو بھونرے لیکن ایک نرالی اور ناپید نسل کا۔ یہ بھونرے کوئی چھ یا سات اونچا اور کوئی ایک فٹ لمبا تھا۔ اس کا فلس نیلا اور چمکدار تھا۔ اس کے چمکدار جسم سے دو نہایت ہی چمکدار بازو جڑے ہوئے تھے۔ اور ان کا جوڑ صاف طور سے دیکھا جاسکتا تھا اور چونکہ اس کے بازو مل رہے تھے اس لئے میں اس بھونرے کے اڑنے کا منتظر تھا۔

چند لمحوں تک یا خدا جانے کتنی دیر تک میں بت بنا کھڑا رہا۔ میں قدیم مصریوں کی اس روایت سے واقف تھا کہ ایک دفعہ دیوی ایزبس بھونرے کے روپ میں ظاہر ہوئی تھی اور چونکہ یہ دیوی لافانی تصور کی جاتی ہے۔ اس لئے مصریوں کا اعتقاد تھا کہ دنیا سے روپوش ہو جانے کے بعد دیوی ایزبس تاقیامت تک بھونرے کے روپ میں جنم لیتی رہے گی۔ لیکن یہ جو میرے سامنے ہوا تھا روایت نہ تھی۔ بلکہ حقیقت تھی۔ خود میں نے اس مشرقی کو بھونرے کا روپ اختیار کرتے دیکھا تھا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ انسان سے بھونرے بن گیا تھا اور اب وہ بھونرے بنے پر بیٹھا۔ اپنے بازو ہلا رہا تھا۔ یہ ایک عجیب اور حیرت انگیز تاقابل یقین انکشاف ہوا تھا۔

بہت جلد میری حیرت دور ہو گئی اور میں اس محقق کی طرح محسوس کرنے لگا جس نے اتفاقاً ایک نظریے کا کھوج لگا لیا ہو۔ اس حیرت انگیز اتفاق سے فائدہ اٹھانے کے لئے مجھے اپنی تمام تر ذہنی قوتوں کو بروئے کار لے آنا تھا۔ میں تنگیوں سے اس بھونرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ بے شک وہ بھونرے تھا۔ البتہ قد و قامت میں عام بھونرے سے بڑا۔ حجابی جسم بڑا سا ہلکا ہوا فلس دوسری بات یہ کہ اس کے سر اور حلقوں کی ساخت سے پتہ چلتا تھا کہ وہ نہ نہیں یاد ہے اس کی آنکھیں غیر معمولی طور پر بڑی اور زیادہ نمایاں تھیں۔ اس کے علاوہ ان میں عجیب چمک تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ سلگ رہی ہوں اور سب سے

بڑی بات کو یہ کہ بھونرے کی آنکھیں اس پر اسرار مشرقی کی آنکھوں سے مشابہ تھیں جواب وہاں نہ تھا۔ اس کیڑے میں گرگٹ کی بھی خصوصیت تھی۔ یعنی وہ اپنا رنگ بدل سکتا تھا۔ کبھی تو اس کا رنگ گہرا ہو جاتا تھا اور کبھی ہلکا۔ جبے پر بیٹھا ہوا بھونرے بہت زیادہ بے چین اور مضطرب معلوم ہوتا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ میرا اس کی طرف دیکھنا اسے پسند نہ تھا۔ میں جتنے زیادہ غور سے اس کی طرف دیکھتا وہ اتنا ہی بے چین اور مضطرب معلوم ہوتا۔ چنانچہ اس کے اضطراب نے مجھے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ وہ کوئی دم میں اڑنے والا ہے۔ اس عرصہ میں میں اس عجیب بھونرے کو پکڑنے کے مسئلے پر غور کرتا رہا تھا۔ پہلے تو مجھے اسے ختم کر دینے کا خیال آیا اور میرے گرد ایسی بہت سی چیزیں پڑی تھیں جن میں سے کسی ایک کے ذریعے میں اس کا خاتمہ کر سکتا تھا۔ لیکن پھر اسے زندہ پکڑنے کی ایک ترکیب میری سمجھ میں آگئی اور وہ یہ کہ ٹین کا وہ کنسترو جو میرے قریب ہی فرش پر پڑا تھا۔ اس بھونرے پر اوں دھاووں۔ چنانچہ میں آہستہ آہستہ اس کنسترو کی طرف بڑھا۔ لیکن اپنی نظر اس چمکدار عجوبے پر جمائے رکھی جیسے ہی میں آگے بڑھا کہ بھونرے کا اضطراب بڑھ گیا۔ وہ سر سے دم تک تھر تھرا رہا تھا۔ اس نے اپنے بازو پھیلا دیے۔ جیسے آخر کار اس نے اڑنے کا فیصلہ کر لیا ہو۔ میں نے جلدی سے جبکہ کنسترو اٹھایا اور بھونرے کی طرف لپکا۔ بھونرے نے بازو پھیلا دیے۔ شاید اڑنے کے لئے لیکن اب وقت گزر چکا تھا اس سے پہلے کہ وہ ایک اونچے بھی اوپر اٹھتا۔ کنسترو اس پر ڈھانک چکا تھا۔

لیکن کنسترو اس پر صرف ایک لمحہ رہا۔ غلت میں میں اپنا توازن کھو بیٹھا اور اپنے آپ کو فرش پر اوں دھ سے منہ کرنے سے بچانے کے لئے کنسترو پر سے ہاتھ ہٹانے پر مجبور ہو گیا۔ اس سے پہلے کہ میں دوبارہ کنسترو پر ہاتھ رکھتا وہ اڑ کے دور جا پڑا اور مجھ سے صرف اٹھارہ انچ کے فاصلے پر وہ بھونرے اچھوٹنے لگا۔ پھولتا ہی چلا گیا یہاں تک کہ اس کا قد آدمی کے قد جتنا ہو گیا اور دوسرے ہی لمحہ میرا مشرقی ملاقاتی میرے سامنے بالکل برعکس کھڑا تھا۔ اس کی اس برہنگی سے ایک چونکا دینے والا انکشاف ہوا۔ اس مشرقی کی جنس کے متعلق میں نے سخت دھوکا کھایا تھا۔ وہ مرد نہ تھا۔ وہ عورت تھی۔ اور میں نے دیکھا کہ وہ عورت جوان تھی۔ اس کی جلد سفید اور بے داغ تھی۔

میں دم بخود کھڑا تھا۔ اگر میری جگہ دنیا کا ہوشیار ترین سائنسدان ہوتا تو وہ بھی اپنے حواس قائم نہ رکھ سکتا۔ میں نہ صرف حواس کھو بیٹھا بلکہ مارے حیرت کے میں نے اپنا سانس روک لیا تھا۔ میں آنکھیں پھاڑے اس عورت کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جس کا جسم جوان اور جلد کی رنگت دودھ کی طرح تھی اس عورت نے جبکہ کراپنا جب اٹھایا۔ جلدی جلدی اپنے سذول و سفید جسم کے گرد لپیٹا اور اس دروازے کی طرف بڑھی جو حن میں کھلتا تھا۔ اب میں سمجھا وہ عورت فرار ہو رہی تھی۔

”ٹھہر“ میں اس کی طرف بڑھا۔ لیکن وہ مجھ سے زیادہ تیز ثابت ہوئی۔ اس سے پہلے کہ میں اس کے قریب پہنچتا وہ دروازہ کھول کر نکل چکی تھی۔ باہر نکلنے کے بعد اس نے دروازہ بند کر دیا۔ اپنی گھبراہٹ میں میں نے کئی دفعہ دروازے کی پتلی کو مڑا تب کہیں جا کر اسے کھول۔ کا۔ میں باہر آ گیا اور میرا خیال ہے کہ میں نے ایک سائے کو حن

میں چند تانیوں تک لفظ بدھو پر غور کرتا اور سوچتا رہا کہ میں اس خطاب کا کہاں تک مستحق ہوں پھر اس سے کہہ سکتی کہ ایک آدھ پیگ پی لینا مناسب ہوگا میں واپس تجربہ گاہ کی طرف جا رہا تھا کہ ایک بھٹی دوروازے کے سامنے آکر رکی اس میں سے مار جودے کے بڑے گوارا ترے۔

”نہیں اس نے چھی ہوئی اور غیر انسانی آواز میں کہا پال لستکھام۔ میں چونکی اور چونکنے کی بات بھی تھی۔ ایک انجی نے چھنی ہوئی اور عجیب آواز میں اس شخص کا نام لیا تھا جو مجھے دنیا کی ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے چونکہ نہ میں صرف چونکی بلکہ وحشت زدہ بھی ہو گئی۔ پولیس کے اس آدمی نے جو وہاں کھڑا ہوا تھا مجھ سے کہا عجیب بات ہے یہ پہلی دفعہ اس نے زبان کھولی ہے میں تو اسے مردہ تصور کر چکا تھا اور اس نے دوسری دفعہ بھی زبان کھولی۔ اس کا چہرہ بگڑ گیا۔ اس کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا اور اس نے اونچی آواز میں عجیب بات کہی مجھے یقین ہے کہ اس کی آواز سڑک کے آخری سرے تک پہنچی ہوگی۔ اس نے کہا۔

”ہوشیار پال لستکھام ہوشیار ہوشیار۔“
”تم ہنسو گے مجھ پر لیکن میں بیان نہیں کر سکتی۔ اس کی پھٹی ہوئی آواز اور اس کے لفظوں نے مجھ پر کیسا اثر کیا۔ خیر تو قصہ مختصر میں اسے اپنے گھر اٹھوا لائی میں نے اس کے بدن پر سے دھول اور خون صاف کیا اور اسے ہسپتال لے آیا۔ ساتھ ہی ڈاکٹر کو بلانے کے لئے آدمی دوڑایا۔ ڈاکٹر صاحب آگے انہوں نے مریض کا معائنہ کیا۔ لیکن اس کے مرض کی تشخیص نہ کر سکے۔ تاہم انہوں نے کہا کہ غالباً سکتے کامریض ہے لیکن اس پر سکتے کو کوئی قسم طاری ہے اور کیوں طاری ہے یہ وہ نہ بتا سکے۔ ان کے پاس یہ ایک انوکھا اور بے حد دلچسپ کیس تھا۔

”تم نے اپنے والد صاحب کو تو مطلع کر دیا ہوگا کہ ان کے گھر کے افراد میں ایک کا اضافہ ہوا ہے“ میں نے کہا۔

مارجورے نے عجیب نظروں سے میری طرف دیکھا۔
”کیسی باتیں کرتے ہو سڈنی تم تو جانتے ہو ابا کو اور جب کسی کا باپ ایسا ہوتا ہے بہت سی باتیں اپنے ضدی اور خود رائے باپ سے چھپائی پڑتی ہیں۔

اپنی ہی بیٹی کے منہ سے اپنی شان میں ایسے شاندار الفاظ سن کر پردے کے پیچھے چھپے ہوئے بڑے میاں کی کیا حالت ہو گئی ہوگی۔ اس کا تصور آپ کر سکتے ہیں اور جب میں نے ان کی حالت کو تصور کیا تو میں بڑی کوششوں کے بعد اپنی ہنسی روک سکا۔

گزشتہ رات میں تھوڑی دیر تک ابا کے پاس بیٹھی رہی اور پھر ان سے رخصت ہو کر مریض کے پاس پہنچی۔ مجھ سے کہا گیا کہ اس نے شوق کچھ کھایا ہی ہے اور نہ پیا ہے۔

چنانچہ سب سے پہلے تو میں اسے کچھ کھلانے پلانے کے بارے میں سوچنے لگی۔

دفعۃً مجھے احساس ہو گیا تھا کہ پال کو کوئی ان دیکھا گمرز بردست خطرہ لاحق ہے میں نہیں جانتی کہ یہ خطرہ کس قسم کا ہے اور کس طرف سے ہے تاہم اتنا تو مجھے احساس تھا کہ یہ خطرہ بے حد بھیانک ہے میں نے

”سڈنی! وہ چلائی۔“ شکر ہے کہ تم موجود ہو!۔“

چند لمحوں تک خاموشی کا وقار ہانچ رہا ہوں۔

”میں نے کہا تھا کہ جب مجھ پر کوئی مصیبت آئے گی تو میں تمہارے پاس دوڑی آؤں گی۔ اور میں ایک مصیبت میں پھنس گئی ہوں۔ عجیب و غریب مصیبت ہے۔“

مارجورے پتہ نہیں کون سی مصیبت میں پھنس گئی تھی۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں خود ایک مصیبت اور الجھن میں پھنس گیا تھا۔ میں جانتا تھا کہ پردے کے پیچھے مسٹر لنڈن ہمہ تن گوش بنے کھڑے تھے اور مارجورے ان کی مصیبت سے بے خبر تھی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ مارجورے کس مصیبت میں پھنس گئی تھی۔ لیکن اس کا مجھے یقین تھا کہ وہ اپنے والد کی موجودگی سے بے خبر تھی۔ اس لئے وہ باتیں بھی کھڈالنے کی جو مسٹر لنڈن کے کانوں کے لئے تھیں۔ چنانچہ مجھے مناسب معلوم ہوا کہ مارجورے کو وہاں سے بتائے جاتا اس طرح میں بڑے میاں کو بڑی آسانی سے غپ وے سکتا تھا اس میں کوئی شک نہیں کہ میری یہ حرکت انہیں مجھ سے خفا کر دیتی اور بعد میں وہ مجھے خوب لعنت ملا مت کرتے لیکن میں ان کا غصہ دور کر سکتا تھا۔

”مارجورے“ میں نے کہا ”آؤ وہ سرے کمرے میں چلیں وہاں ہم اطمینان سے گفتگو کریں گے۔“

”نہیں۔“ مجھے جو کچھ کہنا ہے اسی جگہ کہوں گی“ اس نے چاروں طرف دیکھا اس کی یہ حرکت مجھے عجیب معلوم ہوئی۔ ”میری کہانی عجیب و غریب ہے اور اسے بیان کرنے کے لئے یہی کمرہ مناسب ہے کیونکہ یہ خاموشی اور پراسرار معلوم ہوتا ہے اور میری کہانی بھی کچھ ایسی ہی ہے۔“

”لیکن وہ لیکن رکھو اپنے پاس اور سنو۔ کل صبح ناشتہ کرنے سے پہلے۔ یہ آنکھ نو بجے کا واقعہ ہے

ہاں تو کل صبح ناشتہ کرنے سے پہلے میں اپنے کمرے کی کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی۔ اور میں نے دیکھا کہ سڑک پر بہت سے لوگ جمع تھے شوق بحس سے مجبور ہو کر میں نے ملیر کو واقعہ معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ اس نے واپس آ کر بتایا کہ سڑک پر ایک آدمی پر کسی مرض کا دورہ پڑ گیا ہے۔ اس شخص کو دیکھنے کے لئے میں خود سڑک پر پہنچ گئی۔ وہاں سڑک پر ایک آدمی پڑا ہوا تھا جو عجیب طرح کا جبہ پہنے ہوئے تھا اور جبہ میں وہ ہتھ اور پہنے ہوئے تھا۔ یعنی برہنہ تھا وہ بیچارہ دھول کچڑ اور خون میں لت پت تھا۔ بڑا ہی رحم انگیز منظر تھا۔ تم تو جانتے ہی ہو کہ میں نے فوری علاج کی تعلیم حاصل کی ہے وہ لوگ جو اسے گھیرے ہوئے تھے آپس میں رائے زنی کے علاوہ اور کچھ نہ کر رہے تھے۔ اور نہ ہی انہوں نے ڈاکٹر کو بلایا تھا اس لئے مجھے مناسب معلوم ہوا کہ میں اس بیچارے کو ایک نظر دیکھ لوں چنانچہ میں اس کے قریب آ کر لوں بیٹھ گئی۔ جانتے دیا کہ اس نے؟ ظاہر ہے تمہارا شکر یہ ادا کیا ہوگا۔

قرب سے کتنی گھبراتی تھی۔ خیر تو جیسے ہی میں بستر میں لیٹی مجھے احساس ہوا کہ اسی قسم کی کوئی چیز میرے کمرے میں موجود ہے۔
”کس قسم کی چیز؟“

”ایک ایک طرح کی چیز۔ کسی قسم کا جھوڑا۔ میں۔ میں اس کے بازوؤں کی گھڑا ہٹ اور خود اس کی جھنڈا ہٹ بخوبی سن رہی تھی۔ وہ میں میرے سر پر منڈلا رہا تھا اور مجھے احساس ہوا کہ وہ میرے قریب آ رہا تھا۔ سنڈی وہ میرے قریب آ رہا تھا میں نے لرز کر اپنے آپ کو چھپا لیا۔“

”یعنی یہ کہ میں نے سر سے پاؤں تک لٹاف اوڑھ لیا۔ اور وہ۔ وہ جھوڑا لٹاف سے ٹکرانے لگا۔ ٹھپ۔ مسلسل ٹکرانے لگا۔ میں۔ میں اس کے ٹکرانے کی آواز سن رہی تھی۔ اور۔ اور۔ اور پھر سنڈی۔“

وہ آگے بڑھی اور مجھ سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کا چہرہ ہلدی ہو رہا تھا اور اس کی آنکھیں خوف سے جھیل جاتی تھیں۔

اور۔ اور۔ پھر سنڈی وہ اندر کھس آیا۔ ہاں لٹاف میں وہ کاٹنے لگی۔

”مار جور ہے۔“

”ہاں سنڈی وہ میرے بستر میں گھس آیا۔“

”وہ ہم ہوگا تمہارا۔“

”نہیں وہ میرا وہم نہ تھا۔ میں اسے لٹاف پر لیسر لیسر دیتے سن رہی تھی یہاں تک کہ اسے اندر کھس آنے کا راستہ مل گیا۔ شاید لٹاف کا کوئی کونہ کہیں سے اٹھا ہوا تھا اندر کھس آیا۔ پھر میرے بدن پر پڑنے لگا۔ اس کی ٹانگوں کی چھین میں اپنی جلد پر محسوس کر رہی تھی اور پھر خدا یا وہ میرے منہ پر بیٹھا ہوا تھا وہ۔ وہ میرا منہ بچھ رہا تھا اور۔ اور اب وہ وہاں ہے۔“

”کہاں۔“

اس نے اپنا ہاتھ اٹھا کر سامنے کی طرف اشارہ کیا۔

”وہاں۔ کیا تم اس کی جھنڈا ہٹ نہیں سن رہے؟“

وہ کان لگا کے سننے لگی میں بھی۔ سننے لگا۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ فوراً ہی کسی کیڑے کی جھنڈا ہٹ غالباً جھوڑے کی جھنڈا ہٹ کمرے کی فضا میں تیرنے لگی۔

یہ تو کبھی ہے جو کھلی ہوئی کھڑکی میں سے اندر آ گئی ہے میں نے کہا۔

کاش کہ یہ کبھی ہوتی لیکن یہ کبھی نہیں ہے کچھ اور ہے جھوڑا۔ جھوڑا سنڈی!

تمہیں یوں محسوس نہیں ہو رہا ہے جیسے کوئی خبیث روح اس کمرے میں موجود ہے کیا تم تم! خدا سے

بلا نہیں مانتے!

چاہا کہ پال کو اس خطرے سے خبردار کر دوں لیکن باوجود کوشش کے میں اپنے اس ارادے کو جامہ دل نہ پہن سکی اور میں جانتی ہوں کہ میں کچھ نہیں کر سکتی کسی طرح اس کی مدد نہیں کر سکتی۔ اس کی مدد کے لئے اپنی ایک انگلی تک نہیں بلا سکتی۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ میں نے ایک دفعہ نہیں بلکہ کئی دفعہ اس کے پاس جانے کی کوشش کی لیکن جانے لگی اور جانتی ہوں کہ اس ارادے سے اس کے پاس جا بھی نہ سکوں گی۔ میں گویا بے بس و مجبور ہو گئی تھی اور خیر و بخیر اپنی بات پوری کر لینے دو۔ خیر تو میں نے اپنے آپ سے کہا کہ یہ حماقت ہے لیکن وہ حماقت نہ تھی۔ میرے ساتھ میرے کمرے میں کوئی موجود تھا۔ کوئی نفسی خیز چیز۔ اس احساس نے مجھے اتنا خوفزدہ کر دیا کہ میں گھٹنوں کے بل جھک گئی کہ خدا کو یاد کروں۔ لیکن یہ سن کر تمہیں تعجب ہوگا کہ کوشش کے باوجود دعا کے مقدس الفاظ میرے لب تک نہ آ سکے۔ میری زبان لنگ اور دل سرد ہو گیا تھا۔ میں نہیں جانتی کہ میں کتنی دیر تک دعا مانگنے کی کوشش کرتی رہی۔ آخر کار مجھ پر یہ منکشف ہوا کہ خدا نے مجھے اپنے سال پر چھوڑ دیا ہے کہ پال کو اور خود اپنے آپ کو بچانے کے لئے اپنے طور پر جدوجہد کرنی پڑے گی یہ جنگ مجھے خدا کی مدد کے بغیر لڑنی تھی۔ چنانچہ میں انہی کیڑے اتارے اور بستر میں دبک گئی۔ بس میرا ایٹنا نصب ہو گیا۔ خوف و ہراس کی پہلی ہی لہر نے مجھے بوکھلا دیا۔ میں نے گھبرا کے اپنی خامدہ کو رخصت کر دیا تھا۔ شاید اس لئے کہ میں نہ چاہتی تھی کہ اپنا خوف و گھبراہٹ اس برطاری کروں۔ لیکن اب میں چاہتی تھی کہ اسے واپس بلا لوں۔ لیکن میں اسے بلا نہ سکی۔ حد تو یہ ہے کہ میں گھٹنی کا بن تک نہ دبا سکی جو میرے ٹانگ کے سر ہاتھ تھا۔

وہ خاموش ہو گئی یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اپنے بکھرے ہوئے خیالات کو سمیٹنے کی کوشش کر رہی ہو۔ اس کا رنگ سفید ہو گیا تھا اور ہونٹ کانپ رہے تھے خدا جانے کیسی روحانی اذیت اور کیسا خوف محسوس کیا ہو گا اس نے۔ کاش میں اس وقت موجود ہوتا۔ اور مار جور سے کو اپنی آغوش میں لے کر اس کی ڈھارس بندھا سکتا تھا۔ میں بار بار کہہ چکا ہوں کہ مار جور سے کو بچپن سے جانتا ہوں جتنا میں اس سے واقف ہوں شاید اتنا کوئی اور اس سے واقف نہ ہوگا۔ حتیٰ کہ مسٹر لندن بھی۔ چنانچہ میں جانتا ہوں کہ کوئی بھی واقعہ خواہ وہ کتنا ہی غیر معمولی کیوں نہ ہو نہ تو اسے گھبرا سکتا ہے اور نہ خوفزدہ کر سکتا ہے دوسری بات یہ کہ وہ تو ہمت کی شکار بھی نہیں ہے اس کا دماغ شروع ہی سے صاف اور خیالات سلجھے ہوئے اور صحت مندر ہے جس یعنی یہ کہ وہ کسی بھی طرح کے دماغی مرض میں مبتلا نہیں چنانچہ یہ کہنا کہ مار جور سے کی کہانی اس کے مریض دماغ کی پیداوار ہے اس کے ساتھ نہ صرف زیادتی کرنا بلکہ اسے سر اسر غلام رنگ میں پیش کرنا ہے اس کے علاوہ میں دوسرے تہ اس پر اسرار مشرقی عورت سے جسے میں نے غلطی سے مر دیکھ لیا تھا۔ مل چکا ہوں۔ چنانچہ میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ مار جور سے کی کہانی بے بنیاد اور افواہ تھی۔ حتیٰ کہ وہاں بھی یہ کہانی وحشت انگیز اور تقریباً ناقابل یقین ہو گئی ہے۔ اس کی ٹھوس بنیادیں موجود ہیں۔ لیکن اس کی کہانی کی بنیادیں کیا ہیں۔ اس کی تہ میں کون سا راز پوشیدہ ہے یہ مجھے معلوم کرنا ہے اور بہت جلد معلوم کرتا ہے آخر کار مار جور سے نے سلسلہ کا سر جاری رکھتے ہوئے کہا یہ تو تم جانتی ہی ہو سنڈی کی تل چنوں اور اس قسم کے دوسرے کیڑوں سے مجھے کتنی متن آتی ہے۔ اور یہ بھی تمہیں معلوم ہے کہ جب میں نیکی تھی تو جھوڑوں اور شہد کی مکھیوں وغیرہ کے

بڑے میاں سوائے اس کے اور کیا کر سکتے تھے کہ اور زیادہ ہنگامے لگ جائیں اور یہی انہوں نے

اگر میری آنکھوں نے مجھے دھوکا نہ دیا تو میں نے دیکھا کہ بڑے میاں اپنی بیٹی کی تیز اور ملامت انگیز نظر کی تاب نہ لا کر بے اختیار کئی قدم پیچھے ہٹ گئے اور اپنے اس بودے پرین کو غصے کے پردے میں جھمانے کی غرض سے بڑک کے بولے۔

”صبح بخیر مسٹر لندن! مزاج تو بخیر ہیں آپ کے؟“
 بڑے میاں نے جلدی سے اپنے دونوں ہاتھ پیچھے کر لئے اور انتہائی حماقت کا ثبوت دیتے ہوئے
 بولے۔
 ”تنت‘ تم سے میرا کوئی تعلق نہیں گویا کہ چنانچہ تم‘م‘ میرے خاندان کے کسی بھی فرد کا ہمارے
 خاندان کے کسی‘ف‘ فرد سے‘م‘م‘ ملنے کی کوشش نہ کرو گویا کہ ورنہ برا ہوگا سن لو گویا کہ“ اور بڑے
 میاں بڑا کامرغ کی طرح کڑکڑاتے اور اٹھتے چلے گئے۔

”اتھرن! میں تمہیں بہت حد تک کچھ چکا ہوں لیکن شاید تم مجھے کچھ نہیں پائے“ وہ اسی میز کے قریب جا کھڑا ہوا جس پر کالج کے سلنڈروں کا مریوڑی پب رکھا ہوا تھا۔ کیا گورکھ دھندلے یا رہا؟“

”مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے لسنکھام کہ تم مجھے ذرا بھی نہیں سمجھ سکتے اگر کچھ سکے ہوتے تو جان لیتے کہ ادھر ادھر کی باتیں کر کے مجھے دھوکا نہیں دیا جاسکتا۔“

”یہ بھابہ وغیرہ خالی کرنے کی مشین ہے کیا۔“ اس نے میری بات سنی ان سنی کر کے کہا۔

”لسنکھام! موضوع بدلنے کی کوشش نہ کرو۔ میں بہر حال اپنے سوال کا جواب حاصل کر کے رہوں گا۔ دنیا میں اور بھی بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو کالج کے سلنڈروں کے اس گورکھ دھندلے سے زیادہ اہم اور پُرسپ ہیں۔“

”تھک کہتے ہو۔ افوہ۔ کس قدر ترقی کر لی ہے“ سائنس نے کہا۔

”لیکن یہ سن کر تمہیں تعجب ہوگا کہ قدیم زمانے کا انسان اس میدان میں ہم سے بہت آگے تھا۔“

”کس میدان میں؟“

”ہر میدان میں۔ مثلاً یہ کہ ایک آدمی دیکھتے ہی دیکھتے بھونراہن جائے“

”کیا کہہ رہے ہو؟“

”جج کہہ رہا ہوں۔ گزشتہ رات یہ تماشا خود میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔“

”کہاں؟“

”اسی جگہ اور اسی کمرے میں جہاں تم کھڑے ہوئے ہو۔ اس سے صرف چند فٹ دور ایک شخص میری آنکھوں کے سامنے بھونراہن گیا۔“

”کہیں تم مذاق تو نہیں کر رہے ہو؟“

”نہیں میں اس وقت ضرورت سے زیادہ سنجیدہ ہوں۔“

”کیا دیکھا تم نے؟“

”میں نے مصر قدیم کی روایت کو حقیقت بننے دیکھا۔ روایت ہے کہ مصر قدیم کی ایک دیوی بھونراہن کی شکل میں ظاہر ہوتی تھی۔ اور کہتے ہیں کہ اس دیوی کے بہت بھونراہن کا روپ اختیار کر سکتے ہیں۔ یہ واقعہ گزشتہ رات میری نظر کے سامنے ہوا اور اتنے نمایاں طور سے کہ شک و شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔“

”یہ عجیب بات ہے۔ میرا خیال ہے اس قسم کا ایک تماشا میں نے کبھی دیکھا تھا۔“

”یہ مجھے بھی معلوم ہے۔“

”کیسے معلوم ہوا تمہیں؟“

”تمہارے ہی ایک دوست نے بتایا تھا۔“

”میرے دوست نے۔ کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ میرا دوست تھا۔“

”لسنکھام کا سکون بہر حال برقرار تھا۔ لیکن اس کا یہ سکون مجھے دھوکا نہ دے سکتا تھا غالباً لسنکھام کچھ چکا

اپنے ہونے والے خسر کا ایسا سلوک کسی کو پریشان و مایوس کر سکتا تھا لیکن لسنکھام کے نزدیک یہ ایک معمولی اور غیر اہم واقعہ تھا۔ اس نے ذرا بھی گھبراہٹ اور غصے کا اظہار نہ کیا اور اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو اس نے مسٹر لنڈن کی اس اتقانہ حرکت اور سخت کاری کی طرف ذرا بھی دھیان نہ دیا۔ جب تک مسٹر لنڈن زینہ نہ اتر گئے لسنکھام دروازے میں بی کھڑا رہا۔ پھر میری طرف کھوم کر بولا۔

”غالباً میں پھر تمہارے کام میں خلل ہو رہا ہوں۔“

”کسی خاص کام کے لئے میرے پاس آئے ہو؟“ میں نے بغیر کسی تمہید کے پوچھا۔

”فی الحال تو کسی خاص کام کے لئے نہیں آیا۔ تاہم یہ ضرور معلوم کرنا چاہوں گا کہ میں امتحان میں کہاں تک پورا اتر ہوں۔ اور میرا یہ مقام کہاں ہے؟“

”کیسا مقام؟“

”یعنی یہ کہ مسٹر لنڈن نے مجھے اٹھا کے کہاں پھینک دیا ہے میں اب کہاں کھڑا ہوں مسٹر لنڈن کے اس رویہ کا ایک خاص سستی پر کیا اثر ہوا ہے۔“

”افسوس ہے کہ اس سوال کا جواب میں نہ دے سکوں گا لیکن امید ہے کہ تم میرے ایک سوال کا جواب دو گے۔“

”کون سے سوال کا؟“

”کیا تمہاری زندگی کا کوئی خاص دور رہا ہے؟“

”کیا مطلب؟“

”مطلب واضح ہے تم اپنی زندگی میں ایسے کون سے واقعات سے دوچار ہوئے ہو جن کی یاد نے تمہیں بے چین اور خوفزدہ کر رکھا ہے۔“

”چند لمحوں تک خاموشی کا راج رہا پھر لسنکھام نے کہا۔

”ہم سب کی زندگی میں ایک نہ ایک واقعہ ایسا ہوتا ہے جسے ہم اپنے تک ہی رکھنا مناسب سمجھتے ہیں۔“

لسنکھام کا یہ جواب اتنا صحیح اور حقیقت پر ایسا مبنی تھا کہ میں چند ثانیوں تک کوئی جواب نہ دے سکا۔

”تھک ہے؟“ میں نے کہا۔ لیکن واقعات بھی مختلف طرح کے ہوتے ہیں ہر شخص کی زندگی میں بے شک چند واقعات ہو جاتے ہیں لیکن جب کوئی ایسا واقعہ ہو جائے جو کسی کو آسب زدہ بنادے تو عقل مند لوگ اس واقعہ اور دوسرے واقعات کے درمیان حد فاصل قائم کر دیتے ہیں۔

”آسب زدہ!“

”ہاں! جیسے کہ تم ہو۔“

وہ مسکرایا۔

”تو کیا یہ بھی ان حقائق میں سے ایک ہے جنہیں تم مستہر کرنا چاہتے ہو؟“

”یہی ہے تمہارا جواب“

”یہ تو میں نے نہیں کہا۔ بہر حال وہ الزامات بیان کرو جو تمہارے خیال میں مجھ پر عائد ہوتے ہیں۔“

”لنگھام میں اتنا یہ قوف نہیں ہوں جتنا تم مجھے سمجھ رہے ہو اور نہ ہی میں آنکھیں بند کر کے اس دنیا میں رہتا ہوں جو کچھ ہوتا ہے اسے میں نہ صرف دیکھتا بلکہ اس پر غور کرنے اور ایک حد تک صحیح نتائج اخذ کرنے کی بھی صلاحیت رکھتا ہوں۔ اس شخص کا آدھی رات کو تمہارے مکان کی کھڑکی میں سے کودنا مجھے عجیب معلوم ہوا تھا اور پھر میرے سامنے تمہارا اکھڑا سلوک تو اور بھی عجیب تھا۔ چنانچہ تمہارا یہ کہہ دینا کہ وہ معمولی سی چوری کا واقعہ تھا محض جھوٹ تھا۔“

”میں نے یہ کب کہا تھا کہ وہ معمولی سی چوری کا واقعہ تھا۔“

”پھر تم کیا کہتے ہو اس کے متعلق؟“

”کچھ بھی نہیں۔ تمام اندازے تمہارے ہیں میں نے نہ تو اپنی رائے ظاہر کی ہے اور نہ کر سکتا ہوں۔“

”یہ تو تم نہ بھولے ہو گے کہ تم میرے سامنے گڑبڑائے تھے کہ میں اس واقعہ کا ذکر کسی سے نہ کروں۔“

”اگر واقعہ اتنا ہی غیر اہم ہے تو اس میں اس قدر رازداری برتنے کی کیا ضرورت ہے؟“

”مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آتھرن تم میری ہر حرکت کو نہ صرف شک کی نظر سے دیکھتے۔ بلکہ اسے غلط معنی بھی پہنچا دیتے ہو اور اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کم سے کم میرے نزدیک نہیں کیونکہ میں تمہارے شک و رقابت سے واقف ہوں۔ خیر آگے کہو۔“

”لنگھام میز سے ٹیک لگائے اور اس پر اپنے دونوں ہاتھ ٹیکے قید رہے پیچھے کی طرف جھکا کھڑا تھا۔ وہ بے چین نظر آتا تھا۔ لیکن اس کی یہ بے چینی میری جرح کی وجہ سے نہ تھی۔“

”تمہارا وہ شرعی دوست کون ہے؟“

”میں... نہیں سمجھا“

”صحیح کہتے ہو“

”بالکل۔ ذرا اپنا سوال دہراؤ تو“

”تمہارا وہ شرعی دوست کون ہے؟“

”میرا کوئی شرعی دوست نہیں ہے۔ اور اگر ہے تو میں اس کے وجود سے بے خبر ہوں“

”یہ قسم کھا کر کہہ سکتے ہو؟“

وہ ہنسا۔

”آتھرن۔ تم تو کیلوں کی طرح جرح کر رہے ہو۔ کم سے کم اتنا تو مجھے بتا دو کہ تمہاری اس تشویش کا آخر مطلب کیا ہے۔ اس کے بعد ہی میں قسم کھا کر تمہارے ہر سوال کا جواب دوں گا۔“

”تو کیا میں سمجھ لوں کہ تم اس بات سے بے خبر ہو کہ اس وقت لنڈن میں ایک پراسرار شخص موجود ہے

تھا کہ میں باتوں باتوں میں اس سے ایک اہم اور غالباً بھیا تک راز اٹھواتا چاہتا ہوں۔ دوسری طرف مجھے یہ بھی احساس ہو چلا تھا کہ لنگھام مر جائے گا لیکن اپنے اس راز کو ظاہر نہیں کرے گا۔ اگر مار جوہرے کا تعلق لنگھام سے نہ ہوتا تو مجھے لنگھام اور اس کے راز سے کوئی دلچسپی نہ ہوتی۔ اس کے راز اس کے راز تھے اور اس میں دخل دینے کا مجھے کوئی حق نہ تھا۔ لیکن اب یہ صرف لنگھام کا نہیں بلکہ مار جوہرے کا بھی معاملہ تھا۔ لنگھام کے ساتھ یقیناً کوئی ایسا واقعہ ہوا تھا۔ جو کسی بھی سائنسدان کے لئے نہ صرف دلچسپی کا باعث بن سکتا تھا۔ بلکہ مصدقہ الیم کی تاریخ کے نہایت ہی اہم باب کے روشنی بھی ڈال سکتا تھا۔ تاہم اگر مار جوہرے اس کے ساتھ شادی کرنے کے لئے بعد نہ ہوتی تو میں لنگھام کو اس کے حال پر چھوڑ دیتا۔ لیکن قارئین جانتے ہی ہیں کہ وہ اس شخص کو اپنا شوہر بنانا چاہتی تھی۔ اور میں نہ چاہتا تھا کہ لنگھام کے ساتھ مار جوہرے کی زندگی کو بھی خطرہ لاحق ہو جائے۔ چنانچہ میں یہ معلوم کرنے کے لئے بے قرار تھا کہ وہ کون سا واقعہ ہو سکتا ہے جس نے مشہور سیاست دان کی زندگی کو اس کے لئے شاید ایک عذاب بنا دیا تھا اور جس کی وجہ سے ہر دم سہا ہوا اور خوف زدہ رہتا تھا۔

میں نے تلخ لہجے میں کہا

”لنگھام تمہاری سیاست دانی سے مجھے کوئی واسطہ نہیں۔ تمہارے خیالات تمہاری امتیازی فصدہ سیاست اور تمہاری شہرت کو ذرا برابر بھی اہمیت نہیں دیتا۔ یہ تمہارے ذاتی معاملات ہیں جن سے مجھے سروکار نہیں۔ لیکن اگر تم بظاہر کوڑھی ہو یا ایسے ہی کسی موذی مرض میں مبتلا ہو تو مجھے تمہارے معاملات میں دخل دینے کا حق حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ اس کا تعلق براہ راست مار جوہرے سے ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ تم ایک موذی مرض میں مبتلا ہو۔“

”آتھرن!۔“

”تقریباً شروع ہی سے مجھے یہ شک تھا کہ تمہاری زندگی کے ساتھ ایک ایسا راز وابستہ ہے جسے میں نہیں سمجھ سکا۔ لیکن پیچھے چند مہینے میں جو مسلسل واقعات ہوئے ہیں انہوں نے تمہارے پراسرار وجود پر سے ایک حد تک پردہ اٹھا دیا ہے اور میرا شک کہ تمہارا کوئی بھیا تک راز ہے اب یقین میں بدل گیا ہے اب تمہارے سامنے دو ہی راستے ہیں یا تو اپنے آپ کو میرے سامنے اصلی رنگ میں لے آؤ۔ یا پھر مار جوہرے سے دست بردار ہو جاؤ۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو یاد رکھو لنگھام میں مار جوہرے کو چند حقائق سے نہ صرف آگاہ کروں گا بلکہ اگر ضرورت ہوگی تو ان حقائق کو مستہر کر دوں گا۔ لنگھام کا رنگ زرد ہو گیا اس کے باوجود وہ مسکرا کے بولا۔

”اگھٹکو کرنے کا یہ ڈھنگ نراا ہے تم در پردہ مجھے دھمکی دے رہے ہو میں اب تک یہ سمجھ نہیں سکا ہوں کہ تمہارا اشارہ کون سے واقعات کی طرف ہے جو پیچھے چند دنوں سے بقول تمہارے مسلسل ہو رہے ہیں۔“

”وہ کون تھا جو ایک رات تقریباً رہنہ حالت میں تمہاری نشست گاہ کی کھڑکی میں سے سڑاگ پر کودا تھا۔“

خاموش رہا پھر بولا۔ "عجیب طرح کے توہمات میرے جھگے ہوئے دماغ کی اختراع ہیں۔ لیکن شاید ایسا نہیں ہے۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ میرے ان توہمات کی کیا بنیاد ہو سکتی ہے؟"

میں خاموش رہا۔ لنگھام اپنے جذبات کو قابو میں رکھنے کی قابل تعریف کوشش کر رہا تھا۔ لیکن اس کے کانچے ہوئے ہونٹ اس کی اندرونی حالت کا پتہ دے رہے تھے مجھے یقین ہو چلا تھا کہ میں بہت جلد اس عظیم سیاست دان کے وجود کا وہ دوسرا رخ دیکھ لوں گا جو دنیا کی نظر سے پوشیدہ ہے۔

"وہ کون ہے جو بقول تمہارے میرا پر اسرار مشرقی دوست ہے۔"

"چونکہ وہ تمہارا دوست ہے اس لئے اس کے متعلق مجھ سے زیادہ تم جانتے ہو گے۔"

"کس قسم کا آدمی ہے وہ؟"

"کیا مطلب؟"

اس مرد پر اسرار کی شکل و صورت کیسی ہے؟

"میں نے یہ نہیں کہا کہ وہ مرد ہے۔"

"لیکن میں نے تو اسے مرد ہی تصور کیا ہے۔"

"تمہارے تصور کرنے نہ کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ میں نے نہیں کہا کہ وہ مرد ہے۔"

ایک لمحہ تک وہ دم بخود کھڑا رہا اور ایسی نظروں سے مجھے دیکھا جو قطعی دوستانہ نہ تھیں پھر وہ سنبھلا اور تن کر کھڑا ہو گیا۔

"آہرٹن۔" اس نے کہا۔ "قصداً انجانے میں تم میرے ساتھ زیادتی اور نا انصافی کر رہے ہو۔ میں نہیں جانتا کہ میرے متعلق تمہارے کیا خیالات ہیں لیکن میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اتنا ہی شریف غلط ایماندار اور بے گناہ ہوں جتنا کہ شاید تم ہو۔"

"اس سے مجھے انکار نہیں لیکن میرے دوست تم آسیب زدہ ہو۔"

"آسیب زدہ؟"

ایک لمحہ تک وہ سیدھا کھڑا میری طرف دیکھتا رہا۔ دفعتاً اس کے بدن پر کچلی طاری ہو گئی۔ اس کے چہرے کے پٹھے اٹھنے لگے اور دوسرے ہی لمحہ اس کا رنگ زرد ہو چکا تھا وہ لڑکھڑاکے میز پر جھک گیا۔

یہ سچ ہے وہ بولا

کیا سچ ہے

"یہی کہ میں آسیب زدہ ہوں۔"

"چنانچہ ثابت ہوا کہ یا تو تم پاگل ہو اور اس لئے شادی کرنے کے قابل نہیں ہو۔ یا پھر تم نے ایک ایسا کام کیا ہے جس کی یادیں تمہیں رات دن ستا رہی ہیں اور تمہارے ضمیر کی ملامت نے تمہاری زندگی اجیرن کر دی ہے اور اس لئے بھی تم شادی کرنے کے قابل نہیں رہے۔"

"میں میں ایک وہم میں مبتلا ہوں۔"

"کیا ہے یہ وہم۔ تمہارا وہم بھروسے کی شکل میں تو تمہارے سامنے نہیں آتا؟"

جو اس بات کا دعویٰ دار ہے کہ ماضی میں تمہارے ساتھ اس کے بڑے گہرے اور انوکھے تعلقات تھے۔"

"یہ حقیقت ہے کہ میں اس سے قطعی بے خبر ہوں۔"

"یہ تم قسم کھا کر کہہ سکتے ہو؟"

"قسم یہ کہتا ہوں۔"

"عجیب بات ہے یہ تو۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ میرا خیال ہے کہ وہ پر اسرار مشرقی تمہیں آسیب کی طرح پریشان کر رہا ہے۔"

"مجھے پریشان کر رہا ہے۔"

"ہاں تمہیں اور یہ کہ تم آسیب زدہ ہو۔"

"مذاق تو نہیں کر رہے ہو؟"

"تمہارے خیال میں یہ مذاق کرنے کا وقت ہے؟"

چند ثانیوں تک خاموشی کا وہ قدر رہا۔

"لنگھام! اکل کا واقعہ یاد ہے تمہیں؟"

"کون سا واقعہ؟"

"یہی کہ کل صبح ایک بھوسے کی تصویر نے تمہیں مارے خوف کے پاگل کر دیا تھا۔ تم پتے کی طرح کاپٹے اور گدھے کی طرح چپنے لگے تھے۔"

"بڑے سخت الفاظ استعمال کر رہے ہو تم۔ بہر حال میں نے سمجھ لیا ہے کہ تمہارا اشارہ کون سے واقعہ کی طرف ہے۔ اچھا۔ پھر؟"

"اور غالباً تم جانتے ہو کہ اس کا باعث تمہارا وہی مشرقی دوست ہے۔"

"صاف صاف کہو میں سمجھا نہیں۔"

"سچ کہتے ہو۔"

"ہاں سچ کہتا ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ تم مجھ سے کیا کہلوانا چاہتے ہو۔ آہرٹن۔ بجائے اس کے تم مجھ سے کسی بات کی وضاحت چاہو بہتر ہو گا کہ پہلے تم میرے چند سوالات کے جواب دو۔ غالباً تم نہیں جانتے ہو کہ میں اس وقت یہاں کیوں آیا ہوں۔ میں یہ معلوم کرنے آیا ہوں کہ بھوسے کی وہ تصویر تمہارے کمرے میں کہاں سے اور کس طرح آ گئی تھی۔"

"بھوسوں کا آقا اسے یہاں رکھ گیا تھا۔"

اتفاقاً یہ الفاظ میرے منہ سے نکل گئے۔ اور اتنا قاتر نشانہ پر بیٹھا۔

"بھوسوں کا آقا" لنگھام ہکا کے خاموش ہو گیا۔ اور اس کے بشرے سے اضطراب اور پریشانی کے آثار ہوید ا ہوئے۔ "میں صاف گوئی سے کام لوں گا۔ کیونکہ تم یہ ہی چاہتے ہو۔" وہ مسکرایا اس کی مسکراہٹ مصنوعی تھی۔ میں پچھلے چند دنوں سے عجیب طرح کے توہمات کا شکار ہوں۔ چند ثانیوں تک وہ

”آتھرٹن!“

اور بغیر کسی تمہید کے وہ آگے کی طرف جھکا اور ڈھے گیا۔ اب وہ فرش پر پڑا اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے کسی سہمے ہوئے جانور کی طرح بڑا رہا تھا۔ ایسی حالت میں نے اکثر پاگلوں کی دیکھی تھی۔ لسنگھام کو اس عالم میں دیکھ کر میرے اعصاب بھنبھلا اٹھے۔

”خدا کے لئے لسنگھام! یہ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ کیا حقیقت میں تم پاگل ہو گئے ہو؟“ لویہ پی لویہ۔“

اور براہی کا جام میں نے اس کی کانپتی انگلیوں میں پھنسا دیا۔ بہت دیر بعد وہ سمجھ سکا کہ میں نے اس کے ہاتھ میں جام پکڑا دیا ہے۔ وہ جام ہونٹوں سے لگا کے یوں غٹا غٹ پی گیا جیسے اس میں شراب کے بجائے پانی ہو۔ آہستہ آہستہ اس کے حواس ٹھکانے آئے۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے چاروں طرف دیکھا پھر مسکرا کر بولا۔ ”یہ میرا وہم تھا۔“

”اگر وہم ہی تھا تو مجھے کہنا پڑتا ہے کہ بڑا زوردار وہم تھا۔“

میں غور سے اس کی صورت دیکھ رہا تھا اور میں نے دیکھا کہ وہ اپنے جذبات پر قابو حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

”آتھرٹن ایک بات بتاؤ۔“ میں خاموش اور حیران کھڑا رہا۔

”یہ بتاؤ تمہارا مشرقی دوست کون ہے؟“ اس نے گویا ڈرتے ڈرتے یہ سوال پوچھا۔

”میرا دوست! اوہ! تمہارا مطلب ہے کہ تمہارا مشرقی دوست! خیر تو میں اسے مرد سمجھے ہوئے تھا۔ لیکن بعد میں یہ انکشاف ہوا کہ وہ مرد نہیں بلکہ عورت ہے۔“

”عورت.....؟“

ہاں! اس کا چہرہ مردوں کا سا اور بھیانک ہے اور اس کی آواز بھی مرد سے ملتی جلتی ہے۔ لیکن اس کا جسم عورت کا ہے۔ جوان عورت کا۔“

”یہ تو تم نے عجیب بات کہی ہے؟“

چند ثانیوں تک وہ آنکھیں بند کئے کھڑا رہا۔ اس کا رنگ فق ہو گیا تھا۔

”آتھرٹن! تم، تم، سحر اور جادو وغیرہ میں یقین رکھتے ہو؟“

”اس کا انحصار جادو کی قسم پر ہے۔ تم کون سے جادو کا ذکر کر رہے ہو؟ معمولی سی شعبہ بازی کا؟“

”کبھی نظر بندی کا نام سنا ہے؟“

”ہاں“

”کہتے ہیں کہ وہ شخص جو نظر بندی کرنے میں ماہر ہو اس شخص کو جس کی نظر بندی کی گئی ہو جو چاہتا ہے دکھا دیتا ہے ایک قصہ میں نے سنا تھا کہ ایک جادوگر یا شعبہ باز نے نیم کے ایک درخت سے رسہ باندھا اور لوگوں کو جمع کر کے کہا کہ اس آدمی کو جسے میں نے رسہ باندھ دیا ہے اس کی جگہ پر سے ایک انچ آگے کھسکاؤ۔ سینکڑوں آدمیوں کو وہ درخت نظر آیا اور ان سب نے مل کر زور لگایا تب بھی اس آدمی کو جو دراصل نیم کا درخت تھا۔ اپنی جگہ سے نہ کھسکا سکے۔ کہیں تمہارے ساتھ بھی تو ایسا واقعہ نہیں ہوا۔ یعنی کہیں تمہیں بھی

تو مرد عورت نظر نہیں آیا۔“

”اس کے متعلق تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ تاہم میں اتنا ضرور کہوں گا کہ میں اس قسم کے جادو یا بقول تمہارے نظر بندی کا شکار نہ تھا۔“

”کسی زمانے میں میں نے ایک کتاب پڑھی تھی۔ دماغ کے پراسرار امراض غالباً یہی نام تھا اس کا۔ خیر تو اس کتاب کے چند ابواب میں توہمات پر بحث کی گئی تھی اور بے حد دلچسپ باتیں درج تھیں اس میں۔“

”ہوگا“

”سچ کہنا آتھرٹن کہ اس کے متعلق کیا خیال ہے تمہارا؟“

”کس کے متعلق۔“

”کیا میں اپنے آپ کو حوالے کر دوں؟“

”کس کے حوالے۔“

”دماغی امراض کے کسی مشہور ڈاکٹر کے۔“

”میرے خیال میں تم مجنوں نہیں ہو۔“

”نہیں خدا کا شکر ہے یہ گویا ایک مژدہ جان افزا ہے دنیا کے کسی مرض سے میں نہیں ڈرتا۔ لیکن پاگل پن سے ڈرتا ہوں۔ بہر حال میں پاگل چاہے نہیں ہوں لیکن تندرست بھی نہیں ہوں۔ چنانچہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں چند دن کی چھٹی مناؤں اور کہیں باہر جا کر آرام کروں۔“

اور وہ اپنے چھاتے اور ہیٹ کی طرف بڑھا۔

”اس کے علاوہ تمہیں ایک اور بھی کام کرنا ہے؟“

”کیا؟“

”مار جوڑے سے دست بردار ہو جاؤ۔“

”میرے عزیز میری صحت نہایت تیزی سے گری رہی ہے چنانچہ میں دنیا کی ہر چیز سے دست بردار ہو جاؤں گا۔“

اس نے آخری الفاظ کچھ اس طرح سے کہے کہ مجھے اس پر حرم آ گیا۔

”لسنگھام! میرے دوست مجھے سمجھنے کی کوشش کرو رشک یا رقابت کی وجہ سے میں تمہیں مشورہ نہیں دے رہا۔ تم کچھ بھی کرو اس سے مجھے کوئی سروکار نہیں لیکن یہ مار جوڑے کی زندگی کا سوال ہے چنانچہ اس کمرے سے باہر جانے سے پہلے وعدہ کرو کہ آج رات سے پہلے تم مار جوڑے سے اپنی نسبت توڑ لو گے۔“

میری طرف لسنگھام کی پیٹھ تھی۔ اس نے میری طرف گھومے بغیر کہا۔

”آتھرٹن! اوہ وقت آئے گا اور بہت جلد آئے گا جب تم اپنے اس سخت سکون پر افسوس کرو گے اور تمہارا ضمیر ملامت کرے گا۔ اس وقت یہ بات تم پر واضح ہو جائے گی کہ میں دنیا کا سب سے زیادہ دہنگی اور بد قسمت آدمی ہوں۔“

”یہ بات تو بہر حال اس وقت بھی واضح ہوگئی ہے اس لئے میں نہیں چاہتا کہ تمہارے دکھ اور بد قسمتی کا سایہ ایک معصوم لڑکی پر پڑے اور تمہارے ساتھ اس کی بھی زندگی تباہ ہو۔“
وہ میری طرف گھوم گیا۔

”آتھرن اچ کہنا مار جورے کے ساتھ تمہارا کیا تعلق ہے؟“
”وہ مجھے ایک بہن کی طرح چاہتی ہے۔“

”لیکن کیا تم بھی اسے ایک بھائی کی طرح چاہتے ہو؟“

”تم تو جانتے ہی ہو لنگھام کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔“

”تو کیا تمہیں یقین ہے کہ اگر میں ہٹ گیا تو تمہارے لئے راستہ صاف ہو جائے گا۔“

”فی الحال اس قسم کا کوئی مقصد میرے پیش نظر نہیں ہے تم یقین کرو یا نہ کرو لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں اس کا بھلا چاہتا ہوں اور اگر تمہیں اس سے محبت ہے تو یقیناً تم بھی یہی چاہتے ہو گے۔“

”بے شک میں بھی یہی چاہتا ہوں“ وہ ادا اس ہو گیا۔ ”آتھرن اچ میرے رقیب ہو اور اگر کوئی وقت ہوتا تو میں تم سے ڈویل (کسی نزار کا فیصلہ کرنے کے لئے دو شخصوں کی ایسی لڑائی جس میں ایک شخص کا مارا جانا یقینی ہوتا تھا۔ یہ لڑائی کٹوار یا پستول سے لڑی جاتی تھی پچھلی صدی تک ڈویل کا لڑنے کا رواج عام تھا) لڑ لیتا اور تمہارے کہنے سے مار جورے سے دست بردار نہ ہوتا۔ لیکن اب حالات مختلف ہیں میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ وہ زہر جو میری زندگی میں گھل گیا ہے اگر دور نہ ہوا تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اپنے ساتھ مار جورے کی زندگی برباد نہ کروں گا۔ میں اتنا خود غرض نہیں ہوں میرے دوست کہ اپنے ساتھ اس ہستی کی بھی زندگی تباہ کر دوں جو مجھے دنیا کی ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے۔“

چند ثانیوں تک خاموشی کا وقتہ رہا۔

”جب میں نو جوان تھا تو اس وہم میں مبتلا تھا۔“ لنگھام نے کہا۔

”لیکن پھر میرا یہ وہم غائب ہو گیا اور کئی سال تک میں اس سے محفوظ رہا اور میں نے یقین کر لیا کہ میں ہمیشہ کے لئے اپنے اس وہم سے چھٹکارا حاصل کر چکا ہوں۔ لیکن پچھلے چند مہینوں سے میرا وہی وہم عود کر آیا ہے۔ اگر چند دنوں کے بعد بھی میری ایسی ہی حالت رہی تو میں نہ صرف مار جورے سے بلکہ اپنی تمام مصروفیات سے دست بردار ہو جاؤں گا۔ آج سے میں اپنی تحقیقات کا آغاز کرتا ہوں اور کوشش کر دوں گا کہ جلد از جلد اپنے وہم کی مابیت معلوم کر کے اسے دور کر دوں۔ اس عرصہ میں میں یہ بھی کوشش کروں گا کہ مار جورے سے دور رہی دور رہوں۔“

”وعدہ کرتے ہو۔“

”ہاں! وعدہ کرتا ہوں۔ تم سے بھی میری ایک درخواست ہے آتھرن۔ خدا کے لئے میرے ساتھ سخت سلوک نہ کرنا، میرے دوست! میں بہت زیادہ دلچسپی ہوں چنانچہ میرے متعلق غلط میں کوئی آخری فیصلہ نہ کرو۔ میں مجرم اور گنہگار نہیں ہوں جیسے کہ تم سمجھتے ہوئے ہو۔ ذرا سوچو۔ آتھرن میں دنیا سے کیا کچھ حاصل نہیں کر سکتا اور دنیا مجھے کیا کچھ نہیں دے سکتی۔ اس کے باوجود میں دنیا کی ہر چیز اور ہر مسرت سے

دست بردار ہونے کے لئے تیار ہوں۔ میری بد قسمتی کا اندازہ لگانے کے لئے ایک بات کافی ہے۔“
اور وہ جانے کے لئے پلٹا۔ پھر رک گیا اور چونک کر چاروں طرف یوں دیکھنے لگا جیسے اسے کسی کی موجودگی کا وہم ہو گیا ہو۔ وہ کچھ سننے کی کوشش کر رہا تھا۔
”یہ کیسی آواز ہے؟“

میں نے کان لگا کے سنا اور اب میں بھی سن سکتا تھا۔ وہ جھنجھٹ کی آواز تھی۔ مجھے وہ واقعہ یاد آ گیا جو گزشتہ رات مار جورے کے ساتھ ہوا تھا اور جس کی تفصیل اس نے مجھے بتائی تھی۔ یہ آواز بھونے کی جھنجھٹ تھی یا اس سے ملتی جلتی تھی۔ اس آواز کو سنتے ہی لنگھام کے چہرے پر خوف چھا گیا۔ اس کی حالت قابل رحم ہوئی۔ میں اس کی طرف لپکا۔

”لنگھام! یہ کیا بزدلی ہے۔ مرد بنو میرے دوست مرد بنو۔“

اس نے میرے ہاتھ پکڑ لئے سب سے ہوئے بچے کی طرح۔ ”برانڈی دو مجھے“
خوش قسمتی سے برانڈی کی بوتل قریب کی میز پر رکھی ہوئی تھی۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر بوتل کو اٹھالیا۔ کیونکہ لنگھام میرا ہاتھ چھونے کے لئے تیار نہ تھا۔ لنگھام ایک ہی سانس میں جام خالی کر گیا۔
جھنجھٹ کی آواز ختم ہو چکی تھی۔

”آتھرن۔“ اس نے جام میز پر رکھ دیا۔

”جب کسی شخص کو اپنے حواس قائم رکھنے کے لئے شراب کا سہارا لینا پڑے تو سمجھ لو کہ اس کی حالت قابل رحم ہے۔“

وہ پھر جانے کے لئے پلٹا۔ رکا اور پھر کمرے سے باہر نکل گیا میں اس کے ساتھ دروازے تک نہ گیا۔ میں نے اس کے پیروں کی چاپ سنی پھر باہر دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی۔

میں آرام کر سی میں ڈھسے سا گیا۔ اور اپنے دونوں ہاتھ پتلون کی جیبوں میں ٹھونسنے اور ٹانگیں آگے کی طرف پھیلا کے سر نیچے ڈھکا دیا۔

میرے دماغ میں خیالات بھجھم کر آئے۔

مجھے یوں بیٹھے ابھی زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ قریب سے ہی سرسراہٹ کی آواز سنائی دی۔ میں نے چونک کر دیکھا جو کور سفید کاغذ ہوا کے دوش پر سوار کھلی ہوئی کھڑکی میں سے کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔ کاغذ میرے قدموں پر گرا۔ میں نے جھٹک کر اسے اٹھالیا۔

اس پر بھونے کی تصویر تھی۔ یہ ہو ہو وہی تصویر تھی جس نے گزشتہ نکل لنگھام کو اس قدر سہا دیا تھا۔ اس تصویر میں اور اس تصویر میں ذرا بھی فرق نہ تھا۔

اگر یہ تصویر لنگھام کے لئے جیجی گئی تو بھیجنے والے نے ذرا دیر کر دی۔

ایک دالان میں کسی کے پیروں کی چاپ سنائی دی آنے والا نہایت اطمینان اور بے پرواہی سے اسی کمرے کی طرف آ رہا تھا جس میں میں بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے دروازے پر نظر گاڑ دیا۔

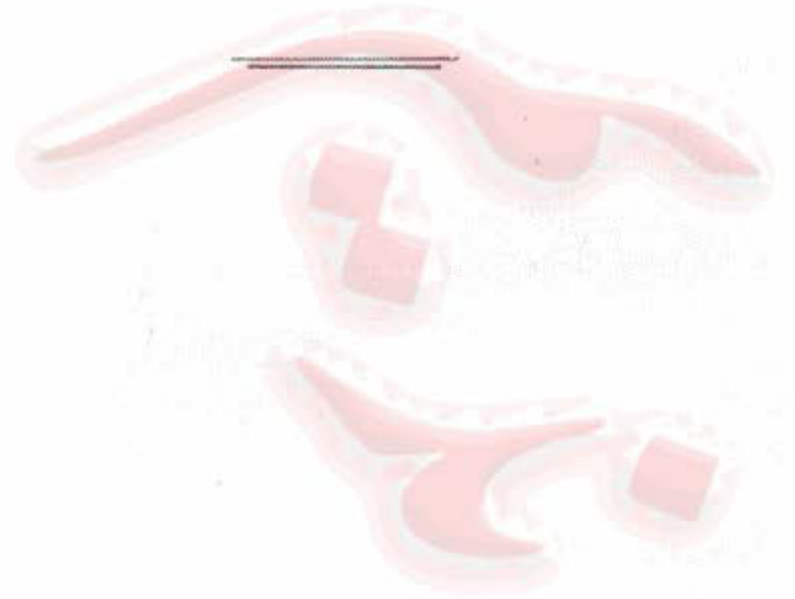
دروازہ کھلا اور ڈورا گھرے لنگ میرے سامنے تھی۔

تیسرا حصہ

دہشت

بھونرے کی کہانی
مار جو رے کی زبانی

"میرا آنا تمہیں برا تو نہیں معلوم ہوا۔" وہ سرخ ہو کے بولی!
"دراصل میں اپنا پرس یہاں بھول گئی تھی۔" وہ خاموش ہو گئی پھر کچھ سوچ کر بولی! "سڈنی تم آج دوپہر کا کھانا کھاؤ گے میرے ساتھ؟"
"میں نہایت شکریہ کے ساتھ تمہاری دعوت قبول کرتا ہوں"
"خوشی سے قبول کرتے ہو۔"
"بے حد خوشی ہے۔"
"شکر ہے۔ میرا تو خیال تھا کہ تم مجھ سے خفا ہو۔"
"غلط خیال تھا تمہارا۔"
"تو چلو پھر بیٹھے کیا ہو۔"
چنانچہ میں نے بھونرے کی تصویر والا کاغذ میز کی دراز میں رکھا۔ دراز کو قفل لگایا اور ڈورا کے ساتھ باہر آ گیا۔
اور اس دن دوپہر کا کھانا میں نے ڈورا کے ساتھ کھایا۔



پال نے ذکر نہ چھیڑا تھا۔

”اس کے متعلق تو میں کچھ نہیں کہہ سکتی البتہ یہ ضرور کہوں گی کہ ابا کے خیالات ان کے اپنے ہیں جن سے مجھے کوئی تعلق نہیں میں تو اپنے ابا کو صرف ابا سمجھتی ہوں اور بس۔“

”مس لندن! میرا خیال ہے کہ میں بہت جلد ثابت کر دوں گا کہ ایسا نہیں ہے تاہم کیا تم اس کے متعلق کوئی نہایت ہی شخص اور منطقی دلیل پیش کر سکتی ہو کہ تمہارے خیالات خود تمہارے خیالات رہیں گے۔“

”خود ابا کے خیالات بھی اٹل نہیں ہیں اور نہ کسی مرد کے ہو سکتے ہیں مثلاً اگر ابا دوسری شادی کر لیں تو دو ہفتوں بعد ہی ان کی بیوی کے خیالات ان کے ہو جائیں گے۔“

پال مسکرایا۔ ”میرا خیال ہے کہ مرد اپنی بیوی کو خوش کرنے کے لئے چہرے پر کئی نقاب بدل دیتے ہیں حتیٰ کہ سیاست کی نقاب بھی۔“

”صاف صاف“ کیوں نہ کہہ دوں بات یہ ہے پال کہ ابا کے خیالات ان کے اپنے نہیں ہیں انہوں نے بڑی بے اعتبار طبیعت پائی ہے چنانچہ انہیں خود اپنے آپ پر بھی اعتبار نہیں ہے۔“

پال ہنسا۔ اس اثنا میں ہم ویسٹ منسٹر برج پہنچ گئے تھے نیچے دریا نہایت سکون کے ساتھ بہہ رہا تھا۔ اور ایک بھولی بھنگی کستی کنارے کی طرف نہایت تیزی سے بھاگی جا رہی تھی۔

”تم سمجھتی ہو کہ شادی تمہارے خیالات کو بدل دے گی۔“ پال نے پوچھا۔ ”میری بات جانے دو۔ عورتیں تو ہر ماحول میں ڈھل جاتی ہیں یہ تو ان کی فطرت ہے یہ بتاؤ کیا تمہارے خیالات بدل جائیں گے۔“

”یہ منحصر ہے ایک بات پر۔“

”کس بات پر؟“

”میرے خیالات بدل جائیں گے اگر تم مجھ سے شادی کر لو۔“

میں ایک سناٹے میں آ گئی۔ اس نے یہ خلاف توقع بات کہی تھی میرا سر گھوم رہا تھا اور میں نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

”برامان گئی نا۔“

میں خاموش رہی۔

”کہو نا اب کیا کہتی ہو اس کے متعلق؟“ بڑی کوششوں کے بعد میں نے کہا۔

”کس کے متعلق۔“ میرا گلا خشک ہو رہا تھا۔

”؟ شادی کرو گی مجھ سے۔“

میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ جواب دے ہی نہ سکی۔

”جاننی ہو کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔“

”ہاں اجانتی تھی اور اس وقت یہ بھی معلوم ہوا میں بھی اس سے محبت کرتی ہوں۔“

میں بہت خوش ہوں۔ میں دنیا کی سب سے زیادہ خوش نصیب لڑکی ہوں۔ کتنی ہی لڑکیوں نے یوں کہا ہو گا اور اسی طرح محسوس کیا ہو گا۔ لیکن میں واقعی خوش ہوں اور اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھ رہی ہوں پال نے آخر کار اقرار محبت کر لیا ہے وہ مجھ سے محبت کرتا ہے ہائے اوہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔

وہ بڑی خوبصورت رات تھی جب پال نے مجھ سے درخواست کی کہ میں اس کے ساتھ ویسٹ منسٹر برج چلی چلوں۔ چنانچہ میں اس کے ساتھ ہوئی رات زیادہ نہ گزری تھی۔ دس بجے ہوں گے۔ اس وقت سڑکیں سوئی نہ تھیں اوگوں کی آمدورفت جاری تھیں۔ راستے میں ہم سیاست کے بارے میں سوچ رہے تھے۔

”حیران ہوں کہ تم اس کے متعلق کیا سوچتی ہو گی۔“ پال نے کہا۔

”کس کے متعلق۔“

”ان ہی سیاسی اختلافات کے متعلق جو تمہارے والد اور میرے درمیان پیدا ہو گئے تھے۔ مسٹر لندن میرے کسٹمر مخالفوں میں سے ہیں۔ چنانچہ بعض اوقات میں یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہوں کہ ممکن ہے مسٹر لندن کی مخالفت کا اثر خود تم پر بھی ہو۔ یہ حقیقت ہے کہ والد کو جس کی مخالفت کرتے ہیں اولاد بھی آہستہ آہستہ اس کی مخالفت کرنے لگ جاتی ہے۔“

میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں اور اب بھی کہتی ہوں کہ ابا کی وہ شخصیتیں ہیں ایک سیاست دان اور دوسرے ابا۔ چنانچہ وہ میرے لئے صرف ابا ہیں وہ میرے سیاسی رہنما نہیں ہیں اور ان کے خیالات اپنے خیالات پر، چنانچہ ضروری نہیں کہ میں ان کے خیالات میں شریک رہوں اور انہیں بند کر کے آمنہ و صدقا کہنے لگوں۔

”لیکن تم ان کی لڑکی ہو۔“

”بے شک ہوں۔ لیکن اس سے کیا ہوتا ہے اسٹر لڑکوں اور لڑکیوں نے ہر دور میں اپنے باپ کی مخالفت کی ہے۔“

”تم انہیں چاہتی ہو؟“

”بے شک ایسا عمدہ باپ کسی کا نہ رہا ہو گا۔“

”چنانچہ تمہاری مخالفت ان کے لئے ایک حادثہ ثابت ہو گی۔ غمناک اور مایوس کن حادثہ وہ اسے بد اخلاقی گستاخی بلکہ غداری پر محمول کریں گے۔“

میں نے آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا اور سوچنے لگی کہ اس وقت اس کے دماغ میں کیسے خیالات پھیرا جا رہے ہیں یہ بات ہم نے ایک دوسرے سے کہے بغیر تسلیم کر لی تھی کہ ہم دونوں کے درمیان ابا اور ان کے خیالات اور ابا سے میرے تعلقات کے متعلق آنکھوں نہ ہو گی اور یہ حقیقت بھی ہے کہ اس رات سے پہلے

لیکن جب میں نے انہیں نہایت ہی زوردار ناشتہ کرتے دیکھا کہ وہ بڑی رغبت سے بائیں اور اٹکے کھا رہے ہیں تو میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی کہ بابا کا گھٹیا اتنا خطرناک نہیں ہے جتنا کہ خود انہوں نے اسے بنا رکھا ہے۔

ابا سے میں نے اس شخص کا ذکر نہ کیا جسے میں سڑک پر سے گھر میں اٹھوالا کی تھی۔ نئے خوف تھا کہ یہ خبر سننے ہی ان کا گھٹیا دفعتاً بڑھ جائے گا۔

بعد میں میرے اور ابا کے درمیان خاصی گرم گرمی ہوئی۔ پہلے کبھی ہم دونوں میں اتنی سخت باتیں نہ ہوئی تھیں۔ پہلے تو ابا نے مجھے ہر طرح سمجھانے کی کوشش کی اور پھر دنیا جہاں کی دھمکیاں، سڈالیں۔

حالانکہ میرے پال نے اپنی پر جوش تقریر سے دارالعوام میں ایک تہلکہ مچا دیا تھا۔ یہ وہ ابا کو مرعوب نہ کر سکا تھا بلکہ یوں کہنا مناسب ہوگا کہ ابا قصد امرعوب نہ ہوئے تھے۔ چنانچہ میں اور بابا پال کی تقریر کے متعلق کسی ایک بات پر بھی متفق نہ ہو سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہم دونوں میں کتے اور بلی کی قسم کا جھگڑا ہوا۔

ابا نے دنیا بھر کی برائیاں پال سے منسوب کرتے ہوئے ارضی و سماوی لعنتیں اس کے سر پر تھوپ دیں۔ اسی پر بس نہ کرتے ہوئے انہوں نے بیچارے پال کی سات پشتوں تک میں کیڑے ڈال دیے۔ جب اس سے فرصت پائی تو مجھے طرح طرح کی دھمکیاں دینے لگے اگر میں نے فوراً ہی پال کے متعلق قطع تعلیق نہ کر لیا تو وہ یوں کریں گے اور وہوں کریں گے۔ غالباً یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ میں نے پال سے قطع تعلیق کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اب تو ابا بہت جھنجھٹا ہوئے وہ بیوقوف مسیح پاک ماں اور مقدس دیوی کا نام لے لے کر مجھے ساس مندوں کی بددعا میں دینے لگے۔ ہاں مجھے اپنی اکلوتی بیٹی کو جس سے انہیں بہت زیادہ محبت ہے۔

آخر کار انہوں نے لعنت مامت اور پھنکار کے سیلاب میں مجھے کمرے سے باہر نکال دیا۔ جب ابا نے مجھے کمرے سے گویا نکال دیا تو میں سیدھا اس شخص کے پاس پہنچی جسے میں سڑک پر سے اٹھوالا کی تھی۔ رات زیادہ گزر چکی تھی۔ میں پریشان تھی۔ تھکی ہوئی تھی۔ تاہم اپنے کمرے میں جانے سے پہلے میں اس شخص کی طبیعت معلوم کرنا چاہتی تھی۔ مجھے کچھ یوں احساس تھا کہ وہ اجنبی کسی نہ کسی طرح میرے اور پال کے درمیان واسطہ بنا ہوا ہے میں نہیں جانتی کہ اس احساس کی بنیاد کیا تھی۔ جب میں اس کے بستر کے قریب پہنچی تو وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ بالکل اسی طرح جس طرح صبح سڑک پر اٹھ کے بیٹھ گیا تھا۔ پھر اس نے سامنے دیکھا دیکھتا رہا اور کر بناک آواز میں کہا۔

”ہوشیار! پال لٹھیاں بھونکا۔“

میں سمجھ ہی نہ سکی کہ اس کا مطلب کیا تھا۔ تاہم یہ عجیب بات ہے کہ جیسے ہی اس کے منہ سے یہ الفاظ نکلے کہ مجھ پر یکایک شدید خوف طاری ہو گیا اور میری ٹانگیں کا پٹنے لگیں اور فوراً ہی مجھے احساس ہوا کہ میں غیر ارضی اور بھیا تک چیز کے سامنے کھڑی ہوں حالانکہ میں اسے دیکھ نہ سکی۔

اب رہا وہ مریض تو اس کی یہ حالت ہوئی کہ یہ الفاظ کہتے ہی وہ بے چینی سے بستر پر ڈھلے گیا۔ اس پر غنودگی یا بے ہوشی طاری ہو چکی تھی۔ نرس جو اس پر چھٹی ہوئی تھی سر ہلا کر بولی۔

سڈنی آتھرن نے بھی مجھ سے شادی کی درخواست کی تھی۔ یہ تو بڑی مضحکہ خیز بات تھی۔ پال بڑھاتا تھا کہ ہم اپنی نسبت کا اعلان فی الحال نہ کریں اور ہم نے ایسا ہی کیا۔ چنانچہ سڈنی کو بھی معلوم نہ تھا کہ میری نسبت پال سے ہو چکی ہے اس نے شادی کی درخواست کی اور میں نے انکار کر دیا۔

اسے صدمہ تو بہت تھا لیکن وہ ایک عمدہ بھائی اور دوست ثابت ہو سکتا ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ میں نے اسے بھائی اور دوست کے علاوہ کچھ اور سمجھا ہی نہیں۔ چنانچہ جب بھی ضرورت ہوگی۔ میں اس سے مشورہ لوں گی۔ اس کے مشورے مخلصانہ اور صحیح ہوتے ہیں۔ اور تعجب ہے کہ خلاف امید اس سے مشورہ لینے کی ضرورت بہت جلد پیش آگئی۔

دوسرے دن ایک واقعہ ہوا۔ بے شک میرا اشارہ اس شخص کی طرف ہے جو تقریباً عریاں حالت میں ہمارے گھر کے سامنے بے ہوش پڑا تھا میں بیٹھنے سے راستہ بناتی اس شخص تک پہنچی۔ میں نے فوراً ہی ایک آدمی کو ڈاکٹر کالٹ کو بلائے روانہ کیا جو زیادہ دور نہیں ہے۔ ابھی وہ آدمی ڈاکٹر کالٹ کو بلائے روانہ ہوا ہی تھا کہ سڑک پر پڑا ہوا شخص جسے سب مردہ تصور کر چکے تھے۔ ایک دم سے اٹھ بیٹھا۔ اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ اس کی آنکھیں پھٹی ہوئی اور بے نور سی تھیں۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا دیئے اور ساتھ ہی اس پر لرزہ طاری ہو گیا اور پھر وہ چیخا۔ اس شخص کی طرح جس نے بھوت دیکھ لیا ہو۔

”ہوشیار! لٹھیاں بھونکا۔“

میں دم بخود رہ گئی۔ یہ شخص کیا جانتا ہے میرے پال کے متعلق؟ کیوں اس نے پال کو خبردار کیا ہے۔ یقیناً یہ کوئی راز ہے۔ جس پر سے پردہ اٹھانا ضروری ہو گیا ہے۔ اس نے دو دفعہ پال کا نام لیا ہے اور بے حد عجیب آواز میں اور اب یہ معلوم کرنا میرا کام ہے کہ اس نیم پاگل اور مرے شخص کا پال سے کیا تعلق ہے۔ ممکن ہے وہ پال کا کوئی دوست ہو اور اسے کسی خطرے سے خبردار کر رہا ہوں۔ ممکن ہے خود قدرت نے اس شخص کو میرے دروازے کے سامنے لایا ہو۔ چنانچہ یہ ہی خیالات تھے جنہوں نے مجھے ایک دفعہ ایسا فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا جو میں اگر حالات مختلف ہوتے تو کبھی نہ کرتی۔

میں اسے اپنے گھر میں اٹھوالا کی اور پھر ڈاکٹر صاحب کی طرف گھوم گئی جو ابھی ابھی آئے تھے۔

”کیا ہوا ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ سکتے کا مریض ہو یا نہ بھی۔ فی الحال میں ابھی اس کا مرض سمجھ نہیں سکا۔ جب سمجھ لوں گا تو تمہیں بتا دوں گا۔“

چنانچہ اس شخص کا مرض ایک عمدہ بنا رہا۔ ڈاکٹر صاحب نے کچھ نہ بتایا اور خود مریض کی حالت ایسی ہو رہی تھی کہ وہ اپنے باپ کو بھی پہچان نہ سکتا تھا۔ چنانچہ وہ کیا بتاتا کہ میرے پال سے اس کا کیا تعلق ہے۔ میں اور پریشانی۔ میرا خیال تھا کہ ابا پر گھٹیا کا شدید دورہ پڑا ہوا ہے اور خود ابا بھی اسی وہم میں مبتلا تھے۔

حقیقت ہے۔ اس نے میری حالت عجیب کر دی تھی، مجھے سمجھایا گیا۔ خدا جانے کس طرح کہ وہی چیز جو میرے کمرے میں تھی پال کے ساتھ بھی تھی اور یہ کہ جس طرح میں خوفزدہ تھی پال بھی خوفزدہ تھا۔ میں کسی انجانے خطرے میں گھری ہوئی تھی اور پال بھی اور اس خطرے کو پال محسوس کر رہا تھا۔ لیکن میں اس کی مدد کے لئے اپنی ایک انگلی تک نہ ہلا سکتی تھی۔ لیکن یہ خطرہ کیا تھا۔ کس کی طرف سے تھا؟ میں نہ جان سکتی تھی اور پھر میں نے کچھ دیکھا۔ یا مجھے دکھایا گیا۔ خدا جانے کس طرح۔۔۔!

میں نے دیکھا کہ میں دیوار کے آ پار دیکھ سکتی ہوں۔ جیسے وہ شفاف کالج کی دیوار ہو۔ میری نظر کے سامنے فاصلے سمٹ گئے۔ میری نظر کی راہ میں کوئی چیز حائل نہ تھی اور میں نے ایک لرزہ خیز منظر دیکھا مجھے نظر آیا کہ پال۔ میرا پال فرش پر گھڑی بنا پڑا تھا اور اس طرح کے اس کے گھٹنے اس کے پیٹ میں گھسے ہوئے تھے اور وہ اپنا چہرہ ڈھانکے پاگلوں کی طرح مسلسل چیخ رہا تھا۔ یہ منظر ابتدا میں وحشت لادھندلا سا تھا۔ پھر زیادہ صاف ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ وہ مجھے اپنا وہم نہیں بلکہ حقیقت معلوم ہوئی اور پھر میں برداشت نہ کر سکی۔

”پال پال۔۔۔“ میں چیخ پڑی۔

فورا ہی وہ منظر غائب ہو گیا اور ایک بار میں نے پھر دیکھا کہ میں کسی اور جگہ نہیں بلکہ اپنے کمرے میں کھڑی ہوئی تھی اور بتیاں جل رہی تھیں۔ یعنی کمرے میں اندھیرا نہ تھا اور یہ کہ میں نے اب تک اپنے کپڑے نہ اتارے تھے۔

”کہیں میں پاگل تو نہیں ہو گئی۔“ میں نے سوچا۔

میں نے سنا کہ پاگل پن کی علامتیں عجیب عجیب ہوتی ہیں اور اس کے مدارج ہوتے ہیں۔ تو میں پاگل پن کے کون سے درجہ میں تھی۔ اور اگر میں پاگل ہوتی جا رہی تھی تو اس کا سبب کیا تھا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے میرے دل و دماغ کو کوئی صدمہ نہ پہنچا تھا۔ کوئی ایسا واقعہ نہ ہوا تھا جو میرے پاگل پن کا باعث ہوتا۔ یہ تو بہر حال حقیقت تھی۔ کوئی بھی یوں ایک دم سے بغیر کسی سبب کے پاگل نہیں ہو جاتا۔ ابتدا میں تو پاگل پن کے آثار نمودار ہوتے ہیں جو مہینوں بلکہ برسوں قائم رہتے ہیں اور پھر ان آثار کو سمجھ کر دور کرنے کی کوشش نہ کی جائے تب آدمی پاگل ہو جاتا ہے۔ لیکن میرے ساتھ کوئی ایسی بات نہ ہوئی تھی۔ میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ وہ منظر آنے سے پہلے میں پاگل اچھی تھی میں تمہی کہتی ہوں کہ میری خبر اس کا آغاز ابھی تھوڑی دیر پہلے ہوا تھا اس وقت جب اس مریض نے جسے میں گھر میں لائی تھی۔ بے حد عجیب آواز میں کہا تھا۔

”ہوشیار! پال لنگھام۔ بھوزا۔۔۔“

اس کے یہ الفاظ میرے کانوں میں گونج رہے تھے۔

”یہ کیا ہے۔“

میں چونکی۔ میری پشت کی طرف سے بھنبھناہٹ کی آواز آرہی تھی میں یہ دیکھنے کے لئے کہ وہ کس چیز کی آواز ہے ایک دم سے گھوم گئی۔ میرے ساتھ آواز بھی گھوم گئی۔ یعنی وہ اب بھی میری پشت کی طرف

”یہ تو پھر چل بسا۔ اس دفعہ یہ واقعی مر گیا ہے۔“ نبض ذرا بھی نہیں چل رہی ہے۔ بہر حال ایسا بات میں یقین سے کہہ سکتی ہوں۔ اس شخص کے ساتھ کوئی بڑا ہی بھیانک واقعہ ہوا ہے۔ یا پھر کسی نے اس پر سحر کر دیا ہے کوئی بھی مرض انسان کی یہ حالت نہیں کر سکتا۔ اس نے گردن اٹھا کر میری طرف دیکھا میرے بشرے سے غالباً خاص قسم کے جذبات کا اظہار ہو رہا تھا۔ کیونکہ نرس ایک دم گھبرا گئی۔

”کیا بات ہے مس انڈن۔ میرے خداتم تو سخت بیمار معلوم ہوتی ہو؟“

میں واقعی کچھ بیمار تھی۔ لیکن میں نرس کو سمجھا نہ سکی کہ مجھے کیا ہوا تھا میں خود ہی نہ سمجھ سکتی تھی اپنی حالت کو۔ اس کے علاوہ ایک بات یہ بھی ہوئی تھی کہ میری زبان میرے اختیار میں نہ رہی میں بھلا کے بولی۔

”ٹھیک ہے ٹھیک ہے میں واقعی کچھ بیمار ہوں۔ اب سونا چاہئے چل کر۔“

اور میں لڑکھڑاتے قدموں سے دروازے کی طرف چلی نرس پچھی پچھی آنکھوں سے میری طرف دیکھتی رہی۔ جب میں کمرے سے باہر آئی تو خدا جانے کیوں اور کس طرح مجھے احساس ہوا کہ کوئی دوسری چیز بھی میرے ساتھ ساتھ کمرے سے باہر آگئی ہے اور اب میں اس چیز کے ساتھ برآمدے میں اکیلی تھی اس نظر نہ آنے والی ہستی کے وجود نے مجھے اتنا خوفزدہ کیا کہ میں بے اختیار پیچھے ہٹ کے دیوار سے لگ گئی۔

میں نہیں جانتی کہ اپنی خواب گاہ میں کس طرح پہنچی۔ میری ملازمہ فائش میری منتظر تھی۔ اس کی موجودگی ایک لمحہ تک میری ذہن بند حسیاتی رہی یہاں تک کہ مجھے احساس ہوا کہ وہ کچھ عجیب نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

”ماداموئیل کی طبیعت کچھ ٹھیک معلوم نہیں ہوتی۔“ وہ بولی۔

”نہیں تو اچھی ہوں البتہ کچھ ٹھیک گئی ہوں۔ تم جاؤ فائش میں خود ہی کپڑے اتار لوں گی۔“

اور جب وہ چلی گئی تو میں ایک دم سے گھبرا گئی اور میں نے سوچا کہ کاش میں نے اس کو اپنے پاس بیٹھائے رکھا ہوتا۔ مجھ پر خوف مسلط ہو گیا اور میں اپنی جگہ سے جہاں گھڑی تھی مل بھی نہ سکی۔ میں چلتی ہوں کہ اگر میں نے ایک قدم بھی آگے بڑھایا ہوتا تو زمین پر ڈھیر ہو جاتی۔ اس وقت میں اپنے آپ کو بڑی بہادر اور نڈر سمجھتی ہوئی تھی اور یہ حقیقت بھی ہے کہ میں بزدل نہیں ہوں۔ بھوت پریت اور ان دیکھے سایوں سے نہیں ڈرتی۔ میں نے اپنے آپ سے کہا کہ میں نرسی احمق ہوں اور یہ کہ صبح میں اپنی بزدلی پر نہ صرف شرمندہ نظر آؤں گی بلکہ اپنے آپ کو بھی ملامت کروں گی۔

”مار جو رہے“ میں نے اپنے آپ سے کہا۔ ”تم بزدل اور احمق نہیں ہو تمہارا یہ وہم بے وجہ ہے بہت سے کام لو۔“

لیکن ایسا نہ ہو۔ میں بہت سے کام نہ لے سکی میرا خوف دور ہونے کے بجائے دوگنا ہو گیا اور ساتھ ہی ساتھ یہ احساس بھی شدید ہو گیا کہ میں کمرے میں اکیلی نہ تھی بلکہ کوئی ہستی میرے ساتھ اس کمرے میں موجود تھی۔ پھر ایک عجیب انکشاف ہوا میں نہیں جانتی کہ یہ انکشاف کیوں ہوا اور کس طرح ہوا لیکن یہ

تھی۔ میں چند ثانیوں تک بے حس و حرکت کھڑی رہی اور پھر اپنی ایزلیوں پر دائیں طرف گھوم گئی۔ لیکن وہ آواز مجھ سے زیادہ تیز اور چالاک ثابت ہوئی۔ وہ اب بھی میرے پیچھے تھی۔
میں خاموش کھڑی اس کی آواز سنتی رہی۔ کیا چیز تھی وہ جو میرے پیچھے منڈلا رہی تھی۔ کیا چیز تھی جو وہ میرے سامنے آئی نہ تھی۔

بجنھناہٹ کی آواز بہت زیادہ صاف تھی۔ وہ مکھی یا بھڑکی بجنھناہٹ تھی۔
یا کیا کہیں وہ بھونرا تو نہ تھا؟

میں یوں بھی بھونروں سے ڈرتی ہوں مجھے اس سے کھن آتی ہے اور جہاں بھونرا ہو وہاں سے میں بھاگ پڑتی ہوں۔ لیکن اس رات بھونرا میرے کمرے میں تھا۔ صرف کمرے میں ہی نہیں بلکہ میری گدی کے قریب منڈلا رہا تھا اور میں اسے دیکھ نہ سکتی تھی۔
میں لرز کر رہ گئی۔

میرا خوف انتہا کو پہنچ گیا۔ مجھے اپنی قوتیں پکھلتی محسوس ہوئیں میں بستر کی طرف بھاگی وہاں پہنچ کر میں گھنٹوں پر گر گئی۔ میں نے دعا مانگنے کی کوشش کی لیکن میں اس میں کامیاب نہ ہو سکی۔ یکا یک ایک بات کا انکشاف ہوا۔ کوئی شیطانی قوت میرے کمرے میں محسوس آئی تھی۔ اگر میں خدا کو پکار سکتی تو اس قوت کا زور ٹوٹ جاتا۔ لیکن افسوس میں خدا کو پکار نہ سکی۔ میں مجبور تھی۔ میں بے بس تھی۔

میں نے بستر پر گر کے پٹیکے میں اپنا منہ چھپا لیا اور اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں۔ لیکن اب بھی میں اس آواز کو سن سکتی تھی وہ بدستور میری پشت کی طرف سے آرہی تھی۔
ایک بھیانک چیخ کے ساتھ میں اٹھی اور دائیں بائیں آگے پیچھے ہوا میں گھومنے چلانے لگی۔ لیکن میرا ایک بھی گھومنے کی چیز پر نہ پڑا۔ وہ بھڑ یا بھونرا یا جو کچھ بھی تھا میری پیٹھ کی طرف رہا۔

دیوانوں کی طرح میں نے اپنے کپڑے پھاڑ دیئے۔ اس وقت میں ایک بے حد قیمتی اور عمدہ فراک پہنے ہوئے تھی۔ یہ فراک پال کو بھی بہت پسند تھا اور یہ فراک پائمن کے جب میں نے اپنا مکس آئینہ میں دیکھا تھا تو نہایت فخر سے سوچا تھا کہ ایسا فراک کسی کے پاس نہ ہوگا اس فراک میں بہت زیادہ حسین معلوم ہوتی تھی اور میں نے سوچا کہ اسے سنبھال کر رکھوں گی اور خاص خاص موقعوں پر پہنوں گی۔ لیکن اب میں یہ سب باتیں بھول گئی تھی۔ میں اپنے اور پال کے پسندیدہ فراک کے چیتھڑے اڑا رہی تھی۔ میں جلد از جلد اسے اتار بیچینگنا چاہتی تھی۔ میں نے اسے پھاڑ کے اتار پھینکا اور پھر اسے میں نے اپنے پیروں میں روند ڈالا خدا جانے کیوں۔ حالانکہ جانتی تھی وہ فراک پال کو بہت پسند تھا پھر میں بستر پر لیٹ گئی اور ہاتھ بڑھا کے بتی بجھا دی۔

اور پھر میں نے اپنے آپ کو گدے اور کبل میں دفن کر دیا۔

میرا معمول تھا کہ اندھیرے میں میں اپنے خوشگوار مستقبل کے متعلق سوچا کرتی تھی۔ لیکن اس رات ایسا نہ ہوا۔ اس رات میں نے بتی بجھا کے سخت غلطی کی تھی۔ اندھیرے نے میرے خوف میں اضافہ کر دیا۔
میرا جی چاہا کہ میں بتی جلا دوں لیکن میں ایسا نہ کر سکی۔

میں بستر میں دیکھی کانپ رہی تھی۔ اور بجنھناہٹ کی آواز میرے سر پر منڈلا رہی تھی۔ خاموشی اور اندھیرے نے اس آواز کو اور زیادہ تیز کر دیا وہ چیز جس کی وہ آواز تھی۔ میرے بستر پر منڈلا رہی تھی اور دم بدم میرے قریب ہوتی جا رہی تھی۔

اور پھر وہ بھونرا یا جو کچھ بھی وہ تھا آہستہ سے کبل پر جو میں اوڑھے ہوئے تھی۔ بیٹھ گیا۔ میں اس وقت کی سنسنی کو بیان نہیں کر سکتی۔ وہ کبل پر بیٹھ گیا اور میں نے اس کا بوجھ محسوس کیا۔ کوئی ایک ٹن کا بوجھ مجھ پر رکھ دیا گیا تھا۔ میرا دم گھٹ رہا تھا۔ میں نہیں کہہ سکتی کہ اس بوجھ میں حقیقت کتنی تھی اور میرا وہم کتنا تھا۔ یقین نہیں آتا کہ کوئی بھونرا اتنا وزنی ہو سکتا ہے ممکن ہے وہ اتنا وزنی نہ ہو۔ میرے خوف نے اسے اتنا وزنی بنادیا ہو۔

چند ثانیوں تک وہ بھونرا جو کچھ بھی تھا۔ کبل پر بے حرکت بیٹھا رہا اور میں سانس روکے پڑی رہی۔ پھر وہ چلنے لگا۔ میں اسے چلتے محسوس کر رہی تھی۔ وہ ڈولتا ہوا چل رہا تھا۔ اور غالباً ہر قدم کے بعد رک جاتا تھا۔ اور رک کر پھر چلنے لگتا تھا وہ نہایت یقین اور اطمینان کے ساتھ میرے سر کی طرف بڑھ رہا تھا اور میرا دل ڈوبتا جا رہا تھا۔ وہ جیسے خاموش ہو رہا تھا۔ اس کی دھڑکن ختم ہو رہی تھی۔ اور میں اپنی ایک انگلی تک نہ ہلا سکتی تھی۔ مجھ پر سکتہ طاری تھا۔

آخر کار وہ بستر کے سر ہانے تک پہنچ گیا اور اب وہ اندر گھسنے کے لئے راستہ تلاش کر رہا تھا مجھے ٹھنڈے پسینے چھوٹ گئے۔ حیران ہوں کہ اس وقت مارے خوف کے میری حرکت قلب بند کیوں نہ ہو گئی۔

میں اسے قریب آتے محسوس کر رہی تھی میں جانتی تھی کہ وہ عین میرے سر پر تھا میں جانتی تھی کہ اس سے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔
اور اس رات زندگی میں پہلی دفعہ مجھ پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ خدا کا شکر ہے کہ میں بے ہوش ہو گئی۔ اگر نہ ہو گئی ہوتی تو خدا جانے کیا ہو جاتا۔

صبح میں سڈنی کے پاس دوڑ گئی۔ اور اسے پوری کہانی سنا دی سڈنی نے دیکھا کہ رات کے واقعات بری طرح میرے ظاہر و باطن پر اثر انداز ہوئے تھے وہ بڑے غور اور توجہ سے میری کہانی سنتا رہا۔ یہاں تک کہ یہ حیرت انگیز انکشاف ہوا کہ اس عرصہ میں ابابا اسی کمرے میں پروے کے پیچھے چھپے میری باتیں سنتے رہے تھے چنانچہ میں نے ان دونوں کو کھڑی کھڑی سنا ڈالیں اور وہاں سے چلی آئی۔

جب میں غصہ میں بجنھناہٹ گھر پہنچی تو معلوم ہوا کہ مرلیض کو ہوش آ گیا ہے چنانچہ میں یہ معلوم کرنے کے لئے بے تاب ہو گئی کہ اس شخص کا پال سے کیا تعلق ہے اور اس نے پال کو کون سے خطرے سے خبردار کیا

تھا۔ شوق تجسس سے بے تاب ہو کر میں سیدھی اس کے کمرے میں پہنچی۔

جب اسے یہ معلوم ہوا کہ میں کون ہوں تو اس نے مجھے بشرے سے کرب اور احسان مندی کے آثار ہویدا ہوئے۔ اس کی آواز کمزور ہونے کے باوجود ایک شریف اور تعلیم یافتہ شخص کی آواز تھی۔ جیسے جیسے وہ بولتا گیا اس کی آواز میں تیزی، خلوص اور ہمدردی آتی آگئی اور اس نے ایک عجیب کہانی سنائی۔

اور اس وقت میں نے سوچا کہ میں خواہ خواہ سنڈنی سے خفا تھی۔ وہ میرا بہترین اور مخلص دوست تھا۔ وہی ایک ایسا شخص تھا جو میرے کام آسکتا اور میری بہت سی مشکلات آسان کر سکتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ بڑا ہی دوراندیش اور سلجھے ہوئے خیالات کا مالک تھا اور کسی بھی معاملے کی تہہ تک پہنچ جاتا تھا چنانچہ اس وقت مجھے سنڈنی کے سہارے کی ضرورت بھی چنانچہ میں نے ایک ملازم کو دوڑا دیا کہ وہ سنڈنی کو بلا لائے۔

ملازم سنڈنی کو لے کر پانچ بجے منت میں آگیا۔ معلوم ہوا کہ وہ ڈور اگے ٹنگ کے ساتھ دو پہر کا کھانا کھا کر واپس آ رہا تھا کہ راستے میں ہی اس کی ملاقات میرے ملازم سے ہو گئی۔ اور وہ راستہ میں ہی سے پلٹ کر میرے ملازم کے ساتھ ہولیا۔ میں نے اپنے کمرے میں سنڈنی سے ملاقات کی۔

”سنڈنی! میں چاہتی ہوں کہ تم اس کمرے میں جا کر اس عجیب و غریب مریض کی کہانی خود اس کی زبانی معلوم کرو۔“

”بڑے شوق سے۔“

”کیا میں تم پر اعتبار کر سکتی ہوں؟“

”میں سمجھا نہیں۔“

”تو میں سمجھائے دیتی ہوں کیا میں یقین کر لوں کہ تم میرے راز کو اپنا راز سمجھو گے اور کسی کو پردے کے پیچھے نہ چھپاؤ گے۔“

اس کا چہرہ شرم و خجالت سے سرخ ہو گیا۔

”مار جو رہے۔ وہ ایک اتفاق تھا یقین کر دو تمہارا راز میرا راز ہے میں کسی سے اس کا ذکر نہ کروں گا۔“

”اچھا تو یہ سمجھ لو سنڈنی میں تمہارا امتحان لے رہی ہوں اور اب تمہیں یہ ثابت کرنا ہے کہ تمہیں واقعی مجھ سے اتنی ہی ہمدردی اور محبت ہے جس کا تم دعویٰ کرتے ہو۔“

چند سیکنڈ بعد ہی ہم مریض کے کمرے میں تھے۔ سنڈنی سیدھا مریض کے بستر کے قریب پہنچا۔ اس نے غور سے مریض کی طرف دیکھا اور اپنے دونوں ہاتھ پتلون کی جیبوں میں ٹھونس کر حیرت سے سیٹی بجا کے بولا

”اچھا تو یہ آپ ہیں۔“

”تو کیا تم جانتے ہو انہیں؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”یہ تو میں دعویٰ نہیں کرتا کہ میں انہیں جانتا ہوں البتہ ایک دفعہ اتفاقاً ان سے یوں ہی راہ چلتے ملاقات ہوئی تھی۔ شاید یہ حضرت بھی مجھے پہچانتے ہیں کیوں جناب پہچانتا مجھے؟“

مریض بے چین ہو رہا تھا جیسے سنڈنی کے لب و لہجے نے اسے بدحواس کر دیا ہو اور وہ کچھ کہتے ڈر رہا

ہو۔

”جی پہچانتا ہوں آپ وہی ہیں نا جن سے ایک رات سڑک پر اچانک ملاقات ہو گئی تھی۔“

”بالکل۔ اور آپ وہی ہیں نا جو کھڑکی میں سے دھم سے کودے تھے گویا جو کام ہوا ہم سے وہ رستم سے نہ ہوگا۔ لیکن اس وقت آپ کی ایسی حالت نہ ہو رہی تھی جیسی کہ اس وقت دیکھ رہا ہوں۔“

پھر وہ میری طرف محسوس کے بولے۔ ”مار جو رہے اگر تم پرانا مانو تو میں ان صاحب سے تمہائی میں چند سوالات پوچھنا چاہتا ہوں۔“

”یہ برائے کی ایک ہی کہی اگر تم نے مجھے یہاں سے چلا کر دیا تو بیشک مجھے برا معلوم ہوگا تم کیا سمجھتے ہو کہ میں نے تمہیں یہاں کس لئے بلایا ہے؟“

سنڈنی مسکرایا اس کی یہ مسکراہٹ جبری اور بے موقع تھی۔

”غالبا یہ بات ثابت کرنے کے لئے کہ تم مجھ سے خفا ہو اور یہ کہ مجھ پر اعتبار ہے۔“

”بلکہ اس نہ کرو ان صاحب نے نہایت ہی عجیب و غریب کہانی سنائی ہے مجھے اور میں نے تمہیں اس لئے بلایا ہے کہ تم بھی یہ کہانی سن لو لیکن اسکیل میں نہیں بلکہ میری موجودگی میں۔“

”اچھا تو پھر بہتر ہوگا کہ تم اس کرسی پر بیٹھ جاؤ آرام سے یقیناً یہ عجیب و غریب کہانی خاصی طویل ہوگی اور تم کھڑے کھڑے تھک جاؤ گی۔“

میں کرسی میں بیٹھ گئی۔ سنڈنی پلنگ پر بیٹھ گیا اور بڑے غور سے انجینی کی صورت دیکھنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔

”ہاں تو جناب اب سنائیے اپنی وہ کہانی جو بقول مار جو رہے عجیب و غریب ہے۔ لیکن مناسب معلوم ہوگا۔ ہم اس کہانی کا آغاز خالص ادبی ڈھنگ سے کریں چنانچہ یہ تو بتائیے کہ آپ کا نام کیا ہے؟“

”رابرٹ ہالٹ۔“

”اچھا تو مسٹر رابرٹ ہالٹ شروع کیجئے۔“

چنانچہ رابرٹ ہالٹ نے لفظ بہ لفظ وہ کہانی سنائی جو وہ مجھے سنا چکا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اس دفعہ کی کہانی نسبتاً مسلسل تھی۔ اس نے بتایا کہ وہ کتنا بھوکا اور تھکا ہوا تھا اور جب اسے غریب خانے میں جگہ تک نہ ملی تو اسے کتنی مایوسی ہوئی اور پھر کس طرح اسے ایک کھلی کھڑکی نظر آئی اور یہ کہ وہ کس طرح اس مکان میں جو خالی معلوم ہوتا تھا گھس پڑا۔ اور یہ کہ اس نے کس طرح اپنے آپ کو ایک غیر معمولی طور پر بھیانک آدمی کے سامنے کھڑا پایا اور یہ کہ کس طرح اس بھیانک آدمی نے پال کے خلاف اپنی شدید نفرت کا اظہار کیا اور کس طرح اسے رابرٹ ہالٹ کو پال کے یہاں چوری کرنے بھیجا اور ہالٹ اس طرح اس کا حکم بجالایا۔ اور یہ کہ کس طرح جب وہ چوری کر رہا تھا تو پال آگیا۔ اور جب ہالٹ نے چیخ کے بھونکا تو کس طرح پال پر خوف طاری ہو گیا اور اس نے ہالٹ کو اپنے گھر سے جانے دیا۔

ہالٹ کی کہانی پہلی دفعہ بھی مجھے کچھ کم حیرت انگیز معلوم نہ ہوئی تھی لیکن دوسری دفعہ اس کی کہانی اور بھی زیادہ حیرت انگیز معلوم ہوئی۔ لیکن سنڈنی پر سکون تھا اس کے بشرے سے ذرا بھی حیرت کا اظہار نہ ہو

رہا تھا چنانچہ میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی کہ وہ پہلے بھی یہ کہانی سن چکا ہے۔ چنانچہ ہالٹ خاموش ہوا تو میں نے اس سے پوچھا۔

”عالمیاب یہ کہانی تم پہلے بھی سن چکے ہو نا۔“

”ایسی کوئی بات نہیں ہے یہ کہانی میں نے پہلی دفعہ سنی ہے۔“

لیکن مجھے یقین نہ آیا۔ مجھے شک ہوا کہ وہ مجھ سے کوئی بات چھپا رہا ہے۔

”سڈنی چھپانے کی کوشش نہ کرو یہ کہانی تم نے پال سے سنی ہے۔“

”میں تم سے کچھ نہیں چھپا رہا۔ یقین کرو کم سے کم اس وقت کچھ نہیں چھپا رہا۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ لنگھام نے مجھ سے کچھ نہیں کہا۔ لیکن مناسب ہو گا کہ اس بحث کو ہم کسی اور وقت کے لئے اٹھا کر رکھیں۔ چنانچہ اب اجازت ہو تو میں تمہارے مریض سے چند سوالات پوچھ لوں۔“

چنانچہ میں نے بھی اس وقت بحث کرنا مناسب نہیں سمجھا حالانکہ مجھے یقین ہو چلا تھا کہ سڈنی مجھ سے چھپا رہا ہے اور یہ کہ وہ ہالٹ یا اس کی کہانی سے اچھی طرح واقف ہے۔

سڈنی چند ثانیوں تک خاموشی سے مسٹر ہالٹ کی طرف دیکھتا رہا اور پھر نہایت کرخست آواز میں بے یقینی سے بولا۔

”مسٹر ہالٹ میں سمجھتا ہوں کہ تم نے کسی خاص مقصد کے تحت ایک جھوٹی اور من گھڑت کہانی سنائی ہے چنانچہ اطلاع عرض ہے کہ تم نے جو کچھ کہا ہے اس کا ایک لفظ بھی ہم نے تسلیم نہیں کیا۔“

”میں نے جو کچھ کہا ہے اس میں جھوٹ کا شائبہ تک نہیں اور نہ ہی میرے پیش نظر کوئی خاص مقصد ہے اور یہ تم بھی جانتے ہو کہ میں نے جو کچھ کہا ہے سچ ہے۔“

ہالٹ کی اس بات نے سڈنی کو بھونچکا کر دیا۔

”مسٹر ہالٹ مس لنڈن کی طرح تم نے بھی میرے متعلق غلط اندازہ لگایا ہے۔ تم دونوں اسی وہم میں مبتلا ہو کہ میں بہت کچھ جانتا ہوں حالانکہ یہ حقیقت نہیں ہے خیر تو ہم اس بحث کو یہیں ختم کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ سراسر غیر ضروری ہے ہاں تو میں سمجھتا ہوں کہ تم نے اس پر اسرار مکان کے پر اسرار کمپن کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دے دی ہے اور یہ کہ تم اسے بھلا نہیں سکتے۔“

ہالٹ کانپ گیا۔

”میں اسے بھی بھلا نہ سکوں گا۔“ وہ بولا۔

سڈنی نے سر ہلایا۔

”مطلب یہ ہے کہ تم اسے نہ بھولے ہو اور نہ اس مکان کو جس میں وہ رہتا ہے۔“ ہالٹ نے کوئی جواب نہ دیا۔

”تھیرا سمجھ کچھ زیادہ دور نہیں ہے۔“ سڈنی نے کہا۔ ”اگر تم فحاشت محسوس نہ کر رہے ہو اور تمہاری طبیعت ٹھیک ہو تو ہم نامتے میں بیٹھ کر اس پر اسرار مکان کو ایک نظر دیکھیں گے۔“

”میں اب اچھا ہوں۔ میں تو آج صبح ہی چلتا پھرتا ہو گیا ہوتا لیکن ڈاکٹر صاحب کا حکم ہے کہ ابھی

میں آرام کروں۔“

”چنانچہ آج ہم ڈاکٹر صاحب کے حکم کی سرطانی کریں گے اور میرے خیال میں اس میں کوئی برائی نہیں باہر کی کھلی اور تازہ ہوا تمہارے لئے مفرح ثابت ہوگی۔“ سڈنی میری طرف گھوم گیا۔

”چونکہ مسٹر ہالٹ کا جبہ کندہ ہو رہا ہے اس لئے تم انہیں کسی کا ایک سوٹ ادا سوٹ کی واپسی کا ذمہ دار میں ہوں مسٹر ہالٹ تم تیار ہو لو تب تک میں آتا ہوں ڈرا۔“

جب ہالٹ کپڑے تبدیل کر رہا تھا ہم دونوں ایک دوسرے کمرے میں آ گئے۔ عالمیاب یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ تمہارے ساتھ میں بھی چل رہی ہوں۔ میں نے کہا۔

سڈنی یوں خاموش رہا جیسے اس نے کچھ سنا ہی نہیں۔

”میں بھی چل رہی ہوں تمہارے ساتھ۔“ میں نے کہا۔

”میرے ساتھ چل رہی ہو؟ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ لیکن کہاں؟“

وہ انجان بن کے بولا۔

”وہاں جہاں تم ہالٹ کے ساتھ جا رہے ہو۔“

”اس بھوت بنگلے میں۔“

”ہاں۔“

دیکھو بھی خواہ خواہ اپنے آپ کو ہالٹ نہ کر دے۔ ابھی ہالٹ کو وہ مکان تلاش کرنا ہے جب وہ مکان تلاش کر لے گا تو بعد میں میں تمہیں اس مکان کے ورژن کراؤں گا۔“

”نہیں میں اسی وقت چل رہی ہوں۔ چنانچہ تمہارا کچھ کہنا فضول ہے۔“

”یہ تو ظاہر ہی ہے کہ میرا کچھ کہنا ہر وقت فضول ہی ہوتا ہے اچھا اس گھر میں پستول وغیرہ تو ہوں گے۔“

”پستول پستول کیا کرنے ہیں۔“

”ممکن ہے ضرورت پڑ جائے۔ اگر پستول ہوں تو ایک مجھے مستعار دیدو چونکہ تم مجبور کر رہی ہو اس لئے کہتا ہوں کہ ممکن ہے پستول استعمال کرنا پڑے معاملہ کچھ ایسا ہی ہے ڈرا۔“

”تم ڈرانا چاہتے ہو مجھے۔“

میں ایسی کوئی بات نہیں کر رہا۔ البتہ یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ ہم کہیں تفریح کرنے یا پکنک پر نہیں جا رہے۔ چنانچہ ممکن ہے کہ ہمارا تمہارا سامنا کسی کچھ کے خطرے سے ہو جائے۔ تم جانو کہ وہ بھوت بنگلہ ہے۔“

”کچھ کچھ کے خطرے سے تمہارا کیا مطلب ہے۔“

”کچھ کچھ کے خطرے سے مطلب ہے ایسا خطرہ جو بھوٹا نہ ہو۔“

”یہ کیا الٹی سیدھی بات کہہ رہے ہو۔ جو کچھ کہنا ہے صاف صاف کیوں نہیں کہہ ڈالتے۔“

”صاف صاف اس لئے نہیں کہہ ڈالتا کہ میں خود کسی اطمینان بخش نتیجہ پر نہیں پہنچا ہوں۔ لیکن

سے چٹنی کھل گئی کہتے ہیں کہ چور اسی طرح کھڑکیاں کھولا کرتے ہیں۔

”مسٹر ہالٹ میرے آگے چلو اور مجھے راستہ بتاؤ مجھے اس کمرے میں لے چلو جہاں تمہارے ساتھ ایک حیرت انگیز واقعہ ہوا تھا۔“

پھر وہ میرے کان کے قریب منہ لاکے بولا۔

”اسنے ساتھ پستول لائی ہو؟“

میں چونگی۔ ”نہیں! مجھے کیا ضرورت ہے پستول کی؟“

سڈنی نے ایک ایسی بات کہی جو میرے خیال میں صرف ابا جب وہ غصے میں کہہ سکتے تھے۔ ”جج کہا ہے کسی نے عورتوں کی عقل ایڑی میں ہوتی ہے۔“

میں غصے ہو گئی۔ لیکن اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتی وہ بولا۔

”مار جوڑے اپنے حواس بجا رکھنا تم جو کچھ بھی دیکھو خدا کے لئے حیرت سے بت نہ بن جانا اور میرے قریب ہی رہنا۔ ورنہ تم جانو سنہا لانا میرے لئے مشکل ہو جائے گا۔“

میں نہ سمجھی کہ یہ ہدایات کیوں دی جا رہی تھیں۔ میرے نزدیک اس مکان میں کوئی خاص بات نہ تھی۔ سڈنی خواہ مخواہ راہی کا پہاڑ بننا ہوا تھا۔ تاہم مجھے اعتراف ہے کہ میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اور میں پوس محسوس کر رہی تھی جیسے کچھ ہونے والا ہے۔ سڈنی سے میں واقف تھی اور جانتی تھی کہ وہ کوئی بات بے وجہ نہیں کہتا۔ لیکن پھر بھی مجھے اس کی ہدایات اور احتیاط بے وجہ اور بے موقع نظر آتی۔ اس وقت میری عجیب حالت ہو رہی تھی اور میں کوئی فیصلہ نہ کر سکتی تھی۔

سڈنی کی درخواست بلکہ یوں کہئے کہ حکم کے مطابق ہالٹ نے ہماری راہبری کی اور کمرے کے اس دروازے تک لے گئے جو عین سامنے تھا دروازہ بند تھا۔ سڈنی نے کئی دفعہ دستک دی۔ کوئی جواب نہ آیا۔

”کوئی ہے؟“ سڈنی نے چیخ کے پوچھا۔

کوئی جواب نہ آیا۔ سڈنی نے دستہ گھمانے کی کوشش کی تو معلوم ہوا کہ دروازہ مقفل تھا۔

”یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس مکان میں کوئی موجود ہے دروازے اپنے آپ مقفل نہیں ہو جاتے۔“

سڈنی نے دروازے کا دستہ پکڑ کے زور سے گھمایا۔ دروازہ نہ کھلا اس نے پھر کوشش کی اور اس دفعہ اس نے دروازے کو جھجھوڑا۔ مکان اتار پڑا تھا کہ سڈنی کی اس کوشش نے اس کی دیواریں ہلا دیں لیکن دروازہ نہ کھلا۔

”اگر کوئی صاحب ہیں تو سیدھے دروازہ کھول دیں ورنہ میں توڑ دوں گا اسے۔“ کوئی جواب نہ ملا۔

”بہت اچھا اب میں اپنے طور کھولتا ہوں اسے۔“

اس نے اپنا پایاں کندھا دروازے پر ٹکا کے ایک زور کا دھکا دیا۔ سڈنی مضبوط اور طاقت ور آدمی ہے۔ دروازہ پرانا اور کمزور تھا۔ دو چار ہی دھکوں میں دروازہ کھل گیا۔

حالات اطمینان بخش نہیں ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ مائو یانہ مانو میں فضا میں خطرے کی بو پارہا ہوں۔ اس مکان میں تمہارے لئے خطرہ ہے مار جوڑے میں مذاق نہیں کر رہا ہوں میں سنجیدہ ہوں۔“

”تاہم میں چل رہی ہوں۔“

”تمہاری مرضی میں اپنا فرض ادا کر چکا۔“

میں نے ابا کا ایک پستول سڈنی کو دے دیا۔ اس نے پستول کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور پتلون کی اس جیب میں جو پچھلے کو لپے پر ہوتی ہے رکھ لیا اور چار پیپوں کی بھی میں ہم اس مکان اور اس کے پر اسرار مکین کا کھونگٹا لگانے روانہ ہو گئے۔

ہالٹ اتنا دبا پتلا تھا کہ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے ہانس کو پکڑے پہنا دیے گئے ہوں۔ اگر کوئی اور وقت ہوتا تو میں ہالٹ کا حلیہ دیکھ کر ہنس پڑتی۔ لیکن معاملہ ایسا تھا اور فضا اتنی سنجیدہ ہو رہی تھی کہ مسکراتک نہ سکی۔ میں نہیں جانتی کہ کبھی کتنی دیر تک چلتی رہی۔ آخر کار ایک جگہ بھی رگ گئی۔ ہالٹ بھی میں سے اتر پڑا۔ وہاں سڑک کے کنارے دو مکانات تھے۔ ہالٹ اس مکان کے سامنے جا کر جو لب سڑک تھا یوں رک گیا جیسے اس کے پیر زمین میں گڑ گئے ہوں۔

”یہی ہے وہ مکان۔“ ہالٹ نے کہا۔

اس وقت وہ قدرے شگفتہ معلوم ہو رہا ہے اس کے برخلاف میں سہمی ہوئی تھی۔ سڈنی نے غور سے اس مکان کو دیکھا بہت پرانا اور وہاں بات سامکان تھا۔

”یقین سے کہتے ہو کہ یہی ہے وہ مکان؟“ سڈنی نے پوچھا۔

”ہاں یہ ہی وہ مکان ہے؟“

”لیکن یہ تو خالی معلوم ہوتا ہے۔“

”پہلی دفعہ مجھے بھی یہ خالی معلوم ہوا تھا لیکن؟“

ہالٹ کا رنگ اور بھی زرد ہو گیا۔

”لیکن کیا۔۔۔“

”ممکن ہے اس وقت بھی مکان میں وہ موجود ہو۔ ممکن ہے اس وقت بھی وہ ہمیں دیکھ رہا ہو اور ہماری باتیں سن رہا ہو۔“

سڈنی نے پہلے سامنے والے دروازے پر دستک دی اور پھر پچھلے دروازے پر دستک دی۔ کوئی جواب نہ ملا اور تب اس نے ایک آخری فیصلہ کیا۔

اس نے اپنی جیب سے چاقو نکال کے اس کا پھل کھڑکی کے ساش میں گھسا کے ذرا سا گھمایا۔ کھٹ

واقعہ یاد آگیا۔ اس رات کی سنسنی کو میں باوجود کوشش کے بھلا نہ سکتی تھی۔ ایک دم سے گھبرانے لگی میں نے سڈنی کی آواز سنی مارے غصے کے وہ اپنے آپ میں نہ رہا تھا۔

”بہت اچھا۔ اگر اوپر نہیں جاتی تو نیچے گھسیٹ لوں گا۔“ اس نے کہا۔
اور سڈنی نے جھلملی گھسیٹ لی۔ جو مع نیلن کے نہایت تیز آواز کے ساتھ فرش پر گر گئی۔ کمرے میں روشنی کا سیلاب سا آگیا۔ سڈنی کھڑکی کے قریب کھڑا تھا اور اس کے بشرے سے ایسی الجھن عیاں تھی کہ کوئی اور وقت ہوتا تو میں توبہ لگا کے ٹس پڑتی۔ وہ اپنا کاپتول اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑے حیرت سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا گویا حیران تھا کہ وہ چیز اسے نظر کیوں نہیں آ رہی جو اسے نظر آتی چاہئے تھی۔

”مار جو رہے کوئی آواز سنی تھی تم نے۔“ اس نے پوچھا۔ ”یا وہ میرا وہ ہم تھا۔“
”ہاں سنی تھی یہ وہی آواز تھی جو میں نے گزشتہ رات اپنے کمرے میں سنی تھی۔“

”اچھا تو یہ وہی آواز تھی۔ اب میں اسے تلاش کر لوں گا اور پھر ہو جائیں گے دو وہ ہاتھ وہ کمرے سے نکل نہیں سکتا۔ میں جانتا ہوں کہ وہ اسی کمرے میں ہے میں نے نہ صرف اس کی آواز سنی تھی۔ بلکہ اپنے چہرے پر اس کے گھناؤنے جسم کی رگڑی محسوس کی تھی۔ ہاٹ اندر آ جاؤ اور دروازہ بند کر لو۔“

ہاٹ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا دیئے جیسے وہ آگے بڑھنے والا ہو یا اس کی کوشش کر رہا ہو۔ لیکن وہ ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکا۔

”میں اندر نہیں آ سکتا۔“ وہ چیخا۔

”اندر نہیں آ سکتے۔ کیوں؟“

”وہ نہیں آنے دیتا۔“

”کون نہیں آنے دیتا۔“

”بھونکا۔“

سڈنی کھڑکی کے قریب سے ہٹ کر ہاٹ کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اور تجسس نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ میں ہاٹ کے پیچھے کھڑی ہوئی تھی۔ سڈنی بڑبڑایا۔ اس نے اپنے آپ سے یا شاید مجھ سے کہا۔

”خدا کی قسم میرا اندازہ غلط نہ تھا۔ اس بیچارے پر پھر جتنا نرم کر دیا گیا ہے۔“ پھر اس نے ہاٹ سے پوچھا۔

”تم اب بھی اسے دیکھ رہے ہو۔“

”ہاں دیکھ رہا ہوں۔“

”کہاں ہے۔“

”تمہارے پیچھے۔“

ابھی ہاٹ کے منہ سے یہ دو الفاظ پوری طرح نکلنے بھی نہ پائے تھے کہ ایک بار پھر میں نے جھنجھٹا ہٹ کی آواز سنی۔ اس دفعہ یہ آواز بہت قریب سے آ رہی تھی معلوم ہوتا ہے کہ سڈنی نے بھی یہ آواز

سڈنی نے سنی بھائی۔

”مسٹر ہاٹ۔ مجھے یقین ہو چلا ہے کہ تمہاری کہانی من گھڑت نہ تھی۔“

صاف ظاہر تھا کہ ابھی کچھ دیر پہلے اس کمرے میں کوئی موجود تھا۔ لیکن مجھے تو یوں محسوس ہوا کہ اس وقت بھی جب ہم اس کمرے میں داخل ہوئے وہ خالی نہ تھا بلکہ ابھی اس میں کوئی موجود تھا۔ حالانکہ ہم اسے دیکھ نہ سکتے تھے بے چین کر دینے والی بونے ہمارا استقبال کیا۔ یہ بونہا بالکل ایسی ہی تھی جیسی کہ مردار خور درندے کے جسم سے اٹھتی تھی۔

”عجیب بو ہے یہ تو۔۔۔۔۔“ سڈنی نے ناک اچکا کے کہا۔ ”خدا جانے کہاں سے آ رہی ہے بہر حال اس بونہا منع معلوم کرنا اب ہمارا فرض ہو گیا ہے۔ مار جو رہے جہاں ہو وہیں کھڑی رہو۔ جب تک میں نہ کہوں وہاں سے نہ ہٹنا۔“

یہاں سے مجھے اس جھلملی میں جو کھڑکی پر پڑی ہوئی تھی۔ کوئی خاص بات نظر نہ آئی تھی۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی موٹی چیز کی بنی ہوئی ہے۔ کیونکہ کمرے میں کچھ عجیب طرح کا اندیرا تھا۔ سڈنی سیدھا کھڑکی کے طرف چلا کہ جھلملی اٹھاوے لیکن ابھی وہ چند قدم آگے ہی بڑھا تھا کہ دفعتاً رک گیا۔

”کیا ہے۔۔۔۔۔“ اس نے پوچھا۔

”یہ یہ وہی ہے۔“ ہاٹ نے جواب دیا۔

”وہی کون۔۔۔۔۔“

”بھونکا۔“

سڈنی کی صورت تو میں اندیرے کی وجہ سے نہ دیکھ سکی۔ لیکن اس کی آواز سے معلوم ہوا کہ اس وقت وہ نہ صرف بے چین بلکہ غصے بھی تھا۔

”اچھا تو یہ وہی ہے خوب۔ اس دفعہ اگر میں نے اس کی شعبدہ بازی کا راز نہ معلوم کیا تو ہاٹ تم میرا نام بدل دیتا۔“

اور وہ ایک دم سے کھڑکی کی طرف لگا۔

”اس جھلملی کو کیا ہوا ہے یہ اٹھتی کیوں نہیں اور ڈوری کہاں ہے اسے اٹھانے کی؟“

”اس لعنتی جھلملی کو کس طرح اٹھا میں۔“

سڈنی ایک دم سے خاموش ہو گیا۔ ہاٹ میرے قریب ہی کھڑا ہوا تھا۔ اس پر یکا یک ایسا لرزہ طاری ہوا کہ اگر میں اسے پکڑ نہ لیتی تو وہ یقیناً گر پڑتا۔ ہاٹ کا چہرہ کچھ بھیانک سا ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھیں پھٹ گئی تھیں۔ جیسے وہ اپنے سامنے کوئی مذہبت ناک چیز دیکھ رہا ہو۔ اس کی پیشانی پر پسینے کے موٹے موٹے قطرے نمودار ہو گئے تھے۔

”وہ آ رہا ہے۔“ ہاٹ چیخا۔

میں ٹھیک سے نہیں کہہ سکتی کہ کیا ہوا۔ البتہ اتنا ضرور جانتی ہوں کہ جیسے ہی ہاٹ کے منہ سے یہ الفاظ نکلے کمرے کے انتہائی سرے پر سے جھنجھٹا ہٹ کی آواز سنائی دی اس آواز کو سنتے ہی مجھے گزشتہ رات کا

126 سن لی ہے۔ کیونکہ وہ لٹو کی طرح ایک دم سے گھوم گیا اور اس طرح اتنی غلٹ میں اس کا ایک ہاتھ اٹھنے زور سے میرے گال پر پڑا کہ میں لڑکھرائی۔
”معاف کرنا مار جو رہے۔ لیکن یہ معاملہ ہی ایسا ہے کہ ذرا سی سستی خدا جانے کیا کر سکتی ہے۔ تم نے آواز سنی تھی۔“

”ہاں سنی تھی اور اس دفعہ یہ آواز بہت قریب تھی۔ میرے منہ سے صرف ایک یاد و آواز دور۔ ہم نے پہلے چاروں طرف اور پھر حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا سڈنی چند لمحوں تک خاموش کھڑا رہا۔ پھر اس نے ایک قہقہہ لگایا۔
”عجیب بات ہے یہ تو۔ میں یہ تو نہیں جانتا کہ یہ ہمارا وہم تھا یا ہم پاگل ہو گئے ہیں لیکن یہ عجیب بات ہے یقیناً یہ کوئی شعبہ ہے اور اگر ہم نے یہ شعبہ معلوم کرنے کی ترکیب معلوم کر لی تو پھر وہ ہمیں ڈانٹ سکے گا۔ لیکن اس کی ترکیب معلوم کرنا واقعی مشکل ہے۔ تمہارے خیال میں یہ ہمارا دوست تو نہیں بن رہا۔“
”نہیں۔ اس کے برخلاف، یہ مجھے کچھ بیمار معلوم ہوتا ہے۔“ میں نے ہالت کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔

”بے شک یہ بیمار معلوم ہوتا ہے اور یوں بھی معلوم ہوتا ہے جیسے اس پر نوم توجہ کی حالت طاری ہو، ہالت۔“

”ہاں۔۔۔۔۔۔“ یہ آواز سڈنی نے میرے کان میں کہا۔ جو نوم توجہ کے عالم میں ہو لیکن دوسری بات یہ بھی ہے کہ وہ شخص جس پر چنانچہ کیا گیا ہو۔ صرف چنانچہ کرنے والے کے ہی حکم کی تعمیل کرتا اور اس کے سوال کا جواب دیتا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ میں اپنے پراسرار دشمن کی قوتوں کی طرف سے ذرا مشکوک ہو گیا ہوں۔ اور پھر اس نے اوپنی آواز میں کہا۔ ”ہالت اندر آ جاؤ۔“
ہالت نے پھر آگے بڑھنے کی کوشش کی۔ لیکن کامیاب نہ ہوا۔
”میں نہیں آ سکتا۔۔۔۔۔“

”کیوں نہ کرو۔ تمہارا خیال ہے کہ تم جمع لگا کے کوئی قماشہ کر رہے ہو۔ یونہی اور سیدھے طریقے سے اندر آ جاؤ۔“

ہالت نے پھر آگے بڑھنے کی کوشش کی۔ اس غریب کی حالت قابل رحم ہو رہی تھی۔
”میں نہیں آ سکتا۔“

”لیکن میں تو کہتا ہوں کہ تم آ سکتے ہو اور آؤ گے۔ اگر تم اپنے آپ نہیں آ سکتے تو میں تمہیں اٹھا کے کمرے میں لے آتا ہوں۔ پھر دیکھوں کوئی میرا اور تمہارا کیا لگاؤ سکتا ہے۔“

اور سڈنی ہالت کو اٹھانے کیلئے آگے بڑھا اور ابھی وہ آگے بڑھا ہی تھا کہ ہالت کے رویہ میں ایک حیرت انگیز تغیر ہوا۔

میں کمرے کے بیچ میں کھڑی ہوئی تھی۔ سڈنی میرے اور دروازے کے درمیان کھڑا ہوا تھا اور ہالت دروازے کے باہر بڑے کمرے میں کھڑا تھا۔ جب سڈنی اس کی طرف بڑھا تو ہالت پر ایک پیک سچ سا طاری ہو گیا۔ چنانچہ کرنے سے بچنے کے لئے وہ دروازے سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ یہ دورہ جتنی تیزی سے اس پر طاری ہوا تھا اتنی ہی تیزی سے گزر بھی گیا۔ سڈنی بھی چلتے چلتے رک گیا تھا اور ہالت کی طرف دیکھ رہا تھا۔ موخر الذکر اب خاموش کھڑا تھا اور اس کے کھڑے رہنے کا انداز بھی عجیب تھا۔ اس کا سر پیچھے کی طرف جھکا ہوا تھا۔ ٹھوڑی ہوا میں اٹھی ہوئی تھی اور نظر کہیں اوپر خلا میں جمی ہوئی تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی اس سے کچھ کہہ رہا ہو اور وہ ہمہ تن گوش بنان رہا ہو۔ اس کے بدن کا کوئی عضو کوئی پٹھا تک حرکت نہ کر رہا تھا وہ سب معنوں میں بت بن گیا تھا۔ ایک وہ بے چین ہو گیا۔

”میں بن رہا ہوں“ اس نے بے حد عجیب آواز میں کہا۔ ”میں آ رہا ہوں“
اور ہالت پلٹ کے اس دروازہ کی طرف چلا جو سرنگ پر کھلتا تھا۔

”اومیاں! اوبھائی۔“ سڈنی چلایا۔ ”یہ کہاں چلے؟“
ہم دونوں اس کی طرف بڑھے۔ ہالت چنچنی کھول رہا تھا۔ ابھی ہم اس کے قریب پہنچے بھی نہ پائے تھے کہ وہ دروازہ کھول کر باہر نکل چکا تھا۔ سڈنی ایک دم سے اس کی طرف دوڑا اور زینے پر اسے جا پکڑا۔
”کہاں چلے بھائی۔ یعنی کیا مطلب ہے اس طرح بھاگ پڑنے کا؟“ ہالت نے سڈنی کی طرف دیکھا۔ وہ سامنے دیکھتا رہا۔

”میں اس کے پاس جا رہا ہوں۔ وہ مجھے بلارہا ہے۔“
”کون بلارہا ہے؟“

”بھونروں کا بادشاہ۔۔۔۔۔“
میں نہیں کہہ سکتی کہ سڈنی نے ہالت کا ہاتھ خود ہی چھوڑ دیا تھا یا نہیں البتہ مجھے تو کچھ یوں معلوم ہوا

جیسے وہ سڈنی کی گرفت میں سے زندہ مچھلی کی طرح پھسل پڑا۔
وہ سڈنی کی گرفت میں سے آزاد ہو کے اس راستہ پر ہو گیا جس راستے سے ہم آئے تھے۔ سڈنی دم

خود کھڑا ہالت کو جاتے دیکھتا رہا۔ پھر میری طرف گھوم کے بولا۔
”عجیب معاملہ ہے یہ تو۔ اب کیا کیا جائے؟“

”لیکن یہ ہالت کو کیا ہو گیا ایک دم سے۔“ میں نے پوچھا۔ ”کہیں وہ پاگل تو نہیں ہو گیا۔“
”اگر وہ واقعی پاگل ہو گیا ہے تو اس کے پاگل بننے میں بھی کوئی خاص بات ہے اس وقت اس کی ایسی حالت ہے جیسی کہ اس رات بھی جب میں نے اسے لسنکھام کی کھڑکی میں سے کودتے دیکھا تھا۔ بہر حال اس کا تعاقب کرنا بے فائدہ نہ ہوگا۔ ممکن ہے وہ اپنے پراسرار شرعی آقا کے پاس جا رہا ہو۔ دوسری طرف

معلوم ہوئی۔ اور میرا جی چاہا کہ میں اس کی پریشانی پر خوب ہنسوں۔

میں چند لمحہ تک دروازے میں کھڑی سوچتی رہی کہ ہالت کو ایک دم سے کیا ہو گیا ہے۔ اس پر جنوں کا دورہ پڑا تھا کیا؟ وہ کہاں گیا تھا سڈنی اس کے تعاقب میں کیوں روانہ ہوا تھا۔ اور یہ پراسرار مشرقی کون تھا جس کا ذکر سڈنی بار بار کر رہا تھا ان سوالوں کا کوئی جواب میری سمجھ میں نہ آیا۔ یہ سارا معاملہ مجھے نہ صرف الجھا ہوا بلکہ مضحکہ خیز بھی معلوم ہوا۔

میں پلٹی اور مکان میں چلی گئی۔ دفعۃً ایک نیا خیال سطح دماغ پر ابھر آیا اور پراسرار مشرقی کا لہجہ عام سے۔ میرے پال سے کیا واسطہ ہو سکتا ہے۔ ہالت کی عجیب و غریب کہانی کو میں پوری طرح سمجھ نہ سکتی تھی۔ اس کی کہانی بظاہر ایک مجذوب کی بڑیا دماغی مریض کی اختراع معلوم ہو رہی تھی لیکن یہ عجیب بات ہے سڈنی جیسے ہوشیار شخص نے ہالت کی کہانی کو صحیح تسلیم کر لیا تھا۔ اسے اس کہانی میں کوئی خاص بات نظر آنی تھی جو مجھے نظر نہ آتی تھی۔ جہاں تک کہ میں سمجھ سکتی سڈنی کو یقین ہو گیا تھا کہ میرا پال کسی پراسرار جرم کا ارتکاب کر چکا ہے یا کسی پراسرار معاملہ میں پھنسا ہوا ہے اور اس جرم یا معاملہ کا تعلق کسی نہ کسی طرح ہالت سے ہو سکتا ہے۔

جہاں تک میرا تعلق ہے پال کے کردار پر شک کرنا حماقت ہے میں نہیں کہہ سکتی کہ سڈنی کون سے مقصد کے تحت یوں بھاگ دوڑ کر رہا تھا۔ لیکن میں پال کو اچھی طرح جانتی تھی۔ اگر میرا سامنا اس پراسرار مشرقی سے ہو گیا تو میں اسے بتاؤں گی کہ پال سے مذاق کرنا خطرناک نتائج پیدا کر سکتا ہے۔

میں اس کمرے میں پہنچ گئی جو بقول ہالت کسی پراسرار شیطانی وجود کا مسکن تھا۔ ایک بات تو بہر حال صاف تھی۔ جو بھی اس کمرے میں رہا تھا اسے جدید فرنیچر سے نفرت تھی یا وہ اس سے واقف نہ تھا۔ کیونکہ کمرے میں نہ کوئی میز تھی اور نہ کوئی صوفہ ایسی کوئی چیز وہاں موجود نہ تھی سوائے ایک بستر کے جس پر آدمی بیٹھ سکے۔ البتہ فرش پر نہایت قیمتی قالین بچھا ہوا تھا۔ یہ قالین بے شک مشرق میں بنا ہوا تھا قالین اتنا موٹا اور اتنا ملائم تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ آدمی ہزاروں سال پرانی ریف پر چل رہا ہو۔ اس میں بہت سے رنگ تھے اور پورا قالین۔

اور جب میں نے دیکھا کہ پورا قالین ایک خاص انداز پر بنا ہوا تھا تو میں چونکی ہاں!

بھونے پورے قالین پر بھونے تھے۔

قالین پر ایک خاص قسم کے بھونے بے بنے ہوئے تھے۔ اور ہر بھونے کے درمیان تھوڑی سی جگہ چھٹی ہوئی تھی۔ یہ بھونے قالین کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک چلے گئے۔ قالین بنانے والوں نے ان بھونوں کو سرخ زمین پر ایسی مہارت کے ساتھ کاڑا تھا اور اس طرح ابھارا تھا کہ وہ بغور دیکھنے کے باوجود زندہ معلوم ہوتے تھے۔

ہر چند کہ قالین بے حد ملائم بے حد قیمتی اور مشرقی کاریگری کا اعلیٰ ترین نمونہ تھا تاہم میں بہت جلد اس نتیجہ پر پہنچ گئی کہ ایسا ادبیات اور بے آرام قالین کوئی دوسرا نہ ہو گا۔ میں اپنی شہادت کی انگلی قالین کے بھونوں کی طرف ہلا کے بولی۔

یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس کے پاس نہ جا رہا ہو۔ اور اس مشرقی نے ہمیں یہاں سے نالٹے کے لئے یہ چال چلی ہو۔ بہر حال وہ مشرقی دو دفعہ مجھے چمکے دے چکا ہے۔ اور تیسری دفعہ میں دھوکا کھانے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ لیکن میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا کہ کیا کروں اگر میں نے ہالت کا تعاقب کیا اور یہ مشرقی کی چال ثابت ہوئی۔ تو ظاہر ہے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گا۔ لیکن دوسری طرف یہ ہے کہ اگر ہالت کا تعاقب نہ کیا گیا اور اگر وہ حقیقت میں اپنے آقا کے پاس ہی جا رہا ہے تو اس صورت میں بھی ہم ناکامیاب رہیں گے۔ اور مشرقی کامیاب رہے گا اور اس دفعہ میں دھوکا کھانا نہیں چاہتا۔

”میں نہیں ٹھہرتی ہوں۔ تم ہالت کا تعاقب کرو۔“

”تم یہاں ٹھہرو گی؟ یعنی اکیلی۔“

”ہاں اکیلی تم یوں کرو کہ راستے میں جو بھی پہلا شخص تمہیں ملے پولیس کا آدمی کوچ بان یا کوئی اور۔ اسے فوراً یہاں بھیج دو۔ اس طرح میں اکیلی نہ رہوں گی۔ ہم نے وہ کبھی لوٹا کے سخت غلطی کی ہے۔“

”واقعی یہ بڑی غلطی ہو گئی۔“ سڈنی نے ہونٹ چبا کے کہا۔ ”لغت ہو ہالت پر کمبخت کس قدر تیز چل رہا ہے۔“

ہالت موڑ کے قریب پہنچ چکا تھا۔

”سڈنی۔ تم ہالت کا تعاقب کرو۔ ممکن ہے تم مشرقی کا کھوج لگانے میں کامیاب ہو جاؤ۔ میری فکر نہ کرو۔ اگر ممکن ہو تو کسی کو یہاں بھیج دینا۔“

”ضرور بھیج دوں گا۔ لیکن اس کے آنے تک اکیلے میں تمہیں ڈر تو نہیں معلوم ہو گا۔“

”تم نے مجھے اپنی سمجھ رکھا ہے؟۔“

ہالت موڑ مڑ چکا تھا اور اب وہ نظروں سے اوجھل تھا۔ سڈنی کے منہ سے غصے اور بے چینی کی چیخ نکل گئی۔

”اگر میں یونہی کھڑا رہا تو ہالت کہیں جا کر غائب ہو جائے گا اور پھر میرے فرشتے بھی اسے نہ ڈھونڈ سکیں گے۔ تم یہیں ٹھہرو مار جو رہے جو بھی شخص مجھے راستے میں مل جائے گا میں اسے یہاں بھیج دوں گا۔“

”ٹھیک ہے تم میری فکر نہ کرو۔“ اور وہ دوڑ پڑا۔

”یقین ہے کہ پانچ منٹ بعد ہی کوئی تمہارے پاس آجائے گا۔“ وہ چیخا۔

میں نے اس کی طرف ہاتھ ہلا دیا۔ میں اسے دیکھتی رہی یہاں تک کہ وہ موڑ پر پہنچ گیا۔ اس نے

میری طرف ہاتھ ہلا دیا اور موڑ مڑ کے میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

اور اب میں وہاں اکیلی تھی۔

جب سڈنی چلا گیا تو میرا جی چاہا کہ کھل کھلا کے ہنس پڑوں۔ آخر وہ میری طرف سے اتنا پریشان اور

متفکر کیوں تھا۔ اس لئے کہ میں اس کے خیال میں بزدل تھی یا اس لئے کہ میں چند منٹوں تک اس خیالی

مکان میں اکیلی رہوں گی۔ مکان خالی تھا اور اگر نہ بھی ہوتا تب بھی وہ دن کا وقت تھا۔ آدھی رات تو بھی

نہیں کہ مجھے کوئی اٹھا لے جاتا اور لوگ سوتے پڑے رہتے۔ چنانچہ سڈنی کی پریشانی بے وجہ اور احمقانہ

اور پھر ایک لرزہ خیز انکشاف ہوا۔

وہ قربان گاہ کی تصویر تھی۔ زمانہ قدیم کی اس قربان گاہ کی جس پر کہتے ہیں کہ انسان کو بھیئت چڑھایا جاتا ہے۔

اور اس تصویر میں بھیئت چڑھانے کی رسم ادا ہو رہی تھی۔

بائیں طرف کسی دیوی کی مرغوب کن تصویر تھی۔ دیوی ایک تخت پر نہایت شان و حکمت سے بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ دونوں ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھے بیٹھی تھی اور اس کے جسم کا اوپری حصہ عریاں تھا۔ مجھے سمجھتے دیر نہ لگی وہ مصر قدیم کی مشہور دیوی ایزبس تھی۔ اس کی پیشانی پر بھونرا بیٹھا ہوا تھا۔ یہ بھونرا ضوٹکن تھا اور اس کے جسم سے نکلے ہوئی روشنی کا بالہ دیوی کے ماتھے پر بیٹھا ہوا تھا۔ یہ بھونرا قالمین کے بھونروں کی طرح ہی تھا۔

دیوی کے سینے سامنے شعلے بھڑک رہے تھے اور شعلوں کے درمیان قربان گاہ تھی اور اس قربان گاہ پر ایک سفید فام عورت تھی جو برہنہ تھی اور جسے زندہ جلا یا جا رہا تھا۔ اس کے زندہ ہونے میں کوئی شک نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس عورت کو زنجیروں میں جکڑا گیا تھا۔ لیکن اس طرح کہ وہ ذرا مل جل سکتی تھی چنانچہ وہ نہایت تکلیف کے عالم میں اپنے جسم کو ڈھونڈ رہی تھی بڑا ہی بھیانک منظر تھا۔ مصور نے معلوم ہوتا تھا اس رسم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کیونکہ وہ اس عورت کے چہرے پر انتہائی کرب کے آثار اجاگر کرنے میں پوری طرح کامیاب ہو گیا تھا۔

عجیب تصویر ہے یہ جو عجیب ذوق کا پتہ دیتی ہے۔

میں اس تصویر کی طرف دیکھ رہی تھی کہ

دفعۃً کچھ ہوا۔ یکا یک یوں معلوم ہوا کہ قربان گاہ پر بندھی ہوئی عورت نے حرکت کی ہو۔

یہ بات خلاف عقل اور لغو معلوم ہوگی لیکن یہ حقیقت ہے کہ میری نظر میں اس عورت نے اپنے ہاتھ لمبے کئے۔ ٹانگیں سمیٹ لیں اور سر پیچھے کی طرف جھکا کے کمر میں سے جھک گئی۔ وہ پھر سیدھی ہوئی اور تڑپ کر دائیں طرف مڑ گئی۔

”یہ کیا ہو گیا ہے مجھے؟ کہیں میں یا گل تو نہیں ہو گئی۔“

”یہ تو ایک تصویر ہے یہ حرکت نہیں کر سکتی۔“

”اگر وہ عورت حرکت نہیں کر رہی تھی تو کوئی دوسری چیز ضرور حرکت کر رہی تھی۔ کیونکہ یکا یک اس عورت کو ہوا میں اٹھایا گیا۔

بجلی کی تیزی سے میرے دماغ میں ایک خیال کونہ گیا۔

میں نے لمبل تھکیٹ لیا۔

اور معرہ حل ہو گیا۔

ایک بے حد پتلا خشک جھریوں پڑا اور تقریباً پھیلا ہاتھ کمبلوں کے ڈھیر میں سے آہستہ آہستہ نکل رہا تھا۔ اس ہاتھ کی جنبش نے قربان گاہ پر کی عورت میں جان ڈال دی تھی۔

ہاتھ کہنی تک کمبلوں میں سے نکل آیا۔ پھر کندھے تک اور پھر ایک سر نمودار ہوا۔ اور اب جھریوں بھرا

”سڈنی کے جانے سے پہلے معلوم ہو گیا ہوتا کہ تم یہاں ہو تو میں اسے روک لیتی۔“

دفعۃً میں چوکی۔ خوف میرے دل میں اترتا جا رہا تھا۔

”مار جو رہے تمہیں شرم آنی چاہئے“ میں نے اپنے آپ سے کہا۔ ”یہ کیا بودا پن ہے ان تصویروں سے ڈر رہی ہو تم اپنے آپ کو بہت بہادر سمجھتے ہوئے تمہیں تو بے توبہ ان بھونروں سے ڈر رہی ہو یہ تو چھوٹے بھونرے ہیں۔“

میں نے اپنا ایک پیراٹھا کے قالمین کے ایک بھونرے پر رکھ دیا۔ شاید وہ میرا وہم تھا بہر حال مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ بھونرا میرے جوتے تلے پھر سے پچک گیا ہو۔ آخ تھو مجھے کھن آنے لگی۔

”یہ کیا حماقت ہے مار جو رہے؟ اس طرح تو تم چند منٹوں میں ہی۔“

میں آگے نہ سوچ سکی۔ میں نے کھڑکی کی طرف گھوم کے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا۔

سڈنی کو گئے پانچ منٹ گزر چکے تھے۔ وہ شخص جسے سڈنی نے اس طرف روانہ کیا ہوگا۔ اب آیا جاتا ہے میں دیکھتی ہوں جا کر۔

میں پھر دروازے پر پہنچی۔ سڑک سنسان تھی دور تک کوئی نظر نہ آ رہا تھا میں مایوس ہو گئی اور فیصلہ نہ کر سکی کہ اب مجھے کیا کرنا ہے۔ دروازے میں کھڑے رہ کر کسی راہ گیر کا یا اس شخص کا جسے سڈنی نے روانہ کیا ہوا انتظار کرنا انتہائی بزدلی کی علامت تھی۔ اس کے علاوہ میں کچھ بے چینی بھی محسوس کر رہی تھی اور خدا جانے کیوں اس قالمین والے کمرے میں لوٹ جانا چاہتی تھی۔

چنانچہ میں ایک عجیب اضطراب کے عالم میں دروازے پر کوئی پانچ منٹ تک کھڑی رہی اور پھر قالمین والے کمرے میں چلی گئی۔

اس دفعہ میں نے حتی الامکان قالمین کے بھونروں کی طرف دھیان نہ دیا اپنا دھیان ہٹانے کے لئے میں بستر کا معائنہ کرنے لگی۔ میرا خیال تھا کہ وہ بڑا سا پتنگ ہوگا۔ لیکن اب معلوم ہوا کہ وہ پتنگ نہ تھا اور اگر تھا تو ایسا نہ تھا جیسا کہ ہمارے آپ کے گھر میں ہوتا ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ اس میں پٹیاں نہ تھیں اور نہ ہی اس کے چار پائے تھے۔ وہ کمبلوں کا ایک انبار تھا۔ اور بس بہت سے کمبل فرش پر اوپر تلے رکھ دیئے گئے تھے۔ پھر کمبل بھی ایک سے نہ تھے۔ مختلف رنگوں اور مختلف حجم کے کمبل تھے۔

وہ کمبل جو سب سے اوپر تھا۔ سفید تھا اور روشنی معلوم ہوتا تھا کسی عمدہ اور چمکدار چیز کا بنا ہوا تھا۔ اور اتنا ملائم معلوم ہوتا تھا کہ ڈھاکے کی مشہور مٹل کی طرح انگلی کے حلقے میں سے نکل جائے۔ اس بڑے کمبل کو میں نے کھول کر پھیلا دیا کہ اسے اچھی طرح دیکھ سکوں۔ کمبل کے سینے میں ایک تصویر کمبل پر کاڑھی گئی تھی۔ یا کمبل پر بنی ہوئی تھی۔ پہلے یہ بھی معلوم نہ ہوا کہ وہ کس چیز کی تصویر تھی۔ اس تصویر کے گرد نور کا ایک حلقہ سا تھا جو روشن معلوم ہوتا تھا نور سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ وہ حلقہ نہ تھا۔ بلکہ کھڑی لکیریں تھیں اور پھر ظاہر ہوا کہ وہ دراصل شعلے تھے۔ اور جب وہ شعلے نظر آئے تو معلوم ہوا کہ مصور نے شعلوں کی نقل کرنے میں حیرت انگیز کمال کا ثبوت دیا تھا۔ شعلے نقلی نہیں اصلی معلوم ہوتے تھے۔

ایسا بھیا تک چہرہ میرے سامنے تھا کہ ایسا چہرہ کبھی کسی نے خواب پریشان میں بھی نہ دیکھا ہوگا۔ وہ مسر قدیم کی کسی مٹی کا چہرہ معلوم ہوتا تھا۔ جس میں دو آنکھیں انگاروں کی طرح چمک رہی تھیں۔ میں چونکی۔ اور ساتھ ہی ایک گھبراہٹ سے والا انکشاف ہوا۔

سڈنی کو دھوکا دیا گیا تھا۔ اس نے ہالٹ کا تعاقب کر کے غلطی کی تھی اور اس نے دشمن کے لئے راستہ صاف کر دیا تھا۔ ہالٹ کا تعاقب کر کے اس سے کچھ نہ ملنے والا تھا۔ وہ جس کی تلاش سڈنی کو تھی۔ اسی مکان میں اور میرے سامنے تھا۔

اور میں اس پر اسرار مکان کے پر اسرار مکین کے ساتھ اکیلے تھی۔ بیشک یہی ہالٹ کی کہانی کا خاص اور اہم کردار اور پر اسرار مشرقی تھا۔ وہ کنبلوں کے انبار میں پھپھار ہا تھا اور اب مجھے اکیلی پا کر باہر نکل رہا تھا۔

چوتھا حصہ

تعاقب

خانگی جاسوس آگسٹن شانیل کے

روزنامے کے اوراق



چنانچہ مسٹر شانیل پورا معاملہ آپ کو سمجھانے اور میری ہر مصیبت کے گوشے کو روشن کرنے کے لئے مجھے آپ کو اپنی کہانی سنائی پڑے گی۔ ہو سکتا ہے کہ آپ اسکا جائیں۔ لیکن مجبوری ہے میں کوشش کروں گا کہ غیر ضروری تفصیلات سے احتراز کروں۔

میں نے انہیں کرسی پیش کی۔ کرسی میں نے قصداً کھڑکی کے سامنے رکھی تھی کہ میں مسٹر سنگھام کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو بخوبی دیکھ سکوں مسٹر سنگھام میرے اس ارادے سے بظاہر بے خبر کرسی کو اٹھا کے میری میز کے سامنے لے آئے اور اس میں بیٹھ گئے۔ چنانچہ اب ہمارے بیٹھنے کا نقشہ یوں تھا کہ مسٹر سنگھام میرے سامنے اس طرح بیٹھے ہوئے تھے کہ روشنی ان کے چہرے کے بجائے اس کی پیٹھ پر پڑ رہی تھی۔ انہوں نے ٹانگ پر ٹانگ چڑھائی اور ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں پھنسا کے ہتھیلیوں کے کنارے سے اپنے گھٹنوں کو پکڑ لیا۔

اس طرح وہ چند ثانیوں تک خاموش بیٹھے رہے جیسا کہ ماضی کی راکھ میں سے یادوں کی چنگاریاں کرید رہے ہوں۔ پھر انہوں نے چاروں طرف دیکھ کے کہا۔

”میرے خیال میں بڑی عجیب و غریب کہانیاں اس کمرے میں بیان کی گئی ہوں گی۔“
 ”آپ کا خیال غلط نہیں ہے۔ چنانچہ آپ سمجھ ہی گئے ہوں گے کہ انوکھی کہانیاں نہ مجھ کو چونکا سکتی ہیں اور نہ حیرت زدہ کر سکتی ہیں میں اس قسم کی کہانیاں سننے کا عادی ہوں۔“

”اس کے باوجود مجھے یقین ہے کہ آپ نے ایسی حیرت انگیز کہانی پہلے کبھی نہ سنی ہوگی جو میں آپ کو اب سنانے والا ہوں اپنی کتاب زندگی کا جو باب میں آپ کو سنانے جا رہا ہوں وہ ایسا حیرت انگیز اور عجیب ہے کہ اس کی صحت پر یقین کرنے کے لئے خود مجھے بھی دواور دو کو ماننا پڑتا ہے۔“

ان کے بشرے سے جس قسم کے جذبات کا اظہار ہوا ان سے میں واقف نہ تھا۔ ایسے جذبات ہر اس شخص کے بشرے سے ہویدا ہو جاتے تھے جو اپنے ماضی کا کوئی اہم باب میرے سامنے کھول دیتا ہے۔

”مسٹر شانیل۔ میں فطرتاً خاموش اور صلح پسند آدمی ہوں۔ ہر شخص کی زندگی کے دو پہلو ہوتے ہیں۔

ایک وہ جو دنیا کے سامنے ہوتا ہے اور دوسرا وہ جو دنیا کی نظر سے پوشیدہ ہوتا ہے اور سیاست دان بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں میری زندگی کا بھی دوسرا پہلو ہے جو دنیا کی نظر سے پوشیدہ ہے۔ یہ ایک راز ہے جسے میں اپنے ساتھ قبر میں لے جانا چاہتا ہوں۔ لیکن پچھلے چند دنوں سے کچھ ایسے واقعات ہوئے ہیں کہ میں آپ کے پاس آنے اور آپ کو اپنی کہانی سنانے پر مجبور ہو گیا ہوں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ میری کہانی سننے کے بعد آپ میرے متعلق کوئی غلط اندازہ نہ لگائیں گے۔“

”مسٹر سنگھام۔ لوگ اسی وقت میرے پاس آتے ہیں جب وہ مجبور ہو جاتے ہیں یقین کیجئے میں نے اپنے کسی بھی موکل کے متعلق خواہ اس کا دوسرا پہلو کتنا ہی تاریک کیوں نہ ہو غلط اندازہ نہیں لگایا اور نہ آپ کے متعلق لگاؤں گا۔“

مسٹر سنگھام مسکرا کر رہ گئے۔ ان کی یہ مسکراہٹ او اس اور سرد تھی۔

اور پھر انہوں نے مجھے ایک ایسی انوکھی کہانی سنائی جو اپنی مثال آپ ہے میں اپنے کئی موکلوں سے ان

تجد کا دن تھا۔ جون کی دوسری تاریخ اور دو پہر کا وقت میں دفتر میں بیٹھا اپنے روز ٹائپے میں چند خاص یادداشتیں ٹانگ رہا تھا اس وقت دو بجے ہوں گے۔ میرا ملازم اندر کمرے میں آیا اور اس نے ایک ملاقاتی کا رڈ میرے سامنے میز پر رکھ دیا۔ اس پر لکھا تھا۔ ”پال سنگھام“

”اندرا بھیج دو“ میں نے کہا۔
 دوسرے ہی لمحے مسٹر سنگھام میرے دفتر میں تھے غالباً یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ میں سنگھام سے واقف تھا۔ لیکن ان سے گفتگو کرنے کا خصوصاً ایک ذاتی معاملے کے متعلق گفتگو کرنے کا یہ پہلا موقع تھا۔ مسٹر سنگھام نے مصافحہ کے لئے اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔

”مسٹر شانیل“
 ”جی“
 ”آج پہلی دفعہ آپ کے نیاز حاصل کر رہا ہوں۔ لیکن آپ کے والد مرحوم آر ل آف گلبن لیٹ سے میرے بڑے گہرے تعلقات تھے۔“

میں قدرے احترام سے جھک گیا۔ مسٹر سنگھام بڑے غور سے میری طرف دیکھتے رہے جیسے میری اہلیت اور تجربے کے متعلق اندازہ لگا رہے ہوں۔

”میں نے آپ کو اس قدر جوان تصور نہ کیا تھا مسٹر شانیل“
 ”جوانی کوئی جرم تو نہیں“

”لیکن آپ کا پیشہ ایسا ہے جس میں لوگ معمر اور تجربہ کار شخص کو ترجیح دیتے ہیں۔“
 ”مسٹر سنگھام! آپ بھی تو معمر نہیں حالانکہ لوگ کسی بھی سیاست دان کے سر پر سفید بال ہی تصور کرتے ہیں بہر حال مجھے اتنا تجربہ تو ہے کہ آپ کی خدمت کر سکتا ہوں۔“

وہ مسکرائے۔ ”ٹھیک ہے۔ میں نے آپ کی بڑی تعریفیں سنی ہیں ابھی گزشتہ کل ہی مجھے اپنے ایک دوست بتا رہے تھے کہ آپ نے ان کا کوئی بہت ہی الجھا ہوا معاملہ سمجھا دیا ہے۔ انہوں نے آپ کی پرزور سفارش کی تھی اور کہا تھا کہ اگر میں کسی مصیبت میں پھنس جاؤں تو آپ کی خدمات حاصل کروں مسٹر شانیل

اب میں ایک مصیبت میں پھنس گیا ہوں اور ہر طرف سے مایوس ہو کر آپ کے پاس آیا ہوں۔“

میں پھر شکر کیے کے طور پر جھک گیا۔

”اور میری یہ مصیبت نرالی ہے کیا میں سمجھ لوں کہ میں جو کچھ کہوں گا آپ ہی تک رہے گا؟“
 ”مسٹر سنگھام! اطمینان رکھیے کہ آپ جو کچھ کہیں گے وہ مجھ تک رہے گا اگر کوئی خانگی جاسوس اپنے موکل کی رازداری نہ کرے تو جاسوس نہیں ہے جاسوس اس پادری کی طرح ہوتا ہے جو لوگوں سے اقرار گناہ

سناتا ہے۔“

فرانسیسی تھا۔ یعنی رو دی رہا جس میں ایک موڑ مڑ رہا تھا تو میں نے ایک خنقی پر حملہ کیا یہ نام لکھا دیکھا تھا یہ نام میرے دماغ پر نقش ہو گیا اور آخر تک نقش رہے گا۔

چھوٹا سا محلہ تھا اور خاصا غلط میں ایک تنگ گلی میں سے گزر رہا تھا جو زیادہ روشن نہ تھی۔ جب میں وہاں پہنچا تو وہ گلی ویران پڑی تھی۔ کہیں ایک بھی راہ گیر نظر نہ آ رہا تھا۔ میں اس گلی میں چلتا اور سوچتا رہا کہ میں کہاں تھا اور کون سی دھن میں اس گلی میں آ گیا اور یہ کہ اگر میں راستہ بھول گیا تو کیا ہو گا۔ خدا جانے میں کتنی دور تک چلا تھا کہ یکا یک میں نے گانے اور موسیقی کی آواز سنی، آواز سریلی اور مسکراتی تھی اور اس مکان میں سے آ رہی تھی جس کے قریب سے میں گزر رہا تھا۔

میں ٹھٹھک کے کھڑا ہو گیا اور بت بنا کسی کو گاتے اور بجاتے سنتا رہا۔

میرے دائیں طرف ایک کھڑکی تھی۔ کھڑکی کھلی تھی اور اس پر ایک پردہ پڑا تھا اسی پردے کے پیچھے سے وہ آوازیں آرہی تھیں جنہیں سن کر میں رک گیا تھا۔ کوئی گارہا تھا گٹار کی قسم کا کوئی ساز بجا بجا کے گارہا تھا۔ ساز کی آواز بڑی سریلی تھی اور گٹار کی آواز سے مشابہ۔

مسٹر لنگھام خاموش ہو گئے۔ معلوم ہوتا تھا کہ خیالات ان کے دماغ میں جھوم کر آئے تھے اور کچھلی یادوں کا سیلاب امنڈ آیا۔ انہوں نے آنکھیں بند کر لیں کچھ دیر تک وہ آنکھیں بند کئے بیٹھے رہے اور پھر انہوں نے آنکھیں کھولیں۔ تو وہ خواب ناک تھیں۔

”یہ سارے واقعات مجھے اتنی اچھی طرح یاد ہیں جیسے ابھی کل ہی ہوئے ہوں میں کیسے بھلا سکتا ہوں اس گلی کو۔ اس اندھیرے کو وہاں کی خاص بو اور عورت کی اس شیریں اور مسکراتی آواز کو جو گلی کی خاموشی اور اندھیری فضا میں تیر رہی تھی وہ ایک عورت کی آواز تھی۔ میرے خدا کی قسم تھا۔ اس میں بے خود کر دینے والا سحر۔ وہ ایک فرانسیسی گیت گارہی تھی۔ جوان دنوں بہت مشہور تھا اور مجھے ہر شخص اٹکاتا کرتا تھا۔

میں بت بنا اس گیت کو سنتا رہا۔

اور جب گیت ختم ہو گیا تو میں بے تاب ہو گیا۔ شوق تجسس سے مجبور ہو کر میں ایک کھڑکی کی طرف بڑھا کہ گانے والی کو ایک نظر دیکھ لوں۔ کھڑکی پر پردے ہوئے پردے کا ایک کونا اٹھا کے میں نے اندر دیکھا وہ ایک کیفے تھا جو مشرقی ممالک میں عام ہیں جہاں عورتیں گاہکوں کو متوجہ کرنے اور انہیں خوش کرنے بلکہ لبھانے کے لئے گایا کرتی ہیں۔ کمرے کے انتہائی سرے پر اور میرے عین سامنے ایک چھوٹا سا چوڑا تھا جس پر تین عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک صاف ظاہر تھا گیت گارہی ابھی خاموش ہوئی تھی۔ کیونکہ اب بھی وہ ساز کے جواس کے ہاتھ میں تھا تاروں کو اپنی شہادت کی انگلی سے آہستہ آہستہ چھیڑ رہی تھی۔ دوسری دو عورتیں گویا سامعین تھیں۔ وہ عجیب طرح کا لباس پہنے ہوئے تھی۔ ایک بوزھی عورت اس طرف بیٹھی سلاخیوں سے کچھ بن رہی تھی۔ مجھے سمجھنے دیر نہ لگی۔ وہ بڑھیا یقیناً ناکلکھی۔ ان چاروں عورتوں کے علاوہ اس کمرے میں کوئی اور نہ تھا۔

ان عورتوں نے یا تو کوئی آواز سنی ہوگی یا پھر کھڑکی کے پردے کو ہلنے دیکھا ہوگا کیونکہ جیسے ہی جھانک کے میں نے اندر دیکھا کہ تین عورتوں کی نگاہیں اٹھیں اور مجھ پر جم گئیں۔ بڑھیا بے پرواہی سے بیٹھی بنے

کے عجیب عجیب راز سن چکا ہوں لیکن ایسی عجیب کہانی نہ تو میں نے پہلے کبھی سنی تھی اور نہ آئندہ کبھی سن سکوں گا۔

بیشک اگر مسٹر لنگھام مجبور نہ ہو گئے ہوتے تو وہ اپنا یہ حیرت انگیز راز اپنے ساتھ قبر میں لے جاتے۔ اب رہا میں تو میں اپنے متعلق صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر یہ کہانی مسٹر لنگھام کے بجائے کسی زید بکر یا عمر نے سنائی ہوتی تو میں اس کی صحت پر کبھی یقین نہ کرتا۔

مسٹر لنگھام نے اپنی کہانی یوں شروع کی۔ پہلے رک رک کے اور پھر بڑی روانی سے۔

”میری عمر ابھی چالیس سال کی نہیں ہوئی ہے۔ چنانچہ میں آپ سے کہوں کہ کوئی بیس سال پہلے میں نو جوان بلکہ نو عمر تھا۔ تو یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہوگی بیس سال پہلے یعنی اس وقت جب میں نو جوان اور نو عمر تھا وہ واقعات ہوئے تھے جو میں بیان کر رہا ہوں۔

میری عمر زیادہ نہ تھی جب میرے والدین انتقال کر گئے۔ میرا کوئی اور تھا نہیں چنانچہ ان کے انتقال کے بعد میرا کوئی مربی اور سرپرست نہ رہا۔ اور میں کم عمری ہی میں آپ اپنی مرضی کا مالک ہو گیا۔ میں نے بڑی بے چین طبیعت پائی ہے اور شروع ہی سے مجھے سیاحت کا شوق تھا۔ چنانچہ اٹھارہ سال کی عمر میں جب میں نے سکول کی تعلیم ختم کی تو یونیورسٹی میں مزید تعلیم حاصل کرنے کے بجائے میں نے ملک ملک کی سیر کر۔ نے کا فیصلہ کیا اور چونکہ مجھے کوئی روکنے والا نہ تھا۔ اس لئے آکسفورڈ یا کمبرج جانے کے بجائے میں نے ایک جہاز پر قدم رکھا اور اس طرح میری اس زندگی کا آغاز ہوا۔ جوالف لیلہ کے مشہور کردار سندباد جہازی کی سی تھی۔

چند مہینوں کے بعد میں نے اپنے آپ کو مصر میں پایا۔ فرعون کی پراسرار سرزمین مصر اہرام کی سرزمین مصر جہاں میرے ساتھ ایک عجیب واقعہ ہوا۔ ایک دفعہ بدوؤں کے ایک قافلہ کے ساتھ میں سیر سپاٹے کو نکلا۔ بدو راستے کا گدلا اور گندہ پانی پینے کے عادی تھے۔ لیکن میں نہ تھا۔ چنانچہ اس قسم کا پانی پینے سے ان پر کوئی اثر نہ ہوا لیکن مجھے بخار چڑھ آیا۔ اور میں قاہرہ کے ایک ہوٹل میں کئی دنوں تک بخار میں پھنسا رہا۔

جب میں نے بخار سے نجات پائی تو ایک رات تفریح کو نکلا اور گھومتے گھومتے مصریوں کے ایک محلہ میں جا نکلا اور رات کے وقت مصریوں کے کسی انجانے محلہ میں اکیلے گھومنا خطرے سے خالی نہ تھا۔ لیکن جیسا کہ میں نے کہا کہ اس وقت میری عمر اٹھارہ یا تیس سال تھی اور اس عمر میں آدمی بے پرواہ ہوتا ہے۔ اور انجام پر نظر نہیں رکھتا اس کے علاوہ میں ہوٹل کے کمرے میں پڑے پڑے اکتا گیا تھا اور چاہتا تھا کہیں جا کر اپنا دل بھلا سکوں۔

خیر تو میں ایک محلہ میں پہنچا میں سمجھتا ہوں بلکہ مجھے یقین ہے کہ اب وہ محلہ موجود نہیں اس محلہ کا نام

میں مصروف رہی ایک یاد دیکھتا تھا وہ دونوں مجھے اور میں ان تینوں کو دیکھتا رہا۔ پھر اس عورت نے جو سارا لئے بیٹھی تھی (اور وہ عجیب سا تھا جو نہ گناہ تھا اور نہ برہنہ بلکہ دونوں ساروں کو ملا کر بنایا گیا تھا) مجھے آواز دی اور اشارہ کر کے کہا۔ ”آؤ پیارے اندر آؤ“

میں تھکا ہوا تھا اور پھر یہ بھی معلوم کرنا چاہتا تھا کہ قاہرہ کے کس محلے میں ہوں وہ قبحہ خانہ تھا۔ کیونکہ ارد گرد اسی قسم کے دوسرے مکانات اور طوائفیں نظر نہ آ رہی تھیں۔ اس کے علاوہ میں اسی عورت سے ایک اور گیت بھی سننا چاہتا تھا۔

”میں آؤ جاؤں لیکن ایک شرط پر“ میں نے کہا۔

”کیا شرط ہے“ اسی عورت نے جسے لڑکی کہنا مناسب ہوگا۔ پوچھا۔

”یہی کہ تم ایک گیت اور سناؤ“

”ایک چھوڑ میں گیت سناؤں گی۔ تم اندر تو آؤ“

اور وہ اپنے وعدے کی پکی ثابت ہوئی۔ کیونکہ وہ مجھے ایک کے بعد ایک گیت سناتی رہی۔ اور میں بچ کہتا ہوں کہ ایسی شیریں اور مسکون کن آواز بھی کسی کی نہ رہی ہوگی بچ جادو تھا اس کی آواز میں اور سب سے بڑی بات تو یہ کہ وہ بہت سی زبانیں جانتی تھی۔ اس نے مجھے فرانسیسی، اطالوی، انگریزی، عربی اور دوسری بہت سی زبانوں میں ایسے گیت سنائے جو میں نہ جانتا تھا۔ لیکن عربی گیت سب سے زیادہ مسکون کن تھے۔ حالانکہ میں عربی کا ایک لفظ تک نہ سمجھتا تھا۔ لیکن اس لڑکی کی آواز اور ادائیں ایسی تھیں کہ میں بے چارے جھومنے لگا۔ میں میز کے سامنے کرسی میں بیٹھا تھا وہ گارٹی تھی اور مجھ پر جادو کر رہی تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ میں اپنا آپ بھول گیا تھا کہ میں ایک انجان محلہ اور انجان گھر میں ہوں۔ مجھے کسی بات کا ہوش نہ رہا۔ اس لڑکی کی آواز کی لہر میں مجھے ایک دوسری ہی دنیا میں پہنچا چکی تھیں جہاں وقت اور ماحول کی کوئی اہمیت نہیں۔ جہاں عقل و خرد کا اثر نہیں۔

وہ ایک کے بعد ایک گیت گاتی رہی اور میں اس مشروب کی چسکیاں لیتا رہا جو بڑھیا نے میرے سامنے لارکھا تھا۔ میں ایسا بے خود ہو رہا تھا کہ میں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ میں کیا پی رہا ہوں۔ اب میں اس واقعہ کے متعلق سوچتا ہوں تو خیال آتا ہے کہ وہ کوئی زہریلا خواب آؤ مشروب تھا جو مجھے پلایا جا رہا تھا۔ اس مشروب کے ایک ہی جام نے مجھ پر عجیب اثر کیا۔ بے شک میں بخار سے نجات حاصل کر چکا تھا لیکن نقابت دور نہ ہوئی تھی۔ چنانچہ اس مشروب کے اثر کو میری نقابت نے گویا ایک پہنچائی۔ دفعہ مجھے احساس ہوا کہ مجھ پر عجیب طرح کی غنودگی طاری ہو رہی تھی باوجود کوشش کے میں اس غنودگی کو روک نہ سکا۔

تھوڑی دیر بعد اس لڑکی نے گانا بند کر دیا اور اٹھ کے میرے قریب آ بیٹھی اس کی جگہ اب ان دو عورتوں نے لے لی جو اب تک بیٹھی ہوئی تھیں اب وہ دونوں مل کر گارٹی تھیں۔ میں نے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف نظر کی اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ رات آدھی سے زیادہ گزر چکی ہے۔ میں جانے کے لئے اٹھا لیکن اس لڑکی نے جو میرے پاس بیٹھی تھی میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

”نہ جاؤ پیارے ابھی نہ جاؤ“ اس نے انگریزی میں کہا۔ ”سب ٹھیک ہے گھبرانے کی کوئی بات نہیں ذرا آرام کر لو۔ میں اتنی بری بھی نہیں کہ تم مجھے یوں ہی چھوڑ کر چلے جاؤ۔ تم میرا دل بہلاؤ اور میں تمہارا دل بہلاتی ہوں۔“

مسٹر شاپل آپ نہیں گئے اور اگر آپ کی جگہ میں ہوتا تو میں بھی ہنس پڑتا لیکن حقیقت یہ ہے اس کے ہاتھوں کے نازک لمس نے مجھ پر ایسا اثر کیا جسے لفظ مقناطیس سے ایک حد تک مشابہ سمجھا جاسکتا ہے۔ جیسے ہی اس نے میری کلائی کو اپنی انگلیوں کی گرفت میں لیا کہ مجھے اپنی قوت سرکئی محسوس ہوئی۔ میں بے بس و مجبور ہو گیا۔ اس لڑکی کی التجا التجا نہ تھی بلکہ ایک حکم اٹل تھا۔ میں چاہوں نہ چاہوں مجھے وہیں ٹھہرنا تھا۔

اس نے پھر مشروب منگا یا اور مجھ سے کہا بیو اور میں بے چوں چرا پی گیا یہ عجیب بات ہے کہ جب سے اس نے ہاتھ پکڑ کے مجھے بٹھایا تھا۔ میری زبان گنگ ہو گئی تھی۔ میں خاموش تھا لیکن اس عرصہ میں وہ لڑکی برابر بولتی رہی تھی۔ اور جب تک وہ بولتی رہی اپنی نگاہیں میرے چہرے پر گاڑے رہی۔ اس کی آنکھوں میں کچھ تھا۔ سفلی چمک تھی۔ وہ کسی شیطان کی آنکھیں تھیں۔ وہ اس لڑکی کی آنکھیں نہ تھیں۔ وہ مجھے دیکھتی رہی اور اس کی نظر میری جسمانی قوت کو نکلتی رہی میں اس کے سامنے بے بس تھا۔ موم کے ستلے کی طرح۔ اس منحوس رات کی آخری بات جو مجھے یاد ہے وہ یہ ہے کہ میں بت بنا بیٹھا تھا۔ اور وہ لڑکی آگے کی طرف جھکی میرے ہاتھ پر انگلیاں پھیر رہی تھی اور میری آنکھوں میں اپنی آنکھیں ڈالے ہوئے تھی اس کے بعد یہ نہیں کیا ہوا۔ اس منظر پر جیسے اچانک پردہ گر گیا۔ شاید میں بے ہوش ہو گیا۔

مسٹر سنگھام خاموش ہو گئے۔ وہ بظاہر پرسکون تھے۔ لیکن میں یہ دیکھنے بغیر نہ رہ سکا کہ ماضی کی یادوں نے ان کے دل میں پلپل مچا دی تھی۔ ان کے ہونٹوں کے دونوں طرف کے قوسیں گہرے ہو گئے تھے اور آنکھیں قدرے پھٹ گئی تھیں۔

مسٹر سنگھام نے اب تک جو باتیں کہی تھیں ان میں کوئی خاص اور حیرت انگیز بات نہ تھی۔ اس قسم کے کہنے، جس کا ذکر مسٹر سنگھام نے کیا تھا آج بھی قاہرہ میں موجود ہیں جہاں کی عورتیں اجنبیوں کو لوٹ لیتی ہیں۔ چنانچہ بہت سے سیاح جو اس قسم کے کہنے میں گئے تھے لت لٹا کر واپس آئے ہیں۔

”آپ اس قسم کی کہانی پہلے بھی سن چکے ہیں شاید“ مسٹر سنگھام نے کہا۔ ”بے شک سن چکے ہوں گے کیونکہ اکثر ہر قوف اس طرح کے جال میں پھنسے ہیں لیکن جناب میری کہانی کا آغاز خواب ہوتا ہے اگر میں اپنی کہانی سناتے سناتے خاموش ہو جاؤں تو آپ بے چین نہ ہوں۔ کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ میری کہانی کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے جو کچھ مجھ پر ملتی ہے اسے میں مباحثہ کی آمیزش کے بغیر سنانا چاہتا ہوں میرے ساتھ جو واقعہ ہوا ہے وہ اتنا عجیب ہے کہ ابتدا میں آپ کو وہ کمزور اور بیمار دماغ کا وہم معلوم ہوگا۔ لیکن آپ جانیے بعض اوقات حقیقت افسانے سے زیادہ حیران کن ہوتی ہے۔ اور جو کچھ میں آپ کو سنارہا ہوں وہ حقیقت ہے افسانہ نہیں۔“

خیر تو آدم برسر مطلب۔ جب مجھے ہوش آیا تو میں نے اپنے آپ کو ایک ایسے کمرے میں پایا جسے

پہلے میں نے کبھی نہ دیکھا تھا میں ایک نچی چھت والے کمرے کے ایک کونے میں کمبلوں کے ایک ڈھیر پر ننگا پڑا تھا۔ اس کمرے کی سجاوٹ دیکھ کر دم بخود رہ گیا۔ میرے قریب گھٹنوں کے بل دیوی لڑکی بیٹھی تھی۔ جس نے مجھے گیت سنائے تھے۔ وہ بار بار میرے ہونٹ چوم رہی تھی۔ وہ جیسے دیوانی ہو گئی تھی۔ وہ مسلسل میرے بوسے لے رہی تھی۔ اور اس کا ہر بوسہ مجھے لرزاتا تھا میں اپنے اس گھن اور خوف کو لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا جو ہونٹوں کے لمس کے ساتھ میں محسوس کر رہا تھا اس لڑکی میں کوئی خاص بات تھی کوئی غیر انسانی اور غیر قدرتی بات۔ وہ مجھے انسان نہیں سمجھتا اور معلوم ہو رہی تھی۔ اگر میرا بس چلتا تو میں اسی وقت اس کا خاتمہ اسی طرح کر دیتا جس طرح کہ انسان ایک ضرر رساں اور گھناؤنے کیڑے کا خاتمہ کر دیتا ہے۔

”میں کہاں ہوں۔“ میں نے پوچھا۔

”تم دیوی ایزبس کے بالکون کے ساتھ ہو۔“ اس نے جواب دیا۔ میں اس کا مطلب نہ جان سکا۔ اور نہ آج تک جان سکا ہوں۔ ”تم سب سے بڑی دیوی کی پناہ میں ہو تم سارے انسانوں کی ماں کے مہمان ہو۔ ماما عظیم ہے۔ ماما لافانی ہے۔“

”میں یہاں کیسے آ گیا۔“

”عظیم ماما کی عالم گیر مہربانی تمہیں یہاں لے آئی۔“

غالباً آپ نے سمجھ لیا ہو گا کہ وہ جو کچھ کہہ رہی ہے میں اسے لفظ بہ لفظ نہیں دہرا رہا۔ البتہ اس کا مطلب اپنے لفظوں میں بیان کر رہا ہوں۔

اور ستلے بہت سے بل رکھے ہوئے تھے۔ اور یہی میرا بستر تھا۔ میں کہنی کے بل اٹھا اور اس طرح میں نے نیم دراز ہو کے چاروں طرف دیکھا جو کچھ نظر آیا وہ حیران کن تھا۔

وہ کمرہ پر شوکت اور بلند تھا۔ لیکن کافی وسیع و عریض تھا۔ باوجود کوشش کے میں یہ معلوم نہ کر سکا کہ وہ کمرہ مصر کے کون سے حصے میں واقع تھا۔ اس کی دیواریں نیچے پتھروں کی تھیں۔ جیسے وہ کمرہ کسی چٹان کو کاٹ کے تراشا گیا ہو۔ وہ کمرہ دراصل ایک مندر یا معبد تھا اور اس کی فضا ایک خاص قسم کی بوسے بوجھل تھی۔ کمرے کے عین بیچ میں پتھر کی قربان گاہ تھی۔ جس پر دیوی دیہی آگ جل رہی تھی۔ اس آگ میں سے جو ہلکا ہلکا دھواں اٹھ رہا تھا۔ یقیناً وہی اس تیز بو کا باعث تھا جو اس کمرے میں یا معبد میں پھیلی ہوئی تھی۔ قربان گاہ کے عقب میں ایک بہت بڑا ساربت تھا جو انسانی قد و قامت سے دو گنا تھا۔ وہ بہت ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور دیوتا نہیں دیوی کا بہت تھا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ وہ دیوی ایزبس کا بہت تھا۔

بہت کے ماتھے پر ایک بھونرا بیٹھا ہوا تھا جو پتھر کا نہ تھا۔ بہت جلد معلوم ہو گیا کہ وہ بھونرا زندہ ہے کیونکہ جب میں نے اس کی طرف دیکھا تو اس نے اپنے بازو کھولے اور اب وہ اپنے بازو مسلسل کھول اور بند کر رہا تھا۔

اگر وہی ایک بھونرا جو دیوی کے ماتھے پر بیٹھا ہوا تھا وہاں ہوتا تو کوئی بات نہ تھی۔ لیکن اس معبد میں تو بھونرے ہی بھونرے تھے۔ دیواروں پر بھی بھونرے بنے ہوئے تھے۔ جس طرف نظر جاتی تھی بس بھونرے ہی بھونرے نظر آتے تھے ان گنت بے شمار پردوں پر دیواروں پر اور چھت پر اور ان بھونروں کا

دل پر عجیب و غریب اثر ہوتا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے میں کوئی بھیانک خواب دیکھ رہا ہوں اور میں نے اپنے آپ سے پوچھا کہ میں کوئی بھیانک خواب تو نہیں دیکھ رہا۔ کہیں یہ سب میرے بخار زدہ دماغ کی پیداوار تو نہیں؟ لیکن شاید ایسا نہ تھا۔

میں یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں مسٹر شائیل کہ اس کے بعد جو کچھ ہوا اور میں نے جو کچھ دیکھا اس کے متعلق میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ اس میں حقیقت کتنی تھی۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ میں نے جو کچھ دیکھا۔ وہ اس قدر لرزہ خیز تھا کہ کوئی ایسی بات خواب میں بھی نہیں دیکھتا۔ بہر حال میں پوری تفصیلات بیان کئے دیتا ہوں یہ فیصلہ تو آپ ہی کیجئے کہ اس میں حقیقت کہاں تک ہے اور کہاں تک میرا وہم جو کچھ میں نے دیکھا وہ اتنا حیرت انگیز اور ناقابل یقین تھا کہ میں خود آج تک یہ فیصلہ نہیں کر پایا ہوں کہ افسانہ کہاں ختم ہوتا ہے اور حقیقت کا آغاز کہاں سے ہوتا ہے۔

خیر تو بڑی کوششوں کے بعد میں کمبلوں کے انبار پر سے جس پر میں ننگا لیٹا ہوا تھا۔ اٹھنے میں کامیاب ہوا تھا۔ لیکن ابھی میں اٹھا ہی تھا کہ اس لڑکی نے جو میرے قریب بیٹھی میرے ہونٹ چوم رہی تھی۔ نہایت آہستہ سے ایک ہاتھ میرے سینہ پر رکھ دیا۔ اس کا ہاتھ نازک تھا اور اس نے آہستہ آہستہ سے میرے سینہ پر رکھا۔ لیکن مجھے یوں محسوس ہوا جیسے ایک ٹن کی آہنی سل میرے سینہ پر رکھ دی گئی ہو۔ اس کے ہاتھ کے دباؤ سے میرا دم گھٹنے اور میری پسلیاں جھکنے لگیں یقیناً نہیں آتا تھا کہ وہ لڑکی ایسی زبردست جسمانی طاقت کی مالک تھی۔ میں کمبلوں پر گر اور سانس لینے کی کوشش میں ہاتھ پاؤں چلانے لگا اور ترپنے لگا۔

”مجھے اٹھنے دو۔ مجھے اٹھنے دو۔“ میں نے گھنٹی ہوئی آواز میں کہا۔

”نہیں پیارے“ وہ بڑبڑائی۔ ”تم میرے ساتھ رہو گے تم مجھے پسند ہو اور اس نے اپنے ہونٹ میرے ہونٹوں پر رکھ دیئے۔“

مسٹر لنگھام خاموش ہو گئے۔ میں نے دیکھا کہ ان کی پیشانی عرق آلود تھی اور وہ خود کانپ رہے تھے۔

میں اس کراہت اور مٹکی کو الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا جو اس کے بوسوں سے محسوس کر رہا تھا۔ نفرت آمیز اور گھناؤنے بوسے تھے اس کے آج اس واقعہ کو بیس سال گزر چکے تھے۔ لیکن اب بھی جب اس کے بوسے یاد آتے ہیں تو مجھے قے ہو جاتی ہے اور میرا دل نفرت گھن اور خوف کے جذبات سے پر ہو جاتا ہے۔ لیکن سب سے زیادہ خطرناک بات یہ تھی کہ میں بے بس تھا اور خاموشی سے اس کے گھناؤنے بوسے سہہ رہا تھا۔ انہوں نے جیب سے رو مال نکال کے اپنے ماتھے پر سے پیوند پونچھ لیا۔

”اس دوزخ میں جب تک رہا اور اس عرصہ میں جو کچھ ہوا اس کی تفصیل بیان کرنا میرے بس کا روگ نہیں۔ اور اگر میں نے ان تفصیلات کو بیان کرنے کی کوشش کی تو میری کوشش میرے حق میں یقیناً خطرناک ثابت ہوگی۔ اور شاید میں اپنا دماغی توازن کھو بیٹھوں۔ یقیناً نہیں آتا کہ جو کچھ میں نے دیکھا وہ حقیقت تھی۔“

”بعد میں جب میرے حواس بجا ہوئے اور میرے سوچنے سمجھنے کی قوتیں عود کر آئیں تو میں نے

ایک رات مجھے گیت سنا کے مسرور کر دیا تھا اور جو اس مذبح خانے کی شاید متولی یا محافظی یا شاید کاہنہ اس رسم کے بعد وہ لڑکی نشے میں چور ہوتی تھی۔ چنانچہ اس دن بھی اس کی ایسی ہی حالت رہی وہ حسب معمول میرے بوسے لینے کے لئے میرے قریب آرہی تھی۔ جب وہ میرے قریب آئی تو دفعۃً کچھ ہوا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ بوجھ جس کے نیچے میں دب پڑا تھا۔ دفعۃً کھٹک گیا ہو جیسے کوئی بندھن ٹوٹ گیا ہو۔ یکا یک مجھے آزادی کا احساس ہوا۔ یکا یک میری بے بسی پھیل گئی۔

میرا خیال ہے کہ اس لڑکی نے مجھ پر مسمریزم کر دیا تھا اور اس تمام عرصہ میں میں نوم توجہ کی حالت میں پڑا رہا تھا۔ اول تو میں بخاری جیسے سے کمزور ہو رہا تھا پھر وہ مشروب میرے دماغ پر چڑھ گیا تھا جو اس رات اس لڑکی نے مجھے پایا تھا پھر یہ لڑکی بھی اپنے فن میں یکتا تھی۔ چنانچہ ان سب باتوں نے مل جل کر مجھے بے بس کر دیا تھا۔ لیکن اس دن خدا جانے کس طرح وہ اثر زائل ہو گیا۔ اس کی تو ایک ہی وجہ میری کچھ میں آئی ہے اور وہ یہ کہ وہ لڑکی یا کاہنہ مذہبی رسومات ادا کرنے کی وجہ میں مجھ پر اثر جٹانا بھول گئی تھی بہر حال وہ جو کچھ بھی ہوا اس دفعہ وہ لڑکی ایک بے بس لاش کی طرف نہیں بلکہ ایک ایسے مرد کی طرف بڑھ رہی تھی جو اب آپ اپنی مرضی کا مالک تھا۔ لیکن وہ خود اس سے بے خبر تھی اور اب بھی مجھے اپنے اثر میں لئے ہوئے تھی۔

وہ میرے قریب آئی اور اپنے ہونٹ میرے ہونٹوں پر رکھنے کے لئے جھکی تو نفرت اور غصے کی وہ آگ جو ان ہفتوں کے درمیان میرے سینے میں دہی ہوئی تھی۔ بھڑک اٹھی۔ نفرت، غصے اور انتقام کا وہ لاوہ جس کے سامنے اب تک نوم توجہ کی دیوار حائل تھی۔ ایک دم سے چوٹ بہا میں حیرت انگیز پھرتی سے اٹھا کنبوں کے انبار سے فرش پر کودا تیر کی طرح اس لڑکی کی طرف اچکا۔ اور چشم زون میں میرے دونوں ہاتھ اس لڑکی کے حلق پر تھے اور اب اسے معلوم ہوا کہ میں ہوش میں آچکا تھا۔ اس نے مجھے اپنے اثر میں لینے کی کوشش کی لیکن میں نے اس کی آنکھوں کی طرف نہ دیکھا۔

میری گرفت اس کے حلق پر مضبوط ہو گئی اور میں نے نہ تو خوف محسوس کیا اور نہ ہی مجھے یہ خیال آیا کہ میں کسی کا خون کر رہا ہوں کیونکہ میں جانتا تھا کہ میں اپنی ہی نہیں ہزاروں لڑکیوں کی جانیں بچا رہا ہوں میں کوئی گناہ نہیں کر رہا جرم نہیں کر رہا۔ بلکہ ایک نیک کام کر رہا ہوں ایک شیطانی وجود سے دنیا کو پاک کر رہا ہوں۔

وہ اس شیطانی گروہ کی سرغنہ تھی جو اپنی دیوی پر لڑکیوں کو بھینٹ چڑھا دیتا تھا اس کاہنہ کا خاتمہ ضروری تھا۔ چنانچہ میری گرفت اس کے حلق پر مضبوط سے مضبوط تر ہو گئی میں اس کا گلا گھونٹتا رہا یہاں تک کہ دفعۃً۔

مسر لنگھام ایک دم سے خاموش ہو گئے۔ اور خلا میں گھورنے لگے ان کی آواز رندہ گئی تھی۔ مجھے خوف ہوا کہ وہ رو پڑیں گے لیکن انہوں نے بہت جلد اپنے جذبات پر قابو حاصل کر لیا۔

یہاں تک کہ دفعۃً میں نے اسے پھسلے محسوس کیا۔ وہ میری گرفت میں سے پھسل رہی تھی میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ غائب ہو گئی اور میں نے دیکھا کہ میں اس لڑکی کے بجائے ایک بہت بڑے بھورے کا

اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ میں شیطانوں کے اس بھینٹ میں کتنے دنوں تک رہا تھا اور یہ معلوم کر کے میں چکر گیا کہ ایک دو ہفتے نہیں بلکہ پورے آٹھ ہفتے وہاں رہا تھا۔ یا یوں کہنے کے وہاں رکھا گیا تھا۔ پورے دو مہینوں تک میں کنبوں کے اس انبار پر بے بس اور رنگا پڑا رہا۔ پورے دو مہینے تک زبان گنگ اور قوتیں مجھ سے دور ہیں۔ اس عرصہ میں وحندلی وھندلی شہیوں کی آمد و رفت جاری رہی اور یہ اس کی عبادت کا طریقہ تھا اور یہ ان کی مذہبی رسوم اور ریتیں تھیں وہ جتنی بھی جو دراصل مصر کے قدیم مذہب کی عیر و عیس دیوی ایزیس کے بت کی پوجا کرتی تھیں۔

ان شیطانوں کی مذہبی رسومات وحشت انگیز اور نہ سمجھ میں آنے والی تو تھیں ہی لیکن سب سے زیادہ لرزہ خیز انکشاف یہ ہوا کہ ان کی رسومات نہایت ہی ظالمانہ اور خون منجمد کر دینے والی تھیں۔ میں نے وہ ہوتے دیکھا جس کے خیال ہی سے جسم لرزے اور دماغ چکرانے لگتا ہے عبادت کے وقت وہ شیطان عجیب عجیب طرح کی بے شرم حرکتوں اور خرمستیوں میں مصروف نظر آتے تھے۔

اور پھر میں نے دیکھا کہ وہ دیوی پر انسانوں کو بھینٹ چڑھاتے تھے۔ یہ میرا وہم نہ تھا۔ کاش کہ ایسا ہوتا۔ لیکن نہیں میں نے اپنی آنکھوں سے انسانوں کو بھینٹ چڑھتے دیکھا۔ مسر لنگھام کے یہ الفاظ سن کر میں چونکا۔

مسر شائیل آپ چونک پڑے اور اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں اگر وہ خواب پریشان ہوتا تو کوئی بات بھی تھی۔ لیکن وہ خواب نہیں حقیقت تھی۔ میں نے ایک دفعہ نہیں کئی دفعہ بھینٹ کی رسم ادا ہوتے دیکھی۔ اور اگر میری آنکھوں نے مجھے دھوکا نہ دیا تو وہ شیطان عورت کو بھینٹ چڑھاتے تھے اور وہ عورت سفید فام ہوتی تھی۔ آپ کی اور میری طرح سفید فام۔ جی ہاں۔ مغربی ممالک کی رہنے والی اس عورت کو برہنہ کر کے قربان گاہ پر باندھ دیا جاتا۔ پھر وہ شیطان اس عورت کے ساتھ عجیب شرمناک حرکتیں کرتے۔ طرح طرح سے اسے ایذا پہنچاتے اور پھر قربان گاہ پر شعلے بھڑکتے۔ اور اس عورت کو زندہ جلا دیا جاتا خدایا بھینٹ چڑھنے والی ہر عورت کی چیخیں۔ اب تک میرے کانوں میں گونج رہی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ اس شیطانی گروہ کے خوشی کے نعرے اور ربڑ کی آواز جو اس رسم کے وقت بجایا جاتا تھا۔

اس قسم کے بھیانک منظر کو دیکھ کر میری ہمت و قوت ٹوٹ کر آئی اور میں نے وہ نظر نہ آنے والے بندھن توڑ دیے جن میں مجھے جکڑا گیا تھا۔ لیکن ان بندھنوں کے توڑنے کے بعد میری حالت عجیب ہو گئی جو آج تک راہ پر نہ آئی اس وقت کے بعد سے لے کر آج تک مجھے قرار حاصل نہ ہوا۔ میں آسب زدہ بن گیا اور اب تک ہوں۔ ہاں جو کوشش کے میں اس لعنت سے نجات حاصل نہ کر سکا۔

خیر تو بھینٹ چڑھانے کی رسم ادا ہو رہی تھی اس دفعہ ایک انگرز لڑکی کو بھینٹ چڑھایا جا رہا تھا۔ اسے برہنہ کر کے قربان گاہ پر باندھا گیا پھر ان شیطانوں نے شرمناک حرکتیں کیں اور اس لڑکی کو طرح طرح سے اذیت پہنچانے کے بعد اسے زندہ جلا دیا گیا۔ میں کنبوں کے انبار پر پڑا یہ سب کچھ دیکھتا رہا۔

بھینٹ کی رسم ادا ہو چکی عبادت پوری ہو چکی لڑکی کی راکھ کو تیرک کے طور پر ان لوگوں نے آپس میں تقسیم کر لیا جو وہاں جمع تھے پھر وہ چلے گئے اور میں اس کمرے میں اس لڑکی کے ساتھ اکیلا رہ گیا۔ جس نے

اس بھونرے کا قدم میرے ہی جتنا تھا اور وہ اپنی دم پر کھڑا تھا میں حیرت سے اس بھونرے کی طرف دیکھ رہا تھا وہ سکر نے اور سینے لگا۔ وہ چھوٹا ہور ہاتھا اور میں یہ دیکھ سکا کہ اس کے سکر نے اور سینے کا عمل کہاں تک جاری رہا آخر کار وہ چھوٹا کتنا ہو گیا کیوں میں پاگلوں کی طرح وہاں سے بھاگنے لگا جیسے دوزخ کے سارے عنقریب میرے پیچھے لگ گئے ہیں۔

لہرس محسوس کر کے میں نے اپنے آپ کو یقین دلایا کہ اب میں آسیب زدہ نہیں رہا ہوں اور یہ کہ ایک بار پھر دوسرے انسانوں کی طرح ہو گیا ہوں آزاد بے فکر اور جسمانی و مافی طور پر تندرست۔ چند دنوں کے بعد میں نے سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا اور بہت جلد مشہور ہو گیا تب سے میں اب تک ایک مشہور اور کامیاب سیاست دان رہا ہوں اب رہی میری خانگی زندگی تو دوسرے سے ہے۔ جی نہیں۔

مسٹر سنگھام خاموش ہو گئے۔ ان کی کہانی دلچسپ حیرت انگیز اور لرزہ خیز تھی۔ لیکن اب تک میں سمجھ نہ پایا تھا کہ اس کی کہانی میں میں کہاں آتا تھا اور میری مدد کی ضرورت کہاں پڑتی تھی چونکہ وہ بہت دیر تک خاموش رہے اس لئے یہ سمجھ کر کہ وہ اپنی کہانی ختم کر چکے ہیں میں نے کہا۔

”مسٹر سنگھام۔ آپ نے جو کچھ کہا وہ حیرت انگیز ہے۔ لیکن میں یہ سمجھ نہیں سکتا کہ اس کہانی میں مجھے کون سا پارٹ ادا کرنا ہے۔“

مسٹر سنگھام چند ثانیوں تک خاموش رہے غالباً وہ کچھ سوچ رہے تھے اور جب وہ بولے تو ان کی آواز بھاری اور گلیخ تھی جیسے کوئی زبردست غم انہیں پیسے ڈال رہا ہو۔

”مسٹر شانیل۔ اب تک جو کچھ میں نے کہا وہ تو صرف تمہید ہے اگر کہانی یہیں ختم ہو گئی ہوتی تو میں آپ کے پاس نہ آتا۔ میں جانتا ہوں کہ آپ زبردست عقل سلیم کے مالک ہیں۔ اور میری مشکل آسان کر سکتے ہیں مجھے آپ پر اعتبار ہے اور میں جانتا ہوں کہ میرا ارادہ آپ کے پاس محفوظ رہے گا۔“

میں مسکرایا۔ ”اس اعتبار کا شکریہ“

”آپ کے متعلق میں نے بہت کچھ سنا ہے اور اپنے طور پر اس کے متعلق تحقیق بھی کر لی ہے۔ میں آپ پر بھروسہ کرتا ہوں مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے میں دنیا کا سب سے زیادہ بد قسمت آدمی ہوں اور میرا خیال ہے کہ آپ ہی مجھے اس لعنت سے نجات دلا سکتے ہیں۔“

”میں اپنی طرف سے کوئی کسر اٹھانہ رکھوں گا مسٹر سنگھام“

وہ خاموش رہے

”مسٹر سنگھام مجھے خدمت کا موقع دیجئے ممکن ہے میں آپ کو مطمئن کر سکوں۔“

”ٹھیک ہے میں اسی لئے یہاں آیا ہوں“

وہ بہت دیر تک میری طرف دیکھتے رہے۔ پھر کرسی گھسیٹ کے میرے قریب لے آئے اور آگے کی طرف جھکا کر راز دارانہ انداز میں بولے۔

”مسٹر شانیل۔ پچھلے چند دنوں سے ایسے واقعات ہو رہے ہیں جو بیس سال کی وسیع و عریض فلیج کو پاٹ کے میرے ماضی کی بھیاں تک یادوں کو تازہ کر رہے ہیں ایک بار مجھے پھر خطرہ لاحق ہے ایک بار پھر میں وہی سنگھام بننے والا ہوں جو شیطانوں کے اس بھیٹ سے برہنہ بھاگا تھا۔ چنانچہ آپ کا کام مجھے اس ان خطرے سے محفوظ رکھنا ہے میں آپ کی پناہ اور حفاظت چاہتا ہوں۔ مجھے اس ان دیکھے جال سے بچائیے۔ خدا کے لئے مجھے بچائیے۔ اس کا خاتمہ کر دیجئے جو میرا خاتمہ کرنا چاہتا ہے۔“

میں نہیں جانتا کہ میں کس طرح یہاں آیا۔ البتہ کچھ دھندلا سا خیال ہے کہ میں اندھیری گزرگاہوں اور سرنگوں میں اندھا دھند بھاگا جا رہا تھا قدم قدم پر لوگ راہ میں حائل ہو کر مجھے روکنے کی کوشش کر رہے تھے اور میں انہیں گراتا اور کچلتا بھاگا جا رہا تھا۔ پھر معلوم نہیں کیا ہوا۔

اس کے بعد بسبب میں نے آنکھیں کھولیں تو میں نے اپنے آپ کو ایک امریکی مبلغ کے گھر میں پڑا پایا۔ ان صاحب کا نام ٹیمنٹ تھا۔ میں قاہرہ کی ایک سڑک پر بے ہوش اور برہنہ پڑا پایا گیا تھا اور لوگوں نے مجھے مردہ تصور کر لیا تھا میں کئی میلوں سے بھاگتا آیا تھا لیکن کہاں سے آیا تھا اور کہاں جا رہا تھا۔ وہ یہ نہ جانتے تھے اور نہ میں خود جانتا تھا کئی ہفتوں تک میں زندگی اور موت کے درمیان معلق رہا مسٹر ٹیمنٹ اور ان کی بیوی نے میری جی جان سے تیمارداری کی ان کی محبت، خلوص اور ہمدردی کو میں کبھی نہ بھلا سکوں گا۔

رفتہ رفتہ میں بظاہر تندرست ہو گیا۔ لیکن میرے دماغ کی کچھ عجیب حالت ہو رہی تھی۔ اپنے مہمن مبلغ کے گھر سے رخصت ہونے کے بعد کئی مہینوں تک میں نیم پاگل سا رہا۔ میں کئی کئی دنوں تک خاموش رہتا اور مجھے کچھ یاد نہ تھا حتیٰ کہ اپنا نام بھی۔ آخر کار یہ دور بھی گزر گیا اور میں اپنے دوستوں میں رہنے لگا لیکن اب میں پہلا سنگھام نہ رہا تھا۔ میں آپ اپنی بگڑی ہوئی شکل تھا کئی برسوں تک میری حالت یہ ہی رہی۔

دن میں اور رات میں عجیب بھیاں تک تصویریں نظر آتی تھیں۔ میں ماسوائے تصویروں کے اور کیا کہہ سکتا ہوں۔ یہ تصویریں میرے لئے حقیقی نہیں تھیں۔ لیکن چونکہ سوائے میرے کوئی اور انہیں دیکھ نہ سکتا تھا اس لئے میں نے انہیں تصویریں کہا ہے۔ خیالی تصویریں۔ یہ خیالی تصویریں اتنی لرزہ خیز اور ہیبت ناک ہوتی تھیں کہ میں چیخ چیخ کر اٹھتا تھا۔ میری اس وقت کی حالت کا اندازہ لگانا مشکل ہے مجھ پر ایسا شدید اور اذیت ناک خوف مسلط تھا کہ میں اس سے بچھکارا حاصل نہ کر سکتا تھا۔ ان خیالی پیکروں نے مجھے اتنا

پریشان کیا کہ عاجز آ کر میں نے اپنے آپ کو ایک ڈاکٹر کے سپرد کر دیا جو مافی امراض کا ماہر تھا۔ خدا جانے میں کتنے دن تک اس ڈاکٹر کے زیر علاج رہا۔ لیکن ان خیالی پیکروں کی ملاقاتیں اس کے لئے بھی اتنی ہی قابل فہم رہیں جتنی کہ میرے لئے۔

وقت گزرتا گیا اور ان خیالی پیکروں کی ملاقاتیں کم سے کم تر ہوتی چلی گئیں یہاں تک کہ مسرتوں کی

”میں سمجھا نہیں“

”جی تو یہ ہے کہ مجھے کچھ شک ہو چلا تھا کہ مسٹر لنگھام اپنا دماغی توازن کھو چکے ہیں انہوں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔“

”تمہیں ہفتہ پہلے جب میں دارالعوام کی ایک نشست سے واپس آیا تو مجھے اپنے مطالعہ کی میز پر ایک کاغذ پڑا ہوا ملا۔ اس کاغذ پر بھونرے کی ایک تصویر تھی۔ یہ بھونر اس بھونرے کی طرح ہو رہا تھا جس میں وہ لڑکی تبدیل ہو گئی تھی جس کا میں نے گلا گھونٹا تھا۔ اس تصویر کو دیکھتے ہی پھر وہی خیالی پیکر میرے سامنے آگئے جن کا ذکر میں کر چکا ہوں اور جن سے میں اپنے خیالوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھٹکارا حاصل کر چکا تھا۔ مارے خوف کے مجھ پر لرزہ طاری ہو گیا میں دماغی اور جسمانی طور پر مفلوج ہو گیا۔“

”لیکن کیوں“

”اس سوال کا جواب میرے پاس نہیں ہے البتہ اتنا ضرور کہوں گا شیطانوں کے اس بھینٹ کے آخری منظر کو میں نے بھلانے کی کوشش کی تھی اور کامیاب ہو گیا تھا کیونکہ اگر میں اس منظر کو نہ بھلا چکا ہوتا تو شاید میں پاگل ہو جاتا۔“

”لیکن آپ کے مطالعہ کی میز پر کیا تھا؟ صرف ایک تصویر“

”بے شک حقیقت سے بہت قریب میں نہیں جانتا کہ وہ کس چیز سے بنائی گئی تھی۔ لیکن تصویر کا بھونر اس زندہ بھونرے کی طرح ہی تھا جو بیس سال قبل میری گرفت میں اینڈر رہا تھا۔ اتنی حقیقی تصویر تھی یا یوں کہئے کہ اتنی زندہ تصویر تھی وہ کہ پہلے تو میں یہی سمجھا تھا کہ وہی لڑکی بھونرے کے روپ میں میری میز پر موجود ہے جس کا گلا میں نے بیس سال پہلے گھونٹا تھا۔“

”کون رکھ گیا تھا اسے وہاں“

”یہی تو میں معلوم کرنا چاہتا ہوں آپ کا بھی پہلا کام یہی ہے کہ اس کے متعلق تحقیق کریں مسٹر شائیل یہاں تک تو خیر ٹھیک تھا۔ لیکن میں دفعہ بھونرے کی تصویر مجھے اپنی میز پر سے ملی ہے۔ اور ہر دفعہ اس نے مجھ پر وہی خوف و ہراس طاری کر دیا ہے جس سے صرف میں واقف ہوں۔“

”اور ہر دفعہ یہ تصویر آپ کو دارالعوام سے لوٹنے کے بعد ملی ہے“

”بالکل جب میں دارالعوام سے واپس کر کے آیا ہوں تصویر مجھے ملی ہے“ اور یہ..... حیران ہوں کہ کیا کہوں انہیں۔ خاکے یا تصویریں یا بھونرے“ وہ تصاویر کہاں ہیں۔“

”یہ بھی میں نہیں جانتا۔“

”کیا مطلب“

”مطلب یہ ہے کہ اس تصویر کو دیکھتے ہی میرے حواس غائب ہو جاتے تھے اور جب میرے حواس بچا ہوتے تو وہ تصویر وہاں نہ ہوتی۔“

”یعنی“

”یعنی غائب ہو جاتی“

”کاغذ اور تصویر سب“

”جی ہاں۔ تاہم اس کے متعلق میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ آپ جانتے میری میز کاغذات سے ڈھکی رہتی ہے چنانچہ یہ خیال آ سکتا ہے کہ وہ تصویر والا کاغذ دوسرے کاغذات میں مل کر میری نظروں سے اوجھل ہو گیا ہو لیکن کیسے ہو سکتا ہے وہ کاغذ خود اپنے آپ کو کاغذات کے نیچے کس طرح چھپا سکتا ہے چنانچہ وہ تصویر تینوں دفعہ غائب ہو گئی۔“

میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ مسٹر لنگھام غلط جگہ آگئے ہیں انہیں میرے پاس آنے کے بجائے دماغی امراض کے کسی ڈاکٹر کے پاس جانا چاہئے تھا۔

”مسٹر لنگھام کیا ممکن نہیں کہ کام کی زیادتی کی وجہ سے آپ کا دماغ تھک گیا ہو اور وہ تصویریں آپ کے تھکے ہوئے دماغ کی پیداوار ہوں؟ وہ ہم ہو آپ کا؟“

”ابتداء میں خود میں نے بھی یونہی کہا تھا پہلے میری بات پوری سن لیجئے۔ پھر آپ کو بھی معلوم ہو جائے گا کہ وہ میرا وہم نہ تھا۔“

چند ثانیوں تک خاموشی کا وقفہ رہا۔

”پرسوں رات کو“ انہوں نے کہا ”جب میں واپس آیا تو اپنے مطالعہ کے کمرے میں میں نے ایک اجنبی کو موجود پایا۔“

”اجنبی کون؟“

”جی ہاں۔ دوسرے الفاظ میں ایک چور کو۔“

”چور کو خوب۔ کہے جائیے۔“

”جب میں مطالعہ کے کمرے میں پہنچا تو ایک الماری کا تالا توڑا جا رہا تھا غالباً یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ میں نے اسے پکڑنا چاہا۔ لیکن لیکن اسے پکڑ نہ سکا۔“

”پکڑ نہ سکا۔ کیا مطلب“

”مطلب وہی ہے جو میں نے کہا۔ یعنی اسے پکڑ نہ سکا آپ سمجھتے ہیں کہ چوری معمولی جرم نہیں ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ چور کون سی قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے صرف ایک لفظ کہا اور وہ لفظ اس نے انگریزی زبان میں کہا۔ اس بھیا تک لفظ کے علاوہ کوئی اور لفظ اس کے منہ سے نہ نکلا۔ وہ سر سے نکلا تھا۔ وہ ایک ڈھیلا ڈھالا جب پہنے ہوئے تھا۔ اور اس جب میں وہ خود بھی نہ نکلا تھا۔“

”کسی چور کے لئے واقعی یہ عجیب لباس ہے“

”اسے دیکھتے ہی دیکھتے مجھے کچھ شک سا ہوا کہ اس شخص کا تعلق کسی نہ کسی طرح اس واقعہ سے ہو سکتا ہے جو بیس سال پہلے میرے ساتھ مصر میں ہوا تھا اور اس نے جو لفظ کہا اس نے میرے شک کو یقین میں تبدیل کر دیا۔“

”کیا کہا تھا اس نے؟“

”جب میں اسے پکڑنے کے لئے اس کی طرف قدم بڑھا رہا تھا تو اس نے ایک ایسا لفظ کہا جس نے

Courtesy w
 "پوچھا اور سزا پر پہنچتے ہی وہ کسی کے ہاتھوں میں تھا۔"
 "کس کے ہاتھوں میں۔ پولیس کے"
 "جی نہیں آتھرن کے۔ سڈنی آتھرن کے"
 "وقتی تاجو سائنسدان ہیں۔"

”جی ہاں وہی۔ کیا آپ جانتے ہیں انہیں“

”اچھی طرح سے وہ میرے دوست ہیں خیر“

رکس طرح چلا آ رہا ہے اور یہ بھی دیکھا ہوگا کہ

میں نہیں جانتا ممکن ہے اس کا کوئی خاص سبب

کے برخلاف انہوں نے یہ عجیب حرکت کی کہ

نے میرے کمرے کی کھڑکی میں سے ایک

بچ تو یہ ہے مسٹر شاپل کہ اگر سڈنی بیچ میرے

ف نے کہ سڈنی آپ کے دوست ہیں میری

وہ اپنی کرسی اور بھی قریب تھکیٹ لائے۔

”بات یہ ہے کہ مسٹر آٹھرنٹن بھی مار چور ہے۔“

مارجورے نے ان کی درخواست منظور کی اور

فنا ہو گئے اسامعلوم ہوتا ہے ان کا اس حور سے

ابھر اس کے کسی ساتھی سے سڈنی نے کوئی

۱۲۔ ایک وہ مسافر از فاشٹر کر دے کہ اس وقت

میرا کہہ رہا تھا کہ میں نے جو کہیں جاتا ہوں وہاں میری طرف سے

کے لیے جو مسافر بھانٹک یا ختم سے لورے

معلوم ہوگا۔ مرموزہ آئینہ جھوٹا مہر سدا کی

ماہنامہ (۱۰۰ روپے) کو تیار کر کے پتہ: ۱۰۰ روپے

میں موجودہ حکومت کا یہی ایک

ہر گئی تھی، اگر وہ میرے ساتھ نہ ہوتی تو

بنیادی طور پر یہی ہے جو ہم نے پہلے بتایا تھا۔

لڑوہ یہاں یوں اسی سے مام اسٹارڈر ہوں

ہے چند در چند و بوہات کی بنا پر سب یہ کہتے

ماہنامہ سے واقف ہے اب آپ کا نام

ابن سی سی یا جووی سی ہے وہ کہاں چپی

— 25 —

اپنے یہ جیسے حکیم کر لیا کہ سدی اس پر

”نہ صرف میرے ماضی کی بھینک یادیں تازہ کر دیں بلکہ مجھے مغلوب بھی کر دیا۔“

”لیکن یہ تو بتائیے کہ کیا تھا وہ لفظ؟“

مسٹر لنگھام نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا لیکن کچھ کہہ نہ سکے ان کے چہرے پر جذبات میں نمایاں تبدیلی ہوئی تھی۔ ان کی آنکھیں بت کی آنکھوں کی طرح ساکت ہو گئی تھیں۔ مجھے خوف ہوا کہ کہیں وہ بے ہوش نہ ہو جائیں۔ انہیں سنبھالنے کے لئے میں اٹھ کر ان کی طرف بڑھا لیکن اس نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

”ٹھیک ہے یہ: ”ورہ گزر جائے گا۔“

ان کی آواز کھر دری اور بیچھی ہوئی تھی۔ چند لمحوں تک بے چین کر دینے والی خاموشی کا وقفہ رہا۔ پھر مسٹر لنگھام نے کہا۔

”مسٹر شکیل آپ خود دیکھ سکتے ہیں کہ اس موضوع پر بھی گفتگو کرنے سے میری کیا حالت ہو جاتی ہے میں وہ لفظ نہیں کہہ سکتا جو اس اجنبی نے کہا تھا میں اسے لکھ بھی نہیں سکتا۔ وہ لفظ مجھے پاگل و مفلوج کر دیتا ہے۔“

”کہیں ایسا تو نہ تھا مسٹر سنگھام کہ وہ پورا آپ کے ان خیالی پیکروں میں سے ایک ہو جنہیں آپ اکثر دیکھا کرتے تھے۔“

”نہیں میرے ملازم گواہ ہیں“

”تو کیا آپ کے ملازموں نے بھی اسے دیکھا تھا؟“

”جی ہاں چند ملازموں نے جو وہاں آگئے تھے پھر الماری کی ٹوٹی ہوئی دراز بھی اس بات کا ٹھوس ثبوت ہے کہ وہ میرا وہم نہ تھا اور نہ ہی خیالی پیکر تھا اس شخص نے اوپری دراز کے دو ٹکڑے کر دیئے ہیں۔ میں نے ان چیزوں کا جو دراز میں تھیں معائنہ کیا تو معلوم ہوا کہ خطوط کا ایک پلندہ غائب تھا۔ یہ میری مکتبہ کے خطوط تھے۔ میری مکتبہ کا نام مار جو رے لندن ہے۔ ہم نے ابھی اپنی نسبت کا اعلان نہیں کیا ہے۔“

لیکن ان خطوط کا وہ کیا کرے گا.....

”اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو وہ ان خطوط سے کوئی کام نہ کالے گا اور اگر حالات ایسے ہی ہیں جیسا کہ میں سمجھا رہا ہوں تو انجام بہت برا اور بھی تک ہو گا۔ اگر شیطان کی وہ خالہ یا شیطانوں کا پورا گروہ مجھ سے انتقام لینا چاہتا ہے تو ان خطوط سے انہیں معلوم ہی ہو جائے گا کہ مار جو رہے میری سنگت ہے چنانچہ وہ مار جو رہے کو پکڑنے اور خدا نخواستہ مجھ سے بھگت چڑھانے کی کوشش کریں گے۔“

”لو یہ بات ہے۔ لیکن یہ تو بتائیے کہ پور فرار کس طرح ہوا۔ کیا وہ بھی تصویروں کی طرح غائب ہو گیا۔“

جی نہیں وہ ما قاعدہ فرار ہوا۔“

کہا مطلب؟

”اور وہ مطالعہ گاہ میں سے نکل کے نشست کے کمرہ میں اور وہاں سے دالان میں پہنچا اور پھر سڑک

سے کہی تھی۔

”جی ہاں“

”میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور اب پھر کہتا ہوں کہ سڈنی سے میں پوری طرح واقف ہوں جب وہ غصے اور جوش میں ہوتا ہے تو بڑی سخت باتیں کہہ جاتا ہے حالانکہ ان باتوں کا کوئی مطلب نہیں ہوتا اور نہ خود سڈنی سنجیدہ ہوتا ہے جو کچھ وہ کہتا ہے ایک رو میں بک دیتا ہے حالانکہ اس کے دل میں کچھ نہیں ہوتا۔ بہر حال اگر آپ اجازت دیں تو میں سڈنی کے پاس جا کر آپ کے میرے پاس آنے کا ذکر کر دوں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ پراسرار ہستی کے متعلق مجھے سب کچھ بتا دے گا بشرطیکہ وہ جانتا ہو۔“

”تو پھر آپ جانیے اس کے پاس اسی وقت۔“

”بہت اچھا سڈنی سے مجھے کیا معلوم ہوا یہ میں آپ کو بتا دوں گا۔“

میں جانے کے لئے اٹھا ہی تھا کہ کوئی بولے کی طرح ملاقات کے کمرے میں داخل ہوا وہ بہت گھبرایا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ کرسیوں اور میزوں سے ٹکرا رہا تھا اور میں ان کے گرنے کی آواز سن رہا تھا دوسرے ہی لمحہ میرے دفتر کا دروازہ دھڑ سے کھلا اور خود سڈنی توپ کے گولے کی طرح دفتر میں ٹھس پڑا۔

سڈنی نے یہ بھی دیکھا کہ اس وقت اکیلا ہوں۔ یا کوئی اور بھی میرے ساتھ موجود ہے اپنا نام درست کہے بغیر اس نے آتے ہی کہنا شروع کیا۔

”خدا کا شکر ہے کہ تم دفتر میں ہی ہو۔ شائیل مجھے تمہاری ضرورت ہے فوراً اسی وقت کچھ پوچھنے کی کوشش نہ کرو۔ اپنا وہ جہازی بیٹ سر پر رکھو اور چلو میرے ساتھ ٹانگے میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔“

مجھے منہ سب معلوم ہوا کہ اس کی توجہ مسٹر لنگھام کی طرف مبذول کرادوں۔ ”میرے دوست“

اس نے ہاتھ ملا کے مجھے خاموش کر دیا۔

”دوست وغیرہ کوڈالو جو۔“

اس وقت دغیرہ کوڈالو جو۔ اس وقت تمہارا کوئی بہانہ نہ چلے گا اگر ملکہ انگلستان سے ملاقات کا وقت لے چکے ہو تو ملاقات کو ملتوی کر دو۔ کہاں ہے وہ تمہارا جہازی بیٹ؟ یا ننگے سر ہی چل رہے ہو۔ شائیل ایک لمحہ قہقہے ہے خدا کی قسم یہ کسی کی موت اور زندگی کا سوال ہے اب چلتے ہو یا میں تمہارے بال پکڑوں اور تمہیں گھسیٹتا ہوا لے چلوں۔“

”تم تو یار جیسے پاگل ہو رہے ہو۔ بہر حال میں چل رہا ہوں تمہارے ساتھ پہلے میری بات تو سنو اس وقت میں اکیلا نہیں ہوں۔ مسٹر لنگھام بھی ہیں میرے ساتھ۔ یہ دیکھو۔“

یہ عجیب بات ہے کہ سڈنی نے مسٹر لنگھام کو نہ دیکھا تھا اب تک غالباً اس لئے کہ وہ بہت زیادہ گھبرایا ہوا تھا اور غفلت میں تھا۔ جب میں نے لنگھام کی طرف اشارہ کیا تو اس نے گھور کر ان کی طرف دیکھا۔ اور

بڑے اکھڑ پن سے بولا۔ ”اوہ تو آپ ہیں۔ کیا کرنے آئے ہو یہاں؟“

اس سے پہلے کہ مسٹر لنگھام سڈنی کے اس گستاخانہ سوال کا کوئی جواب دیتے اس نے آگے بڑھ کر ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور کڑک کے پوچھا۔

”اسے دیکھا ہے تم نے؟“

مسٹر لنگھام سڈنی کے اس برتاؤ سے ہونچکا رہ گئے۔

”کس کو؟“

”مار جو رے لنڈن کو؟“

”مار جو رے کو؟“

مسٹر لنگھام خاموش ہو گئے وہ حیران تھے کہ سڈنی مار جو رے کے متعلق کیا پوچھ رہا ہے اور کیوں پوچھ رہا ہے۔

”مار جو رے سے میری ملاقات گزشتہ رات ہوئی تھی کیوں خیریت تو ہے؟“

”نہیں خیریت تو نہیں ہے مار جو رے کا اب خدا حافظ ہے وہ اب اس کی قید میں ہے۔“

”یہ کیا کہہ رہے ہو۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔ کون کس کی قید میں ہے۔“

”مار جو رے تمہارے اس مشرقی دوست کی قید میں ہے عظیم سیاست دان صاحب تمہاری منگیت۔ اس وقت اس مشرقی پراسرار کی گرفت میں ہے وہ اس نے اس کو اغوا کر لیا ہے۔ یا کر گئی ہے میں نہیں جانتا کہ مار جو رے کو کہاں لے گیا ہے یا لے گئی ہے اور یہ کہ وہ اس کے ساتھ کیا سلوک کرے گا یا کرے گی۔“

”آ تھرٹن! خدا کے لئے پھیلیاں نہ بھجواؤ۔“ لنگھام نے مہربانی ہوئی آواز میں کہا اور پھر دانت پیس کر بولے۔

”اگر مار جو رے کو کچھ ہو گیا تو آ تھرٹن میں تمہارا خون پی لوں گا۔“

اور اس کے بعد لنگھام نے جو حرکت کی وہ میرے لئے بھی اتنی غیر متوقع تھی جتنی کہ سڈنی کے لئے۔ انہوں نے شیر کی طرح لپک کر سڈنی کا گلا پکڑ لیا۔

”خاسد گدھے۔ کیا کیا تو نے اس کے ساتھ۔ اگر اس کا بال بھی بیکا ہوا تو میں تجھے زندہ نہ چھوڑوں گا۔ خدا کی قسم نہ چھوڑوں گا۔“

انہوں نے سڈنی کو یوں جھنجھوڑا دیا کہ وہ کوئی چوہا ہو۔ پھر اسے پیچھے دھکیل دیا سڈنی دھڑک دیا۔

پھر پڑا۔ مسٹر لنگھام صبح معنوں میں آگ بگولا ہو گئے تھے ان کا چہرہ سرخ اور آنکھیں انکارہ ہو رہی تھیں۔

سڈنی کو کوئی چوٹ نہ آئی تھی۔ البتہ اسے حیرت کے چند ثانیوں تک فرش پر ہی پڑا رہا۔ پھر وہ آہستہ سے اٹھا۔ اس نے ایک جھرجھری لی۔ گویا اپنا اطمینان کر لینا چاہتا ہو کہ اس کے بدن کی کوئی ہڈی تو نہیں ٹوٹ گئی۔ اس نے اپنا ایک ہاتھ اٹھا کے گردن پر رکھا۔ چند ثانیوں تک اپنی گردن مٹا رہا۔ پھر مسکرا کے بولا۔

”یار لنگھام! تم تو خائف تو قہقہے سے ملا تو رنکل آئے۔ وہاں یا تم تو قہقہے مچا کر مرد ہوا تو دیکھا کہ اتنی گرفت تھی تمہاری۔ میری گردن ٹوٹ گئی۔ جی یار۔“

خیر پہلے میں اس معاملہ سے نپٹ لوں۔ پھر باکسنگ کے

دستائے پیکر کے ہم دو دو ہاتھ کر میں گئے۔ تم نے سیاست میں پڑ کے جبکہ ماری ہے اپنے آپ کو تباہ کر لی ہے تمہیں تو بندہ خدا پہلوان پایا کس ہونا چاہئے تھا لاؤ اپنا ہاتھ لاؤ۔

مسٹر سنگھام نے اپنا ہاتھ نہ بڑھایا تو سڈنی نے خود ہی آگے بڑھ کر ان سے مصافحہ کر لیا۔

”آقہ قرین“ سنگھام نے کہا۔ ”بات بنانے کی کوشش نہ کرو جو کچھ تم نے کہا ہے اگر وہ سچ ہے اور مار جو رہے اس ہستی کے رحم و کرم پر ہے جس کی جنس کا کوئی پتہ نہیں تو یقین کرو سڈنی مار جو رہے کی جان خطرے میں ہے۔ وہ ہستی اور اس کا شیطانی گروہ مار جو رہے کے ساتھ جو سلوک کرے گا وہ موت سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔“

”خدا کی قسم تم ٹھیک کہتے ہو شیطان کے اس خالو یا خالہ سے کچھ بعید نہیں میرے خدا مار جو رہے کے انجام کے خیال سے میں کاپ اٹھتا ہوں۔“ سڈنی نے کہا پھر میری طرف گھوم کے بولا۔ ”یار تم نے ابھی تک اپنا وہ جہازی ہیٹ اپنے سر مبارک پر نہیں رکھا اب یار یہ درزی کے پتلے کی طرح کب تک کھڑے رہو گے۔ خدا کے لئے چلو۔ راستے میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔ اور سنگھام اگر تم ہمارے ساتھ آ رہے ہو تو تمہیں بھی معلوم ہو جائے گا کہ کیا ہوا۔“

ایک تو چھوٹی سی اور ایک کھوڑے کی جھبی میں تین آدمیوں کا سوار ہونا بذات خود بڑا بے آرام ثابت ہوتا ہے اور پھر ان تینوں میں سے ایک سڈنی ہو جس پر گھبراہٹ بے چینی اور بخلت کا دورہ پڑا ہو تو پھر دوسری دو سواروں کی مشکل کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔

غالباً یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ سڈنی کے اس اضطراب کو مسٹر سنگھام مجھ سے زیادہ سمجھ سکتے تھے۔ بڑی کوششوں کے بعد میں سڈنی کو ذرا سکون پذیر کر کے ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد میں اس سے مطلب کی بات کہہ دیا۔

اپنی کئی میری آنکھ میں لکھنؤ سے اور اپنا گھوڑا میرے کندھے پر سید کرتے ہوئے اس نے سنگھام کو فتح طلب کیا۔

”مار جو رہے نے تمہیں اس شخص کے متعلق تو بتایا ہو گا جسے وہ سڑک پر سے گھر میں اٹھوا لائی تھی۔“

”نہیں تو ان صاحب کا کیا قصہ ہے؟“ سنگھام نے حیرت سے پوچھا۔

”تمہیں یاد ہے کہ ایک بڑے گورنمنٹ ہاؤس میں چوری کرنے گئے تھے ایک رات؟“

”ہاں یاد ہے۔“

”چنانچہ یہ بھی یاد ہو گا کہ تمہارے گھر میں دھم سے کودنے کے بعد وہ مجھ سے تقریباً ٹکرائے تھے۔“

”ہاں یہ بھی یاد ہے۔“

”خیر تو مار جو رہے نے دوسری صبح انہی بڑے گورنمنٹ ہاؤس پر پڑے پایا یعنی عین اپنے گھر کے سامنے۔“

معلوم ہوا کہ رات بھر یہ شخص سردی اور بارش میں تقریباً رہتا تھا یعنی نوم تو جہ کے عالم میں۔

”یہ حضرت آخر میں کون جن کا ذکر تم کر رہے ہو؟“

”اس نے اپنا نام ہالٹ بتایا تھا۔ رابرٹ ہالٹ۔“

”رابرٹ ہالٹ تو کیا وہ انگریز ہے۔“

”اتنا ہی جتنا کہ ہم تم ہیں۔ بیچارہ قسمت کا مارا ہے۔ بیکار بھنگ رہا ہے ہر جگہ کوشش کی لیکن ملازمت نہ ملی غریب کو۔ سر چھپانے کے لئے غریب خانے میں پہنچا تو وہاں سے بھی نکلا جواب دیا۔ یار تم سیاست دانوں اور مدبروں نے متوسط طبقے کی عجیب درگت بنا رکھی ہے۔ دنیا تو مزدوروں اور کسانوں کی ہے۔ یا پھر کروڑپتیوں کی۔ متوسط طبقہ بیچارا ٹاپتا پھرتا ہے اور عزت کی لاش سنبھالے بیٹھا ہے۔“

”لیکن تمہیں یقین ہے؟“

”کا ہے کا۔“

”نبی کہ رابرٹ ہالٹ وہی شخص ہے جو میرے یہاں چوری کرنے گھسا تھا اور فرار ہوتے وقت بقول تمہارے نکرا گیا تھا۔“

”بالکل وہی ہے۔ میں اسے بھول سکتا ہوں کبھی؟ اس کے علاوہ خود اس نے اپنی کہانی سنا لی جس سے معلوم ہوا کہ حضرت تمہارے یہاں چوری کرنے گئے تھے۔“

”مسٹر آقہ قرین۔ تمہیں یہ نہ بھولنا چاہیے کہ اس معاملے کے متعلق میں کچھ نہیں جانتا یعنی میں بالکل اندھیرے میں ہوں بہر حال اس شخص کا نام رابرٹ ہے اس معاملے سے کیا تعلق ہے۔ جس میں ہم یابیوں کو کہ میں الجھا ہوا ہوں۔“

جواب میں سڈنی نے مار جو رہے کے غائب ہونے تک کی پوری کہانی سنا دی۔ واقعات کا تسلسل حیرت انگیز تھا۔ سڈنی نے نہایت جوش کے عالم میں اپنے آپ کو دو چار صلو اٹھیں سنانے کے بعد کہانی کا اختتام یوں کیا۔

”چونکہ میں ہالٹ کو کہیں پانہ نہ کا تھا۔ اس لئے مجھے مناسب معلوم ہوا کہ میں واپس اس پر اسرارہ کان میں مار جو رہے کے پاس لوٹ جاؤں چنانچہ یہ ہی میں نے کیا اور وہاں پہنچ کے دیکھا کہ مار جو رہے غائب تھے اور درکان خالی پڑا تھا۔“

”لیکن میں پوری طرح سمجھا نہیں کہ۔“

سڈنی نے سنگھام کی پوری بات سننا مناسب نہ سمجھا اس نے بے چینی سے ہاتھ ہلا کے انہیں خاموش کیا اور سلسلہ کام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

”میں نے اس مکان کا چپہ چپہ چھان مارا۔ اوپر دیکھا نیچے دیکھا باہر دیکھا کونوں میں دیکھا اور کھنڈروں میں دیکھا۔ مار جو رہے کو پکارتے پکارتے میری آواز کو بے کی آواز کی طرح ہو گئی۔ لیکن مار جو رہے نہ تو کہیں نظر آئی اور نہ اس نے جواب دیا۔ میں بیستالیس سو فیصد زینہ اتر رہا تھا کہ میرا ہاتھ کسی چیز پر پڑا۔ میں نے وہ چیز اٹھالی یہ ایک انگوٹھی تھی۔ یہ انگوٹھی اس وقت اپنی اصل شکل میں نہیں ہے یعنی روپ بکڑ گیا ہے بیچاری کا۔ تم جانو کہ میں پھول کی طرح ہکا بھکا نہیں ہوں۔ لیکن چونکہ اس وقت میں ایک ایک ساتھ دو دو سیڑھیاں چھانگ رہا تھا۔ اس لئے اپنے پورے بوجھ سمیت انگوٹھی پر کھڑا ہو گیا چنانچہ انگوٹھی میرے بوجھ تلے تر مڑ کر ایسی ہو گئی۔“

سڈنی نے اپنا ہاتھ لہا کر کے مٹھی کھول دی اس کی جھلی پر کوئی چیز چمک رہی تھی مسٹر لنگھام اس انگلی کو
کھینچنے کے لئے ذرا آگے کی طرف جھک گئے اور پھر انہوں نے چیل کی طرح اس پر جھپٹا مارا۔

”یہ میری ہے۔“ وہ بولے

سڈنی نے اپنا ہاتھ پیچھے تھپتھپایا۔

”ذرا صبر یہ کیسے ہوگئی تمہاری؟“ اس نے پوچھا۔

”یہ میں نے دی تھی مار جو رہے کو؟ یہ ہماری مختلف کی انگلی ہے۔ یہ دید و مجھے ورنہ میں کبھی میں ہی
پیٹ دوں گا۔“

ہم دونوں بھی میں پھنسنے بیٹھے تھے۔ اس کے باوجود مسٹر لنگھام نے مجھے ایک طرف دھکیل کر سڈنی
کی کلائی پکڑ لی۔ ایک لمحہ تک بھی میں عجیب گڑبڑ سی مچی ہوئی تھی۔ میں رنج میں دبا بیٹھا تھا کبھی تو مسٹر
لنگھام کی کہنی میری پٹلی میں کھپ جاتی تھی اور کبھی مسٹر سڈنی کی مٹھی میری آنکھ منہ یا ناک پر آ پڑی تھی۔
بہر حال سڈنی کو بہت جلد اپنی بار تسلیم کر کے انگلی لنگھام کو دینی پڑی۔ اگر اس نے اور ہاتھ پائی کی ہوئی تو
وہ چلتی ہوئی بھی میں سے سرک پر پھینک دیا جاتا۔ ہارے ہوئے سڈنی نے تعریفی نظروں سے قاری
حریف کی طرف دیکھا۔

”یار میں تمہیں اتنا طاقتور نہیں سمجھتا تھا۔ تمہاری بوڑھی رگوں میں واقعی گرم خون گردش کر رہا ہے پہلے
اس معاملے سے نپٹ لوں پھر تم سے دودھ ہاتھ کر لوں گا۔“

لنگھام یوں بے پروا رہے جیسے انہوں نے کچھ سنا ہی نہیں وہ اس انگلی کو دیکھ رہے تھے جو ان کے
قبضے میں تھی۔

”خدا یا یہ وہی انگلی ہے جو میں نے اسے دی تھی۔“ وہ بولے ”مار جو رہے اس انگلی کو آسانی سے
اتروانے والی نہ تھی۔ اس کے سامنے ضرور کوئی بھیا نک واقعہ ہوا ہوگا۔“

سڈنی بچ میں پکا۔

”یہ ہی تو میں کہہ رہا ہوں ایک گھنٹہ سے لیکن کیا واقعہ ہوا۔ خدا کی قسم میں یہ نہیں جانتا جب میں اس
مکان میں پہنچا تو وہ وہاں نہ تھی۔ پورا مکان چھان مارنے کے بعد مجھے یقین ہو گیا کہ وہ وہاں نہیں ہے تو
میں اسے تلاش کرنے کے لئے وہاں سے نکل پڑا۔ راستے میں خیال آیا کہ شاید کوئی بھی ساتھ لیتا چلوں
کیونکہ یہ ہی وہ شخص ہے جو صبح میں سولی تلاش کر لیتا ہے۔ یار یہ گھوڑا بڑا زوردار ہے یہ دیکھو ہم پہنچ گئے۔
ارے بھئی کو چوان لگا میں کھینچ لو۔ ارے میاں آگے نہ بڑھو بھی کو خدا جانے کیا ہو جائے۔ یہ چادہ کا گھر
ہے بھی بلکہ ادا ہے اڑا یا تمہارا گھوڑا اچ جی صبار قرار ہے۔“

سڈنی نے مارے گھونسوں کے دروازے کی چولیس تک بلا دیں لیکن اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔
چنانچہ وہ پچھواڑے کی طرف چلا گیا اور لنگھام اس کے پیچھے تھے اس طرف باورچی خانے کی کھڑکی کھلی
ہوئی تھی۔

”تم یہ کھڑکی کھلی چھوڑ گئے تھے کیا۔“ میں نے پوچھا

”یہ تو مجھے یاد نہیں۔“ سڈنی نے جواب دیا۔

وہ اچک کر کھڑکی میں اور وہاں سے اندر چل گیا۔ ہم نے اس کی تھید کی سڈنی نے اندر پھینکتے ہی کلا
پھار پھار کے چلانا شروع کیا۔

”مار جو رہے مار جو رہے! کہاں ہو تم؟ یہ میں ہوں سڈنی۔“

وہ لنگھام کی طرف گھوم گیا۔

”سچ کہنا یار۔ قیس نے صحرا میں مٹی کو بھی اس طرح نہ پکارا ہوگا۔“

”مذاق نہ کرو سڈنی خدا کی قسم“

”پیارے لنگھام میں مذاق نہیں کر رہا۔ کیا کروں میں نے طبیعت ذرا چلبلی پائی ہے۔“

وہ پھر پکارنے لگا۔

”مار جو رہے جواب دو تمہارے ہونے والے شوہر بھی تشریف لائے ہیں۔“ کہیں سے کوئی جواب نہ
آیا۔ کہیں سے کوئی آواز سنائی نہ دی۔ وہ ہمیں لے کر اس کمرے میں پہنچا جو سڑک کی طرف تھا۔ وقت وہ
رک گیا۔

”ارے کھڑکی پر جھلملی گری ہوئی ہے“ اس نے حیرت سے کہا

”یہ تو میں نے باہر ہی سے دیکھ لیا تھا۔“ لنگھام نے کہا۔

”جب میں یہاں سے چلا تھا تو اس وقت جھلملی گری ہوئی نہ تھی۔ چنانچہ ثابت ہوا کہ میرے جانے
کے بعد یہاں کوئی آیا ہے۔ خدا کرے یہ آنے والی مار جو رہے ہو۔“

وہ چند قدم آگے بڑھا اور پھر رک گیا۔

”میرے خدا یہاں تو کچھ جھج جھج ہوا پھیری ہوئی ہے۔“ وہ بولا۔ ”کمرہ خالی ہے ہر چیز غائب ہے۔“

”یعنی کیا مطلب۔ جب تم یہاں آئے تھے تو یہ کمرہ فرنیچر وغیرہ سے بھرا ہوا تھا۔“

”سنا ہوا۔ خیر ہم اسے سنا ہوا تو نہیں کہہ سکتے۔ اس مکان کا مالک کبھی کبھی چوس معلوم ہوتا ہے لیکن

یہ کمرہ ایسا خالی بھی نہ تھا۔ اس کے فرش پر قالین بچھا ہوا تھا اور یہاں ایک پنگ بھی تھا۔ اور چند دوسری
چیزیں تھیں۔ سب کی سب مشرق کی بنی ہوئی۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمام چیزیں دھواں بن کر اڑ گئی اور
تم جانو مشرقی اشیاء سے کچھ بعید بھی نہیں خصوصاً اس صورت میں کہ وہ حضرت موسیٰ کے زمانے میں ایک

سڈنی چاروں طرف یوں دیکھ رہا تھا جیسے اپنی آنکھوں پر سے اعتبار اٹھ چلا ہو۔

”تم اس کمرے سے کب رخصت ہوئے تھے؟ میں نے پوچھا؟“

سڈنی نے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا

”کوئی ایک گھنٹہ پہلے یا شاید ڈیڑھ گھنٹہ پہلے؟“

”اس وقت تمہیں سامان وغیرہ بندھا ہوا نظر آیا تھا جیسے کوئی سڑکی تیاری کر چکا ہو۔“

”نہیں ایسی کوئی بات نظر نہ آئی تھی۔ گھڑی کے قریب پہنچ کے اس نے جھلملی اٹھا دی۔ عجیب بات یہ

تھی کہ جب میں مارجر سے اور ہالٹ کے ساتھ یہاں آیا تھا تو یہ جھلملی ٹھس ہو گئی تھی۔ چنانچہ میں نے اسے

بیلن سمیت اکھاڑ پھینکا تھا لیکن دیکھو۔ اب یہی جھلملی اتنی آسانی سے اوپر اٹھ گئی ہے گویا ایسی عمدہ اور

فرمانبردار جھلملی دنیا میں دوسری نہ ہوگی۔“

میں سڈنی کے پیچھے کھڑا ہوا تھا اور وہاں سے میں نے دیکھا کہ کبھی پر بیٹھا ہوا کوچوان ہاتھ بلا ہاتھ کر

بیلن ہار ہاتھ سڈنی کی نظر بھی اس پر پڑ گئی۔ وہ ایک دم سے ساش کھول کے بولا۔

”یہ کیا ہوا تمہیں کسی قسم کا درد وغیرہ پڑا ہے کہ کیا؟“

”معاف کیجئے گا۔ لیکن یہ بڑے میاں کون ہیں؟“

”کون سے بڑے میاں یہاں پر کوئی بڑے میاں نہیں؟“

”نہیں تو پھر یہ اوپر کی منزل میں کھڑکی میں سے کون جھانک رہا ہے؟“

کوچوان نے ابھی پوری بات بھی نہ کی تھی کہ سڈنی نے اپنے کی طرف بھاگا جا رہا تھا۔ اور اب وہ زینہ

پتھر رہا تھا۔ میں اس کے پیچھے تھا۔ جب میں اوپر پہنچا تو سڈنی سامنے کے کمرے میں سے بولنے کی طرح

ٹکا اور دوسرے کمرے میں ٹھس گیا اور پھر ایک تیسرے دروازے میں سے چپخت ہوا نکلا۔

”کوچوان نے بھٹک پی رہی ہے شاید۔ یہاں نہ بڑے میاں ہیں نہ بڑی بی۔ ابے یہاں تو کوئی بھی

نہیں۔“

”تو پھر وہ صاحب کیا ہوئے جو ایک منٹ پہلے کھڑکی میں سے جھانک رہے تھے۔“ کوچوان نے

خیریت سے پوچھا۔

”میاں! سچے ساتویں کاسر مدا کا دکھ نظر؟ صاف ہو چونکہ کھڑکی کے شیشوں پر روشنی پڑ رہی ہے اور

پھر تمہاری نظر دھندلائی ہوئی ہے۔ اس لئے تمہیں کچھ کا کچھ نظر آ گیا۔“

”نہیں جناب نہ تو مجھے کچھ کا کچھ نظر آیا۔ اور نہ ہی میری نظر کمزور ہے عقاب کی نظریں بھی اتنی تیز نہ

ہوں گی جتنی کہ میری ہیں۔ اب رہے کھڑکی کے شیشے اور ان پر روشنی وغیرہ تو جناب کھڑکی میں اتنے شیشے

ہیں کہاں کہ وہ نظر کو دھوکا دے سکیں۔ جناب دیکھئے دائیں طرف کے نیچلے پت کا شیشہ ٹوٹا ہوا ہے بس

تکس سے وہ جھانک رہا تھا۔ وہ یہیں کہیں ہوگا۔ اتنے جلد وہ کہیں نہیں جا سکتا۔ اس کمرے میں کوئی الماری

وغیرہ تو نہیں جس میں وہ چھپ گیا ہو۔“

کوچوان نے یہ باتیں اتنی یقین سے کہی تھیں کہ میں خود تحقیق کے لئے آگے بڑھا ہوا شک وہاں

ایک الماری سو جو تھی۔ لیکن اس کے کواڑ چوٹ کھلے ہوئے تھے اور وہ جھوکے پیٹ کی طرح نکلی تھی۔

پچھلا کمرہ چھوٹا اور خالی تھا۔ کھڑکی کا شیشہ ٹوٹا ہوا تھا اور اس کی کرسیاں فرش پر پڑی ہوئی تھیں۔ اور ان

کرچیوں کے علاوہ چند پتھر اور ایشیں اور ایسی ہی بیکار چیزیں پڑی ہوئی تھیں۔ ان چیزوں کی موجودگی

وہاں سمجھ میں نہ آئی۔ ایک کونے میں الماری تھی۔ سرسری محاسبہ کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ الماری بھی

خالی تھی۔ میں نے اوپر نظر کی۔ اس طرف کوئی چور دروازہ یا سوراخ نہ تھا کمرے میں کوئی ایسی چیز نہ تھی جس

میں کوئی چھپ سکتا میں پھر کھڑکی کے سامنے اور سڈنی کے قریب جا کھڑا ہوا۔

”کوچوان۔“ میں نے کہا۔ ”یہاں کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں کوئی چھپ سکے اس کے علاوہ دونوں

کمرے خالی ہیں غالباً تمہیں کچھ دھوکا ہوا ہے۔“

کوچوان صاحب فغا ہو گئے۔

”یہ کیا بات ہوئی صاحب! جب میں نے کچھ دیکھا ہی نہ تھا۔ آپ نے کیسے کہہ دیا کہ میں نے کچھ

دیکھا تھا۔“

”بھئی بعض اوقات نظر دھوکا دے جاتی ہے تم نے وہ دیکھا جو نہ تھا اسی کو نظر کا دھوکہ کہتے ہیں ہرادر۔“

سڈنی نے کہا۔

”اگر وہ بوڑھا وہاں نہ تھا اور نہیں ہے تو میں یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ میں بھی یہاں نہیں ہوں۔ اور آپ

بھی وہاں موجود نہیں ہیں اور نہ یہ مکان یہاں ہے اور نہ ہی دنیا کا وجود ہے۔“

سڈنی نے کھڑکی میں سے کروں باہر نکال کے پوچھا۔

”وہ کیسا تھا۔“

”کون کیسا تھا۔“

”وہی بوڑھا جو اس کھڑکی میں سے جھانک رہا تھا۔“

”یہ تو میں ٹھیک سے نہیں بتا سکتا۔ کیونکہ اس کا پورا چہرہ نظر نہ آ رہا تھا البتہ چہرے کا کچھ حصہ اور

آنکھیں میں دیکھ سکا تھا اور اسی پر سے میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ کاغذ نہ تھا۔ وہ نقاب سی ڈالے تھا جیسے وہ نہ

چاہتا ہو کہ کوئی اسے دیکھ سکے۔“

”کس قسم کی نقاب۔“

”ہم اسے نقاب تو نہیں کہہ سکتے۔ وہ وہ ٹھیک ہے عربوں کی سی عبا پہنے ہوئے تھا۔ ٹوپی والی عبا۔“

مسٹر سنگھام میری طرف گھوم گئے۔ وہ ہولے ہولے کانپ رہے تھے۔

”میرے خیال میں کوچوان غلط نہیں کہہ رہا۔“ انہوں نے کہا۔

”اگر وہ غلط نہیں کہہ رہا تو پھر وہ بوڑھا کیا کہاں اسے زمین کھا گئی یا آسمان نے نگل لیا ہو۔ یا وہ ہوا

بن کے اڑ گیا۔ عجیب بات تو یہ ہے کہ سوائے کوچوان کے کسی اور نے اسے نہ دیکھا۔“

”کوئی شیطانی چال چلی گئی ہے میرا دل کہتا ہے کہ کوئی چال چلی گئی ہے؟“

اس لباس میں بہت حسین معلوم ہوتی ہے۔“
گہری خاموشی کا وقار رہا۔ یہ عجیب سراٹھتا تھا جو بد زبان خود آپ اپنی کہانی سنار ہاتھ دونوں نو جوان
خاموشی سے کپڑوں کے ڈھیر کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اس خاموشی کو لنگھام نے توڑا۔ ان کا رنگ زرد ہو
رہا تھا اور آواز لرز رہی تھی۔

”کیا واقعہ ہوا ہو گا مار جو رہے کے ساتھ؟“

میں نے ان کے سوال کا جواب ایک دوسرے سوال سے دیا۔

”آپ کو یقین ہے کہ مس لنڈن کے کپڑے ہیں؟“

”یقین ہے اور اگر آپ ثبوت چاہتے ہیں تو یہ کیجئے“

وہ لباس کی جیب میں سے چند چیزیں برآمد کر چکے تھے۔ ان چیزوں میں ایک پرس تھا اس پرس میں
چھ نقدی تھی اور ایک ملاقاتی کارڈ کا رڈ پرس لنڈن کا پورا نام اور پتہ چھپا ہوا تھا۔ پھر چابیوں کا ایک گچھا
تھا اور اس گچھے میں فولاد کی ایک قیمتی ٹنگ رہی تھی جس پرس لنڈن کا نام کندہ تھا ایک رومال بھی ملا جس
کے کونے پرس لنڈن کے پہلے حروف کارہے ہوئے تھے۔ چنانچہ اب کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ تھی۔

”یہ دیکھئے“ لنگھام نے پرس فرش پر اوندھاتے ہوئے کہا۔ ”روپے جوں کے توں موجود ہیں۔
چنانچہ ثابت ہوا کہ یہ چوری یا لوٹ کا کیس نہیں ہے یہ دیکھئے اس پونڈ کے دونوں۔ ایک پانچ پونڈ کا نوٹ
اور یہ سوئے اور چاندی کے سکے۔ کل پونجی میں پونڈ کے قریب ہوتی ہے۔ سنڈی کپڑوں کو الٹ پلٹ کر رہا
تھا۔ اس نے فوراً ہی کچھ اور چیزیں ملنے کا اعلان کیا۔

”یہ دیکھئے یہ ہیں اس کی انگلیں گھڑی اور براسلٹ مار جو رہے کو چوری کی غرض سے نہیں پھنسیا
گیا۔“

لنگھام سنڈی کو کھانچا جانے والی نظروں سے دیکھ رہے تھے؟

”میرے اندازے کی تائید کرنے کا شکر یہ حالانکہ مجھے تمہاری تاکید کی ضرورت نہیں۔“ انہوں نے
تختی سے کہا۔

سنڈی ذرا بھی غصے نہ ہوا۔

”یار لنگھام میں ایسے سلوک کا مستحق نہیں ہوں۔ تم خواہ مخواہ مجھ پر خفا ہو رہے ہو۔ اور بیکار مجھ سے
روٹھے ہو۔ خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جو کچھ ہوا اتفاقاً ہوا میرا کوئی قصور نہیں ہے میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر
ضرورت ہوئی تو میں مار جو رہے کی خاطر اپنی جان تک دینے سے دریغ نہ کرتا اور اب بھی نہ کروں گا۔“

”کہنا آسان ہے کرنا آسان نہیں۔ اگر تم نے اس معاملے میں اپنی ٹانگ نہ اڑائی ہوتی اور اپنے طور
پر اس قسمی کو سلجھانے نہ چلے جوتے تو مار جو رہے اس کے ہاتھ میں گرفتار نہ ہوتی۔ اگر مار جو رہے کو کچھ ہو گیا
تو یاد رکھو سنڈی میں تمہیں زندہ نہ چھوڑوں گا۔“

”یونہی سہی۔“ سنڈی نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ”اگر مار جو رہے کو کچھ ہو گیا تو پھر میں خود زندہ رہنا نہ
چاہوں گا۔“

میں حیرت سے لنگھام کی صورت دیکھنے لگا یہ معاملہ ایسا تھا کہ کسی کے خصوصاً لنگھام کے یہ کہہ دینے
سے کہ میرا دل کہتا ہے ”کسی کو اطمینان نہیں ہو سکتا ہے سنڈی بھی ان کی صورت تک رہا تھا۔ پھر ایک دم سے
وہ چونک کر بولا۔

”خدا کی قسم لنگھام سچ کہتا ہے۔ یہ مکان شیطانوں کا اڈہ ہے میرے دوست شائیل اہم مغربی بہت
سے ایسے علوم سے ناواقف ہیں جن سے مشرقی واقف ہیں میرے خدا عجیب گورکھ دھند ہے۔“
وہ دروازے کی طرف چلا ابھی وہ چند قدم ہی چلا تھا کہ دفعۃً پر کئے طوطے کی طرح پھر پھر اے
اوندھے منہ گرا۔

”کوئی چیز الجھ گئی تھی۔ میرے پاؤں میں کیا بلا ہے یہ؟ وہ فرش پر پیچ مار رہا تھا۔ فرش کا ایک تختہ اکھڑا
ہوا اور ڈھیلا ہے۔ جیسی یوں احمقوں کی طرح کیا کھڑے ہو۔ میری مدد کرو یا اس تختہ کو اٹھاؤ یا ر۔ کون جانے
اس کے نیچے کیا سراسر پوشیدہ ہے۔“

میں اس کی مدد کو پہنچا جیسا کہ سنڈی نے کہا تھا۔ فرش کا ایک تختہ اکھڑا ہوا تھا اور ڈھیلا تھا۔ سنڈی اسی
کے کونے سے ٹھوکر کھا کر گر گیا تھا۔

ہم دونوں نے مل کے اسے اٹھایا۔ لنگھام چند قدم دور خاموش کھڑے تھے۔ ہم نے تختہ اکھاڑ کے
دوسری طرف پھینکا اور اس سوراخ میں بھانکنے لگے جو تختے کے بنانے سے پیدا ہو گیا تھا۔

”اور ہمیں جو کچھ ملا؟“

”ارے“ سنڈی نے کہا ”یہ تو کسی عورت کے کپڑے ہیں۔“

بے شک وہ کسی عورت کے کپڑے تھے۔ انہیں افراتفری میں لپیٹ کر پھینک دیا گیا تھا۔ یہ بات بھی
ظاہر تھی کہ جس عورت کے وہ کپڑے تھے اسے بالکل ہی برہنہ کر دیا گیا ہو گا۔

جب میں کپڑوں کو ایک ایک کر کے سوراخ میں سے باہر نکال رہا تھا تو لنگھام اور سنڈی خاموشی سے
بچتے اور کپڑوں کو دیکھ رہے تھے۔ اوپر پہننے کا لباس سب سے نیچے تھا۔ وہ گہرے نیلے رنگ کا تھا اور اس پر
کوٹ لٹکی ہوئی تھی۔ لباس نیا تھا۔ لیکن اسے چھڑا کر اتارا گیا تھا۔ اور اب اس پر ان گنت سلونیس پڑی ہوئی
تھیں۔ لیکن جب میں نے اس ریشمی نیلے لباس کو باہر نکالا تو دونوں تماشائی آگے کی طرف جھک گئے۔

”میرے خدا“ سنڈی نے کہا۔ ”یہ مار جو رہے کا لباس ہے جب ہم یہاں آئے تو وہ یہی کپڑے پہنے
ہوئے تھی۔“

”بے شک یہ مار جو رہے کا لباس ہے“ لنگھام نے کہا۔ ”وہ مارے اضطراب کے پھنے ہوئے کپڑوں
کو اپنے ہاتھ پر لپیٹ رہے تھے۔ گزشتہ کل بھی وہ یہی لباس پہنے ہوئے تھی اور میں نے اس سے کہا تھا کہ وہ

جب دونوں تو تو میں میں کر رہے تھے تو میں اپنا کام کر رہا تھا فرش کے سوراخ میں کوئی چیز چسپاتی نظر آئی۔ میں نے ہاتھ بڑھا کے وہ چیز اٹھالی۔ یہ عورت کے بالوں کا گچھا تھا۔ یہ بال ٹھیک جڑ میں سے کانٹے کئے تھے اور اتنی بیدردی سے کہ گھوڑی کی تھوڑی سی جلد بھی کٹ گئی تھی جو بالوں کی جڑ سے لگ۔ یہی تھی بال نصف کے قریب خون میں لت پت تھے۔

”دوستو! ایک ممکن دریافت۔ یہ مس لندن کے بال ہیں نا۔“

دونوں نے بالوں کے اس گچھے کو پہچان لیا۔ بے شک وہ مس لندن کے بال تھے۔ مسرہ لکھام نے گچھا میرے ہاتھ سے گھسیٹ کر اپنے ہونٹوں سے لگایا۔

”ان پر میرا حق ہے اس کی ایک نشانی کو میرے پاس ہونی چاہئے۔“

لکھام نے کہا اور پھر گچھے پر نظریں گزار کے بولے۔ ”میرے خدا۔ مار جو رہے کا خون کر دیا گیا ہے۔ یہ بال اس کا ثبوت ہیں۔ جب تک میں زندہ ہوں اس سے انتقام لینے کی کوشش کرتا رہوں گا جس نے مار جو رہے کا خون کیا ہے یہاں تک کہ میں اس کا خاتمہ نہیں کروں یا خود میرا خاتمہ نہیں ہو جاتا۔“

سڈنی نے کہا۔

”چنانچہ میں کہتا ہوں آئین۔ خدا کرے تم اس شیطان سے انتقام لے سکو؟“

”دوستو! میرا خیال ہے آپ نے اندازہ لگانے میں جلت اور مبالغہ سے کام لیا ہے۔ میرے خیال میں ان باتوں سے یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط ہے کہ خدا اس مس لندن کا خون کر دیا گیا ہے۔ اس کے برخلاف میں سمجھتا ہوں کہ ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا ہے میرا اندازہ کچھ اور ہے۔ اور ان بالوں کی دریافت کے بعد میں ایک ہی نتیجہ پر پہنچتا ہوں۔“

لکھام نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

”کس نتیجہ پر پہنچے ہیں آپ؟“

”یہ میں بعد میں بتاؤں گا۔ ہو سکتا ہے کہ میرا اندازہ غلط ہو حالانکہ میرے خیال میں تو وہ غلط نہیں ہو سکتا۔ جب وقت آئے گا تو میں اپنے وائل پیش کردوں گا ابھی بہت سے کام باقی ہیں اور فی الحال ہمیں ان سے نپٹ لینا چاہئے۔“

ہم نے اس مکان کا کوئی ناگوار چھان مارا۔ لیکن ہماری اس تلاش کا سوائے اس کے اور کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا کہ ہم تینوں خاک و حول میں ان کے پھینکے کھانسنے لگے۔ کوچوان کے وہ بڑے میاں بدستور ایک معدے بنے رہے وہ بوڑھا جسے کوچوان نے لٹری کی میں سے جھانکتے دیکھا تھا۔ اس مکان میں یہی مس لندن کا کہیں پتہ چلا اور یہی ان کی کچھ اور چیزیں ملیں۔

سڈنی نے اپنی جھنجھلاہٹ چھپانے کی کوشش نہ کی۔

اب کیا کیا جائے۔ اس گھر میں تو جتنے جتنے خاک اڑ رہی ہے حول اور جالوں کے علاوہ یہاں کچھ اور ہے ہی نہیں۔ اس کے باوجود سارے اسرار کی کلیہ اسی لعنتی گھر میں موجود ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ مجھے ایک ناپید سراغ ایسا مل جائے گا جس کے ذریعہ ہم کسی اطمینان بخش نتیجہ پر پہنچ سکیں گے۔

”اس صورت میں تم اس کلیہ یا سراغ کو تلاش کرو کہ تو میں کوچوان کو بھیج دوں تمہاری مدد کے لئے اب باتو میں اس گھر میں بیکار وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا۔“

”تو پھر کیا کرنا چاہتے ہو؟“

میرے خیال میں ہمیں ٹھوس ثبوت اور صحیح سراغ کی ضرورت ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ سراغ ہمیں اس مکان میں سے مل جائے گا جو اسی سڑک پر واقع ہے۔

جب ہم یہاں آئے تھے تو میں نے ایک بات خصوصیت سے دھیان میں رکھی تھی۔ اور وہ یہ کہ اس سڑک پر صرف دو مکان تھے۔ ایک تو یہ ہی جس کی علامتی ہم لے چکے تھے اور دوسرا مکان سڑک کے دوسرے کنارے پر کوئی پچاس ساٹھ گز آگے کی طرف تھا۔ میرا اشارہ اسی مکان کی طرف تھا اور میں اسی مکان میں جا کر اس کے مکین یا مکینوں سے چند سوالات پوچھنا چاہتا ہوں۔

”میں بھی چلتا ہوں آپ کے ساتھ۔“ لکھام نے کہا۔

”اور میں“ بھی سڈنی نے کہا۔ ”اس بھوت بنگلے کو ہم فی الحال اپنے کوچوان کی زیر نگرانی چھوڑتے ہیں۔ بعد میں میں اس مکان کی بنیادیں تک کھوداؤں گا۔“

سڈنی مکان سے باہر نکل گیا۔ اور اب وہ کوچوان سے کہہ رہا تھا۔

”دیکھو میاں۔ ذرا ہم اس ڈربے میں جا رہے ہیں جو سامنے نظر آ رہا ہے تب تک تم اس مکان پر نظر رکھو۔ اور اس عرصہ میں اگر تمہیں کوئی نظر آجائے۔ زندہ یا مردہ۔ تو فوراً پوچھنا میں فوراً آ جاؤں گا۔“

”ایسا ہی ہو گا صاحب۔ اتنے زور سے چیخوں گا کہ آپ کے سر پر آپ کے بال تک کھڑے ہو جائیں گے۔“ کوچوان مسکرایا۔ ”لیکن صاحب یہ تو میں جانتا تھا کہ آپ میرا اندازہ نہ بھر کے لئے کرائے پر لے رہے ہیں مجھے گھوڑا بدلنا ہے جناب اس بیچارے کو چند گھنٹوں پہلے ہی اسٹبل میں پہنچ جانا چاہئے تھا۔“

”گھوڑے کی فکر نہ کرو۔ بڑا صابر جانور ہوتا ہے۔ ہر سال کل اسے چند گھنٹے زیادہ آرام کر لینے دینا۔ اس طرح آج کا بدل ہو جائے گا۔ ہاں یار۔ تمہاری ٹیخ سے زیادہ بہتر رہے گا۔“

سڈنی نے اپنی جیب سے پستول نکال کے کوچوان کے ہاتھ میں تھما دیا۔ اس تمام عرصے میں ”مگر اہٹ کوچوان کے ہونٹوں سے جدا نہ ہوئی تھی۔“

”اگر تمہارا بڑے بڑے میاں پھر نظر آئیں۔ تو بلا توقف ان پر گولی چلا دینا اس کا میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہیں پھانسی نہ ہوگی۔ بلکہ ان افعام سے گا۔“

”میں پھانسی واپسی سے نہیں ڈرتا۔“ کوچوان نے ایک ماہر پستول باز کی طرح اپنی انگلیوں میں پستول تھماتے ہوئے کہا۔ ”اگر وہ بڑا حائل نظر آتا تو میں اسے مار گراؤں گا کم سے کم یہی ثابت کرنے کے لئے میں ہموں نہیں ہوں۔“

میں نہیں کہہ سکتا کہ کوچوان شجیدہ تھا یا نہیں اور سڈنی بھی مذاق کر رہا تھا یا نہیں

”اگر تم نے اسے مار گرایا تو میں پچاس پونڈ بطور انعام دوں گا۔“ سڈنی نے کہا کوچوان ہنسنا اس کی ہنسی

نہیں کی چیخ کی طرح تھی۔

”بہت اچھا۔ میں یہ بچاؤں کو ہند حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔“

”اللہ آپ کو بخشی دے۔ مجھے نہ تمہاری معافیوں کی ضرورت ہے اور نہ خود تمہاری میں نے کہہ دیا ہے کہ تم میرے گھر میں نہ آؤ گے۔ چنانچہ نہ آؤ گے۔ اللہ آپ کو بخشی دے۔ تمہارا چال چلن کچھ اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ جب تک تم نہیں جاتے میں کسی کو اپنے گھر میں کھسنے نہ دوں گی۔ لو غضب خدا کا ہے کہ نہیں! اور بڑی بی بی نے دھڑ سے دروازہ بند کر دیا۔ میں سڈنی کی طرف گھوم گیا۔“

”سڈنی یار! بہتر ہوگا کہ تم کو جوان کے پاس جا کر ہمارا انتظار کرو۔ یہ بڑھیا بہت ہی ضدی معلوم ہوتی ہے۔ جب تک تم نہ جاؤ گے۔ یہ نہیں گھر میں نہ گھسنے دے گی۔“

”تو گویا مجھے جانتی پڑے گا۔ بڑے شرم کی بات ہے یہ تو۔ آج تک کسی عورت نے مجھ پر اپنا دروازہ بند نہیں کیا حیران ہوں کہ ایسا تو میں نے کون سا اس کا باپ مارا ہے جو یہ وحش و مجھ سے یوں تھا ہے! بہر حال اگر مجھے زیادہ دیر تمہارا انتظار کرنا پڑا تو اس بھوت بھٹی کی بنیادیں اکھاڑ دوں گا۔“

سڈنی پھر چٹکا چٹا گیا۔ فوراً ہی دروازہ کھلا۔

”وہ صاحب چلے گئے بڑی بی بی نے پوچھا۔“

”چلے گئے۔“

”تو اب میں تم دونوں کو اپنے گھر میں آنے دوں گی۔ لیکن ان صاحب کو اللہ آپ کو بخشی دے۔ ابھی نہیں!“

دروازہ پوری طرح کھول دیا گیا۔ میں اور اللہ تمام اندر داخل ہو گئے۔ دروازہ پھر بند کر دیا گیا۔ زنجیر پھر چڑھا دی گئی۔ بڑی بی بی ہمیں نئی منزل کے پہلے کمرے میں لے گئیں اس کمرے میں زیادہ فرنیچر نہ تھا۔ فرش پر دھول کی ایک اونچ موٹی تہہ جمی ہوئی تھی۔ اور دیواروں اور چیت سے جالوں کی جھالریں لٹک رہی تھیں۔ وہ ٹوٹی ہوئی کرسیوں پر ہم دونوں بیٹھ گئے بلکہ بٹھا دیئے گئے۔

”نصو نصو بڑی بی بی بولیں۔“ کسی کو کھڑا دیکھتی ہوں تو اللہ آپ کو بخشی دے خود میری ہاتھیں درد کرنے لگتی ہیں۔“

ابھی ہم ٹھیک سے بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ بڑی بی بی بولیں

”میں جانتی ہوں کہ تم یہاں کیوں آئے ہو۔“

”کیوں آئے ہیں بھلا۔“ بڑی بی بی کو اس نے کی غرض سے میں نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔

”تم یہ معلوم کرنا چاہتے ہو کہ سامنے والے مکان میں کون رہتا ہے۔“

”خوب بہت خوب۔ کیا سچ اندازہ لگایا ہے آپ نے۔“

”اور میں بتا سکتی ہوں کہ کون رہتا ہے اس مکان میں چاہو تو شرط بدلو اللہ آپ کو بخشی دے سوائے

میرے اور کوئی نہیں بتا سکتا۔“

”اچھا واقعی ماوام؟“

بڑی بی بی کو ایک دم سے تاؤ آ گیا۔

”اے ماوام! اللہ آپ کو بخشی دے۔ خبردار مجھے ماوام کہا ہے تو لو غضب خدا کا ہے کہ نہیں۔ میرا نام

یہ بات تو صاف تھی کہ یہ دوسرا مکان خالی نہ تھا کم سے کم ایک سستی مکان کی چلی منزل کی کھڑکی میں بیٹھی ہمیں دیکھ رہی تھی۔ یہ ایک بڑھیا تھی جو پرانے زمانے کی ٹوٹی اپنے سر پر رکھے ہوئے تھی۔ یہ اس قسم کی ٹوٹی تھی جس کے دونوں طرف فیتے لگے ہوئے تھے جنہیں ٹھڈی کے نیچے پاندھا جاتا ہے اس قسم کی دیواروں کا رواج اب ختم ہو گیا ہے۔ کھڑکی میں بیٹھی ہوئی بڑھیا اس سمت دیکھ رہی تھی جس طرف سے کہ ہم آ رہے تھے۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ بڑھیا نے ہمیں اپنی طرف آتے دیکھ لیا ہوگا۔ تاہم اس نے ہماری تین دستکوں کا جواب نہ دیا۔

میری چوٹی دستک کی آواز ابھی گونج رہی تھی کہ بڑی بی بی نے ہڑاک سے کھڑکی کے پت کھولے اور اپنا جھریوں پر اچھڑا ہوا ہر نکال کے بولیں۔

”اب یہ میرے دروازوں کو تم تو رہتی والے کیا۔ پرانے دروازے ہیں اور کواڑ کھا جوں کی طرح ہو رہے ہیں۔“

سڈنی نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”معاف کیجئے گا۔ محترمہ! میں معذور تھا۔ آپ کے دروازے کھا جوں کے اور دیواریں چو کلیت کی ہیں لیکن یہ زندگی اور موت کا سوال ہے۔“

چند منٹ گزر گئے۔ دروازے کے عقب میں سے بے ترتیب قدموں کی چاپ سنائی دی۔ بڑی بی بی نہایت اطمینان سے زینہ اتر رہی تھی۔ پھر کوئی کواڑ چھانچ کے قریب کھلے اور بڑی بھی اپنی تاریکی ناک اس دروازے میں سے نکال کے بولیں۔

”تم تینوں کو اللہ آپ کو بخشی دے۔ میں گھر میں نہ آنے دوں گی یہ صاحب آسکتے ہیں اور تم آسکتے ہو۔“ ٹیکڑے کی ٹانگ ایک شکل افقی پہلے استقام اور پھر میری طرف ہلائی گئی۔ ”میں نہیں جانتی کہ تم کیوں آئے ہو۔ اور کیا چاہتے ہو لیکن اللہ آپ کو بخشی دے۔ ان صاحب کو کیکڑے کی ٹانگ ایسی افقی سڈنی کی طرف آئی میں اپنے گھر میں قدم تک نہ گھسنے نہ دوں گی۔“

چنانچہ اب اگر تم دونوں مجھ سے کوئی خاص بات کہنا چاہتے ہو تو ان صاحب کو رخصت کرو۔

سڈنی اس جھٹک کو برداشت نہ کر کے۔ تاہم وہ اپنا غصہ ہا کے احتراماں بھٹک گیا اور بولا۔

”محترمہ! اگر مجھ سے کوئی غلطی ہوگی تو میں معافی چاہتا ہوں۔ کان پڑتا ہوں کہ آئندہ مجھ سے ایسی

غلطی نہ ہوگی حالانکہ میں نہیں جانتا کہ میں آپ کے عذاب کا نشانہ کیوں بنا ہوں۔“

لفافے میں جو خط تھا وہ اسی میز پر خط میں لکھا گیا تھا۔ اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو یہ خط کسی ایسی ملازمہ سے لکھا گیا تھا جس نے پہلی دو جہانتوں تک تعلیم حاصل کی ہوگی خط کا مضمون بھی غیر مسلسل وغیرہ مر بوط تھا۔

جن صاحب کے نیچے دستخط ہیں وہ مس کا لین سے کرتے ہیں درخواست کہ وہ اپنا مکان دستخط کرنے والے کو کرائے پر دے دیں۔ ہم نہیں جانتے اس مکان کا کرایہ چنانچہ ہم اس خط کے ساتھ پورے پچاس پونڈ بھجوا رہے ہیں اگر یہ رقم کم ہو۔ براہ کرم اس پتے پر خبر کریں۔

ڈاک خانہ کی گولڈ سٹریٹ لندن

مکان کرائے پر لینے کی یہ عجیب درخواست تھی۔ کبھی کسی نے کرائے کے مکان کے لئے ایسی درخواست نہ کی ہوگی۔ جب میں نے یہ خط لکھا تو وہ اسے پڑھ کے بولے۔

”مس کا لین یہ تو بڑا عجیب خط ہے“

”اللہ آپ کو نیکی دے۔ خود میں نے بھی یہی سوچا تھا اور اس وقت تو میری حیرت کی انتہا نہ تھی جب۔ اللہ آپ کو نیکی دے۔ مجھے اس لفافے میں سے پچاس پونڈ بھی ملے۔ اس میں پانچ پانچ پونڈ کے نوٹ تھے اور عجیب تو اس بات پر ہے کہ اللہ آپ کو نیکی دے۔ نیچے والے نے خط عام ڈاک سے بھیجا تھا۔ یعنی نہ ریسٹرو اور نہ کچھ۔ اور اگر اب مجھ سے پوچھا جاتا کہ اس کا کرایہ کیا ہے تو اللہ آپ کو نیکی دے میں زیادہ سے زیادہ بیس پونڈ بتاتی کیونکہ۔۔۔ یہ میں صرف تم کو لوگوں سے کہہ رہی ہوں کیونکہ وہ مکان بہت پرانا اور مرمت طلب ہے اور اللہ آپ کو نیکی دے کروں ہوں ہر باہر اس کے علاوہ رہنے کے بھی قابل نہیں۔“

”مس کا لین اگر اپنے مکان کی قدامت اور نیکی کا ذکر نہ کرتیں تب بھی میں اس کی حالت دیکھ ہی چکا تھا۔ اور جانتا تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ دو بارشیں اور سہ ماہی لے گا۔“

”چنانچہ اللہ آپ کو نیکی دے میں نے پچاس پونڈ رکھ لئے اور اس کی رسید اسے بھجوا دی۔ اگر میری جگہ کوئی اور ہوتا تو پچاس پونڈ کو دیکھ کے اچھے میں آجاتا اور ان صاحب کو جن کا نام بھی میری زبان پر چڑھا نہیں غرض اور دولت سے ناجائز فائدہ اٹھا کے تین مہینے کی رسید بھیج دیتا۔ لیکن اللہ آپ کو نیکی دے میں ایک ایمان دار عورت ہوں اور آخر خدا کو منہ دکھانا ہے چنانچہ میں نے ان صاحب کو جن کا عجیب نام جانا نام ہے۔ ایک سال کی رسید بھیج دی۔“

”مس کا لین نے پیش بند کو جھکا اپنے جھریوں پر سے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور دل ہی دل میں کچھ حساب جوڑ کے بولیں۔“

”ہاں تو اللہ آپ کو نیکی دے۔ پچاس پونڈ کی رسید ان صاحب کو جن کا نام اٹ پتا ہے۔ جمعرات کے دن صبح کی ڈاک سے مل گئی ہوگی۔ کیونکہ میں نے بدھ کے روز اسے حوالہ ڈاک کیا تھا۔ تو اللہ آپ کو نیکی دے۔ جمعرات کے روزناٹے وغیرہ سے فارغ ہو کے میں نے ارادہ کیا کہ اس مکان کی صفائی اور اگر ہو سکے تو تھوڑی بہت مرمت کروں۔ لیکن اللہ آپ کو نیکی دے جب میں نے سڑک کے اس پار دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ اوٹ پے نام والے کرائے دار آدھمکے تھے۔ میں تو حیران رہ گئی کہ وہ صاحب مکان بن

مس کوئی کا لین ہے۔ لوگ مجھے مس کا لین اور اقرار با مجھے کوئی سمجھتے ہیں۔ اور چونکہ تم غیر ہو اس لئے اللہ آپ کو نیکی دے تم مجھے کوئی کہہ کر مخاطب نہیں کر سکتے۔ چنانچہ تم مجھے مس کا لین کہہ سکتے ہو۔ مجھے لفظ مادام سے چڑھ ہے۔“

”بی بی کی مہر سترہویں کے درمیان تھی اور چونکہ وہ اب تک کنواری تھی اس لئے اگر انہیں لفظ مادام سے چڑھ تھی تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں غالباً لوگوں نے مادام ان کی چڑھ مقرر کر رکھی تھی۔ اور وہ اس لفظ سے باقاعدہ چڑھ بھی جاتی تھیں۔ مس کا لین بڑی دلچسپ عورت تھیں۔ اگر آپ ان سے معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو صبر سے کام لینا پڑے گا۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا اور سوالات پوچھنے شروع کر دیئے تو یقیناً کبھی آپ کو دھکے دے کر گھر سے باہر کر دیا جائے گا۔ سڑکی کا حشر ہم بھولے نہ تھے۔ چنانچہ ظاہر ہوا کہ مس کا لین سے معلومات حاصل کرنے کے لئے ”عبر ایوب“ کی ضرورت تھی نہ کہ ”نالہ یعقوب“ کی۔“

چند لمحوں کی خاموشی اور پھر مختصری تمہید کے بعد بڑی بی نے کہا

”یہ مکان اور وہ مکان اور ارد گرد کی زمین میری ہے اللہ آپ کو نیکی دے میں ہوں اس کی مالک۔ یہ جائیداد مجھے اپنے چچا کی طرف سے ملی ہے کیونکہ اللہ آپ کو نیکی دے۔ ان کے کوئی اولاد نہ تھی اس لئے وہ سب میرے نام کر گئے۔ میرے چچا خدا ان کو روٹ کر روٹ جنت نصیب کرے ہمارا ستھ کے قبرستان میں ابھی خند سو رہے ہیں۔ بہت بھلے آدمی تھے۔ پچاس سال سے یہ مکان اللہ آپ کو نیکی دے۔ لندن کے ایک بہترین اور پر فضا حصے میں واقع ہے جیسا کہ تم خود دیکھ رہے ہو۔ چنانچہ اللہ آپ کو نیکی دے۔ اس کی اہمیت اور قیمت بڑھتی جا رہی ہے چنانچہ آئندہ ایک سال تک میں اسے کرائے پر نہ اٹھانے کا ارادہ کر رہی ہوں اس حصہ میں اس کی اہمیت بہت بڑھ جائے گی اور میں اللہ آپ کو نیکی دے دکن بلکہ ٹکنا کرایہ وصول کر سکوں گی۔ چنانچہ اب اگر تم اس مکان کو کرائے پر لینے آئے ہو جیسے کہ ہزاروں لوگ آتے ہیں تو مجھے انہوں کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اللہ آپ کو نیکی دے۔ تم نے بیکار رہنے اپنے جوتوں کے تلے گھسے اور میرا وقت ضائع کیا۔ کم سے کم میں سال تک تو میں اسے کرائے پر نہ اٹھاؤں گی۔ میں یہاں اس لئے رہتی ہوں کہ جائیداد کی دیکھ بھال اور مرمت کر سکوں۔ اب رہا وہ مکان جو سڑک کے اس کنارے پر ہے تو اللہ آپ کو نیکی دے۔ میں نے بھی اسے کرائے پر اٹھانے کی ہشش نہ کی۔ یہاں تک کہ کوئی ایک مہینہ پہلے ڈاک کے ذریعے نام یہ خط آیا تم چاہتو یہ خط دیکھ سکتے ہو۔“

بڑی بی نے اپنے فرائض کے تھیلے جیسی جیب میں سے ایک لفافہ نکال کے میری طرف بڑھا دیا۔ لفافہ خاصہ کندہ تھا۔ لفافے پر نیچے سے میز سے حروف میں پتہ تحریر تھا۔

مس کوئی کا لین

دی رہو وینڈروس

ہالی آک بارک

ویسٹ منسٹر

جائیں۔ لیکن کوئی مکان میں سے باہر نہ آیا چنانچہ اللہ آپ کو نیکی دے سات اور آٹھ بجے کے درمیان میں پھر اس مکان کے دروازے پر تھی۔

اللہ آپ کو نیکی دے تم یقین نہ کرو گے کہ میرا کوئی نوٹس نہ لیا گیا واہ! کیا موزوں لفظ استعمال کیا ہے میں نے یعنی نوٹس۔ خیر تو اللہ آپ کو نیکی دے میں دستک دیتی رہی یہاں تک کہ میری کلائی دروازے کی۔ خدا جھوٹ نہ بلائے کوئی میں دفعہ میں نے زور زور سے دستک دی ہوئی۔ پھر میں پچھواڑے کے دروازے پر پہنچی۔ اور اس پر گھونسا بازی شروع کر دی لیکن اس کا بھی کچھ اثر نہ ہوا۔ لو غضب خدا کا ہے کہ نہیں۔ اس خیال سے مجھے بہت غصہ آیا کہ ایک غلیظ بدیہی میرا کوئی نوٹس نہیں لیتا۔ گویا میں کچھ ہوں ہی نہیں۔ اور اللہ آپ کو نیکی دے یہ مکان گویا اس کے باپ کا ہے۔

”چنانچہ میں غصہ میں پچھناتی مکان کے اگڑی پہنچی اور اس دفعہ کھڑکی پر دستک دینے اور ساتھ ساتھ چیخ کر کہنے لگی۔ میں مس لوی کا لیٹن ہوں کیا سمجھا ہے تم نے میں اس مکان کی مالک ہوں۔ سمجھے کہ نہیں؟ یعنی یہ تمہارے باپ کا مکان نہیں ہے سمجھے کہ نہیں۔ اللہ آپ کو نیکی دے۔ تم مجھے دھوکا نہیں دے سکتے۔ میں نے تم کو مکان میں جاتے دیکھا ہے۔ اور اللہ آپ کو نیکی دے میں جانتی ہوں کہ اس وقت تم اندر ہی ہو۔ اب اگر تم نے اس وقت دروازہ نہ کھولا تو میں فوراً ہی پولیس کو بلا لوں گی۔ لو غضب خدا کا ہے نہیں؟

مجھے یقین ہو چلا تھا کہ وہ دروازہ نہ کھولے گا اور ابھی میں آخری دفعہ کھڑکی پر کئے مار رہی تھی ایک ایک جھلملی سڑاک سے اٹھا دی گئی۔ اور ایک دم سے سانس اور اٹھا دیا گیا اور ایک بھیا تک چہرہ بھی کسی نے خواب میں بھی نہ دیکھا ہوگا۔ وہ کسی انسان کے بجائے افریقہ کے میمون کا چہرہ معلوم ہوتا تھا۔ میں ایک دم سے گھبرا گئی۔ اللہ آپ کو نیکی دے ایک چیخ کے ساتھ بے اختیار کئی قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اور وہ میمون ایک طرح کی انگریزی زبان میں دوزخ کے مغربیت کی طرح پیچھے لگا۔ اللہ آپ کو نیکی دے ایسی آواز میں نے پہلے بھی کسی کی نہ سنی تھی۔ جیسے کسی ریل گاڑی کا آہن بھاپ پھوڑ رہا ہو۔

چلی جاؤ چلی جاؤ مجھے پریشان نہ کرو۔ تمہیں پچاس پونڈ مل گئے ہیں اور کیا چاہتے تمہیں۔ اب تم یہاں نہ آؤ گی۔ سن لیا بھی نہ آؤ گی اگر آئیں تو پچھتاؤ گی جاؤ چلی جاؤ۔

اور صاحبو۔ اللہ آپ کو نیکی دے۔ میں چلی آئی۔ اس کا چہرہ اس کی آواز اور اس کی چیخوں نے اللہ آپ کو نیکی دے۔ مجھ پر لرزہ طاری کر دیا تھا اور میں رتی رتی اپنے گھر کی طرف بھاگی جا رہی تھی۔ اب رہا اس سے دودھ باتیں کرنے کا خیال تو اللہ آپ کو نیکی دے میں اپنا یہ خیال ترک کر چکی ہوں۔ اگر کوئی مجھے ایک ہزار پونڈ دے مرتا۔ تب بھی اللہ آپ کو نیکی دے میں اس میمون سے باتیں کرنے کے لئے تیار نہ ہوتی۔ ساہو وہاں سے آنے کے بعد میں چائے کے چار کپ چڑھا گئی اور اس کے بعد ہی اللہ آپ کو نیکی دے۔ مجھے کچھ سکون ہوا۔

تو غضب خدا کا ہے کہ نہیں۔ جب مجھے ذرا سکون ہوا تو میں نے اپنے آپ سے کہا یا تو تم نے یہ مکان کرائے پر اٹھایا ہی نہ تھا اور اب اٹھایا تو ایک ایسے شخص کو دیا جو معلوم ہوتا ہے پورا شیطان ہے میرے

گئے کس طرح دروازے سے سب کے سب بند تھے اور کھڑکیاں بھی۔ جب میں رات کو اپنے بستر پر دروازہ ہوئی تو مکان خالی تھا۔ میں کتاب مقدس پر ہاتھ رکھ کے کہتی ہوں کہ رات کو مکان خالی تھا اور کھڑکی پر کئی جھلملی آگئی ہوئی تھی۔ لیکن صبح دیکھا تو جھلملی گئی ہوئی تھی اور اللہ آپ کو نیکی دے تب سے گری ہوئی ہے۔

”لو غضب خدا کا ہے کہ نہیں۔ میں نے اپنے آپ سے کہا۔ یہ سنے کرائے دار کو بہت ہی جلد باز ہے صبر سے اور خود مختار معلوم ہوتے ہیں انہوں نے یہ معلوم کرنا بھی ضروری نہ سمجھا کہ میں نے ان کو مکان کرائے پر دیا ہے یا نہیں اور آدھمکے۔ وہ سمجھتے ہوں گے کہ پچاس پونڈ دیکھ کے لالچ میں آگئی ہوں گی اور انکار نہ کروں گی۔ بہر حال میں ان صاحب کو بتا دوں گی کہ مکان کی مالک میں ہوں اور میری اجازت کے بغیر وہ مکان میں جھانک تک نہیں سکتے۔ خیر تو اللہ آپ کو نیکی دے میں نے اپنے سر پر ٹوپی رکھی اور وہاں پہنچ کے دروازے پر دستک دی۔

اللہ آپ کو نیکی دے۔ اس کے بعد میں نے بہت سے آدمیوں کو آتے اور دروازے پر گھونسا بازی کرتے دیکھا ہے۔ لیکن اس کی ابتدا میں نے کی۔ خیر تو میں دستک دیتی رہی۔ لیکن وہ صاحب تو بیسے کانوں میں تیل ڈال کے بیٹھے تھے کہ انہوں نے جواب نہ دیا۔ سچ کہتی ہوں اگر میں نے اتنی دیر تک اور اتنے زور سے کسی قبر پر گھونسنے پر سائے ہوتے تو اس میں سونے والا مردہ گڑا لے لے کر اٹھ بیٹھتا اور میرے استقبال کو قبر سے نکل آتا۔ اس طرف سے عاجز آکر میں نے کھڑکی کو دھڑ دھڑایا۔ لیکن اللہ آپ کو نیکی دے اس کا بھی کچھ اثر نہ ہوا۔ چنانچہ میں پچھواڑے پہنچی اور اس طرف کے دروازے پر کئے مارنے لگی۔ لیکن جواب نہ آیا۔ چنانچہ میں نے اپنے آپ سے کہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ صاحب جو آگئے ہیں اندر نہیں ہیں۔ لیکن میں اس مکان پر نظر رکھوں گی اور جب وہ صاحب آجائیں گے مجھ سے دو باتیں کے بغیر باہر نہ جائیں گے لو غضب خدا کا ہے کہ نہیں۔

چنانچہ اللہ آپ کو نیکی دے میں واپس آئی اور جیسا کہ میں نے فیصلہ کیا تھا سارا دن اس مکان پر نظر رکھی۔ لیکن اللہ آپ کو نیکی دے نہ تو کوئی اندر سے باہر آیا اور نہ کوئی باہر سے اندر گیا۔

لیکن دوسرے دن۔۔۔ اور یہ جمعہ کا دن تھا میں سویرے ہی اپنے بستر میں سے نکل آئی۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ مسم کیسا ہے کیونکہ اس دن میرا ارادہ۔ اللہ آپ کو نیکی دے ذرا تفرق کو جانے کا تھا۔ خیر تو جیسے ہی میں کھڑکی کے سامنے پہنچی۔ میں نے اپنے کرائے دار کو نہ کہ پر سے آتے دیکھا وہ عجیب طرح کا گندہ لہاوا اپنے جسم پر اس طرح لپٹے ہوئے تھا کہ اس میں اس کا پورا جسم اور چہرہ بھی چھپ گیا تھا۔ اس وقت اچھا خاصا اجالا چھیل گیا اور میں نے اپنے کرائے دار کو اسی طرح بخوبی دیکھ سکی تھی جس طرح کہ اس وقت تم دونوں کو دیکھ رہی ہوں اس کی رفتار حیرت انگیز حد تک تیز تھی وہ زوں سے آیا اور دروازہ کھول کے زن سے اندر گھس گیا۔

اللہ آپ کو نیکی دے۔ میں دل میں بولی تو آگئے تم اچھا عرب صاحب اب میں تمہیں دکھا دوں گی کہ مکان کی مالک میں ہوں۔

چنانچہ اللہ آپ کو نیکی دے میں نے اس مکان پر نظر رکھی کہ مہاجر عرب صاحب پھر کہیں باہر نکل

خدا میرے خدا کیسا ہوگا وہ مرد اور کسی ہوگی وہ عورت جن کے ملاپ سے ایسا میمون پیدا ہوا۔
لیکن تھوڑی دیر کے بعد جب میرے حواس بجا ہوئے تو میں نے کچھ اور سوچا۔ کیونکہ میں ان لوگوں
میں سے ہوں جو قصور کے دونوں رخ دیکھتے ہیں۔

بہر حال میں نے اپنے آپ سے کہا۔ اللہ آپ کو نیکی دے وہ گراہے تو دے ہی چکا ہے۔ اور پچاس پونہ
پچاس پونہ ہیں۔ میرے خیال میں کوئی اسے خریدتا بھی چاہے تو اتنی رقم نہ دے۔ وہ میمون کوئی بھی ہو
ظاہر ہے کہ کوئی نقصان نہ پہنچائے گا۔

لیکن اگر یہ بات ہوتی تو مجھے اس کی پروا نہ تھی۔ یعنی اس میمون نے اس مکان کو آگ لگا دی ہوتی تو
ایسا ہوتا۔ کیونکہ۔۔۔ یہ راز کی بات ہے جو صرف تمہیں بتائی ہوں کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا۔ تو اللہ آپ کو
میں نے اس مکان کا بیڑہ کر دیا ہے جو اس کی قیمت سے زیادہ ہے۔ چنانچہ میں نے میمون کو اس
کے حال پر اور مکان کو اس کے رحم و کرم پر چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن یہ بھی فیصلہ کیا کہ میمون اور مکان پر نظر
رکھوں گی کہ اللہ آپ کو نیکی دے۔ دیکھیں کیا ہوتا ہے خیر تو اس وقت سے لے کر آج تک میں نے میمون
سے بات نہ کی اور نہ کروں گی اور نہ کرنا چاہتی ہوں۔ اگر مجھے مگر خطر بھی مل جائے تب بھی میں اس سے
جیسا تک چیرے کو نہ بھلا سکوں گی۔ البتہ اس مکان پر نظر رکھی اور اللہ آپ کو نیکی دے میں نے اس میمون کو
ان میں اور رات میں مکان سے نکلنے اور پھرتے بھی دیکھا۔ اگر دنیا میں کوئی زبردست محمد موجود ہے تو وہ
یہ میمون ہے وہ ہمیشہ یوں بولے کی طرح چلتا بلکہ بھانپتا نظر آتا ہے جیسے موت اس کے پیچھے لگی ہوئی ہو۔
بہت سے لوگ اور بھانت بھانت کے لوگ اس مکان پر آئے ہیں میں نے انہیں دروازے پر کھٹکے
پر مارتے دیکھا ہے لیکن اللہ آپ کو نیکی دے میمون نے کسی کے لئے دروازہ نہ کھولا اور اللہ آپ کو نیکی دے
میں نے اس مکان پر نظر رکھی ہے۔ حتیٰ کہ راتوں کو بھی کئی دفعہ اٹھی ہوں اور کھڑکی میں سے اس مکان کی
طرف دیکھا ہے جب سے وہ میمون اس مکان میں آیا ہے اللہ آپ کو نیکی دے میرے دن کا چین اور
راتوں کی نیند اڑ گئی ہے۔ چنانچہ جو کچھ ہوا اس کی تفصیل سے میں واقف ہوں۔

جس چیز نے مجھے ابھرنے میں ڈال دیا وہ آوازیں تھیں جو اس مکان میں سے آتی تھیں۔ اکثر یوں بھی
ہوا مٹاؤ اتنی روز تک کوئی آواز نہ سنائی دی۔ مکان قبر بنارہا۔ پھر یوں ہوا کہ رات بھر چیخیں سنائی دیں۔ اللہ
آپ کو نیکی دے اسی چیزیں میں نے کیا خدا اب کے فرشتوں نے بھی نہ سنی ہوں گی۔ مجھے کئی دفعہ خیال آیا
کہ خود شیطان اس گھر میں آکھسا ہے۔ اب رہی بلیاں تو خدا جانے وہ کہاں سے آگئی تھیں۔ اس میمون
کے آنے سے پہلے اس علاقے میں کوئی بلی نہ ہوندا تھا۔ نہ ملتی تھی۔ لیکن میمون کے آنے کے بعد بلیوں
کی چوری فوج کی فوج نہیں سے آگئی۔ اکثر راتوں کو بلیوں کی فوج گشت کرتی اور مکان کے دروازے پر
ناخن دھکتی نظر آتی ہے خدا جانے بلیوں کے لئے اس میمون میں کون سی کشش ہے وہ میمون شاید بلیوں کو
بلیاں اسے بہت پسند کرتی ہیں۔ میں نے اپریل کی منزل میں اور چلی منزل میں درجنوں بلیوں کو کھومتے
دیکھا ہے۔

جب مس کالمین دم لینے کے لئے خاموش ہوئی تو میں نے سوچا کہ مناسب ہوگا کہ بڑی بی بی سے ایک
سوال کے بعد ان کی کہانی کو اختتام تک پہنچا دیا جائے۔ کیونکہ ان کی کہانی خاصی طویل ہوتی جا رہی تھی اور تم
سے کم آج ختم ہوتی نظر نہ آتی تھی۔

مس کالمین آپ کی ہوشیاری کی میں داد نہیں دے سکتا۔ میں نے بڑی بی بی کو خوش کرنے کی غرض سے
کہا۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ آپ نے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ آج اس مکان میں کیا واقعہ ہوا؟
بڑی بی بی نے اپنے سواری کے سے جڑے تختی سے بند کئے اور رکھا جانے والی نظروں سے مجھے گھورنے
لگیں۔ میں نے سچ میں بول کے ظاہر ہے کہ سخت گستاخی کی تھی۔

”میں اسی واقعہ کی طرف تو آ رہی ہوں تم سچ میں نہ ٹیکو۔ جب صبر تقسیم ہو رہا تھا تو معلوم ہوتا ہے پھلتی
لے کرواں گئے تھے۔ مجھے جلد بازی سے غرت ہے اور تم ہو کہ خواہ مخواہ جلدی بچار ہے ہو۔“
میں تو جیسے چور بن گیا اور خاموش رہنے میں مجھے عافیت نظر آئی۔ مجھے خوف ہوا کہ بڑی بی بی اب
کچھ نہ کہیں گی۔ لیکن شکر ہے کہ چند منٹوں کی خاموشی کے بعد انہوں نے پھر کہنا شروع کیا۔

”پچھلے چند دنوں سے کچھ عجیب واقعات ہو رہے تھے میمون صاحب کو بھی میں نے کسی آسیب زدہ کی
طرح ایک دن میں کوئی بیس دفعہ گھر میں سے باہر نکلتے دیکھا ہے تو اللہ آپ کو نیکی دے آج صبح
بڑی بی بی نے بات ادھوری چھوڑ کے سنگھام پر نگاہیں گاڑ دیں۔ موندہ لڈکھڑکھ اور بے تابی کے عالم
میں آگے کی طرف۔۔۔ گئے تھے اور نہایت غور سے بڑی بی بی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ کیونکہ بڑی بی بی اب وہ
واقعہ بیان کرنے والی تھیں جس کی تفتیش کے لئے ہم وہاں آئے تھے۔

”نوجوان! یوں نکر نکر کیا دیکھ رہے ہو۔ میری طرف؟ لو غضب خدا کا ہے کہ نہیں۔ نیسے گھائی جاؤ گے۔
میں ایسی دیدہ دلیری کی عادی نہیں ہوں اب رہے تمہارے سوالات تو ان کے جواب میں اپنی کہانی ختم
کرنے کے بعد دوں گی۔ سچ میں کچھ بولنے کی کوشش نہ کرنا۔ کیونکہ مجھے دخل در معقولات سے سخت نفرت
ہے۔“

بڑی بی بی کی یہ تمہید بیکار تھی کیونکہ سنگھام اب تک خاموش ہی رہے تھے لیکن معلوم ہوتا تھا کہ بڑی بی
الفاظ کے زبردست ذخیرے کی مالک تھیں اور اس ذخیرے کو چونکہ استعمال بھی کرنا چاہتی تھیں اس لئے
موقع بے موقع نہ صرف ہمیں ڈانٹ دیتی بلکہ نصیحت بھی فرما دیتی تھیں۔

تو اللہ آپ کو نیکی دے آج صبح جب وہ میمون واپس آیا تو گھڑی سات کا گجر بن جا رہی تھی۔ میں اس
وقت دودھ والا آگیا تھا۔ کیونکہ وہ روزانہ سات کے گجر کے ساتھ آتا تھا۔ خیر تو اللہ آپ کو نیکی دے میں
دودھ والے سے دودھ لے رہی تھی کہ وہ مواسکرا کر بولا۔ ”لو مس کالمین آپ کے دوست تشریف لارہے“

وہ بچہ اور میرا خیال ہے کہ باورچی خانے کی کھڑکی میں سے اندر گھس پڑے۔ کیونکہ تھوڑی دیر بعد ہی سامنے والی کھڑکی کی جھلکی اور پر اٹھنے کے بجائے نیچے آ پڑی تمہارے نو جوان دوست نے اسے گھسیٹ لیا۔ اور وہ جھلکی معدنیلین کے ہاتھ میں لئے کھڑکی میں کھڑا تھا۔ واو واہ اچھے دوست ہیں تمہارے۔ لو غضب خدا کا ہے کہ نہیں خواہ مخواہ میرا نقصان کر دیا۔ لو غضب خدا کا ہے کہ نہیں۔ میں دل میں بولی نا بنجار نے جھلکی ہی گھسیٹ لی۔ یہ ایک نئی بات ہوئی ہے کہ نو جوان مع اپنے ساتھی اور اس عورت کے اندر جا گھسا۔ لیکن حیران ہوں کہ وہ میمون کہاں گیا اللہ آپ کو نیکی دے۔ وہ اس قسم کا آدمی نہیں ہے کہ لوگ گھر میں جا گھسیں اور وہ خاموش رہے۔

میں منتظر رہی کہ کوئی دم میں میمون کی غصہ و راند چٹخیں سنائی دیں گی اور ایک زبردست جھگڑا ہوگا۔ لیکن اللہ آپ کو نیکی دے۔ ایسی کوئی بات نہ ہوئی۔ چنانچہ میں نے اپنے آپ کو کہا۔ لو غضب خدا کا ہے کہ نہیں یہ تو اللہ آپ کو نیکی دے۔ عجیب بات ہوئی۔ اللہ آپ کو نیکی دے اس میں ضرور کوئی مجید ہے۔

”تھوڑی دیر بعد“

”یعنی کوئی پانچ منٹ بعد ایک دم سے دروازہ کھلا اور دوسرا نو جوان“

جیسی وہ جو آپ کا دوست نہیں ہے باہر نکلا اور دیوالوں کی طرح سڑک پر بھاگنے لگا۔ اس کے فوراً بعد ہی وہ نو جوان جو آپ کا دوست ہے باہر آیا۔ اور اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو اللہ آپ کو نیکی دے۔ تمہارے دوست کی سمجھ میں اس دوسرے آدمی کے فرار کی وجہ کچھ میں نہ آتی تھی۔ معلوم ہوتا ہے میں نے کہا ان دونوں نو جوانوں میں جھگڑا ہو گیا ہے اور یہ دوسرا نو جوان اللہ آپ کو نیکی دے۔ دم دیا کے بھاگا ہے۔ اور وہ نو جوان جو تمہارا دوست ہے دروازے میں بت بنا کھڑا رہا اور انھیں پھڑکے اس نو جوان کو دیکھتا رہا۔ جو سڑک پر بھاگا جا رہا تھا اور وہ لڑکی جو انوں کے ساتھ تھی سو وہ بھی زینے پر حیرت زدہ کھڑی تھی۔

”جب وہ نو جوان دم دیا کے بھاگا تھا موز مڑ گیا تو دفعہ تمہارے دوست نے معلوم ہوتا ہے ایک آخری فیصلہ کیا اور مٹھیاں بکھینچ کے اسی طرف دوڑ پڑا جس طرف پہلا نو جوان گیا تھا۔ چونکہ وہ لڑکی دروازے پر ہی منڈلا رہی تھی۔ اس لئے میں نے سوچا کہ اللہ آپ کو نیکی دے کوئی دم بھر میں وہ بھی ان دونوں کے پیچھے بھاگ پڑے گی۔ لیکن عمر میں پہلی دفعہ میرا اندازہ غلط ثابت ہوا۔ یعنی اللہ آپ کو نیکی دے وہ بھاگنے کے بجائے واپس گھر میں چلی گئی۔ چند ثانیوں کے بعد ہی میں نے اسے کھڑکی میں سے سامنے والے کمرے میں دیکھا۔ چند منٹوں کے بعد وہ پھر دروازے پر آئی اور وہاں کھڑی رہی۔ اور سڑک کے موڑ کی طرف دیکھنے لگی۔ اور اللہ آپ کو نیکی دے بس دیکھتی ہی رہی۔ غالباً وہ کسی کا انتظار کر رہی تھی۔ عاجز آ کے وہ پھر اندر چلی گئی اور ایسی گئی کہ اللہ آپ کو نیکی دے پھر میں نے اسے نہ دیکھا۔

”ایں۔ پھر اس لڑکی کو نہ دیکھا۔ آپ کو یقین ہے کہ وہ واپس مکان میں گئی تھی؟“

اور نہیں تو کیا میں جھوٹ بولتی ہوں لو غضب خدا کا ہے کہ نہیں

”لیکن میرا خیال ہے کہ آپ نے ہر وقت اس مکان پر نظر نہ رکھی ہوگی میرا مطلب ہے کہ آپ ایک

ہیں۔ کیسے دوست میں نے پوچھا۔ کیونکہ اللہ آپ کو نیکی دے۔ میرا توئی دوست ہے اور نہ دشمن۔

میں نے نظر اٹھا کے سامنے دیکھا تو کیا دیکھتی ہوں کہ اللہ آپ کو نیکی دے میرے کمرے کے درمیان بھگم بھاگ چلا آ رہا تھا۔ اس کے باوے کا دامن اس کے پیچھے ہوا میں پھر پھر اربا تھا اور وہ خود اپنے دونوں ہاتھ آگے کی طرف لمبے کے یوں بھاگا آ رہا تھا کہ میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔ میرے خدا ہمیں وہ گر کے ہاتھ پاؤں نہ توڑ بیٹھے۔ اس پر دو دو والا ہوا۔ اس کی صورت دیکھتے ہی ہاتھ پاؤں پھول گئے ہیں۔ اگر کہیں اس منٹوں کا سایہ میرے دودھ پر پڑ گیا تو دہلی بن جائے گا میں تو جاتا ہوں۔

اور اللہ آپ کو نیکی دے اس نے دودھ کا برتن اٹھا لیا اور تقریباً بھاگتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ اس موئے دودھ والے نے اس میمون کو میرا دوست کہا تھا اور اس کی یہ بات مجھے ذرا پسند نہ آئی تھی۔ اب اگر وہ رکا ہوتا تو میں اسے آڑے ہاتھوں لیتی۔ لیکن وہ تو دودھ کا برتن اٹھا کے یہ جاوہا۔

دودھ والے کے جانے کے بعد پانچ آدمی میمون سے ملنے آئے جن میں سے دو تہا جرتھے۔ کیونکہ وہ بعد میں میرے پاس آئے تھے۔ لیکن اللہ آپ کو نیکی دے اس عرب نے کس کے لئے دروازہ کھولا۔

اور اب اسے صاحبو اللہ آپ کو نیکی دے میں آج کے واقعہ کی طرف آرہی ہوں۔ میں بے تاب ہو گیا اور میں نے چاہا کہ بڑی جلد از جلد اس واقعہ کی تفصیل بیان کر دیں۔ لیکن میں کچھ پوچھنے یا اپنی بے تابی کا اظہار کرنے کی جرأت نہ کر سکا۔

”خیر تو اللہ آپ کو نیکی دے اس وقت تین یا شاید ساڑھے تین بجے تھے بہر حال چار بجے نہ تھے چنانچہ اب اگر میں یہ ہوں کہ دو تین اور چار کے دوران کا شمار تھا تو اللہ آپ کو نیکی دے یہ غلط نہ ہوگا۔ تو اس وقت تین آدمی آئے دوسرا اور ایک عورت ان میں سے ایک تو وہی نو جوان ہے جو آپ کے ساتھ آیا ہے اور میں نے اسے گھر میں نہیں گھسنے دیا۔

لو بھئی۔ میں دل میں بولی۔ یہ بے ملاقاتی آئے ہیں۔ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔

آپ کے نو جوان ساتھی نے آتے ہی دروازے پر دوپہم گھونسہ بازی شروع کر دی۔ حسب معمول اس کی گھونسہ بازی کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ حالانکہ میں جانتی تھی کہ عرب مکان میں موجود تھا۔

اب میں صبر نہ کر سکا اور بڑی بی بی کی فنگی کا خیال کئے بغیر پوچھ بیٹھا۔

”آپ کو یقین ہے کہ عرب مکان ہی میں موجود تھا۔“

”ہاں ہاں یقین سے لو غضب خدا کا ہے کہ نہیں۔ گویا میں جھوٹ بول رہی ہوں۔ اللہ آپ کو نیکی دے میں نے اس مکان میں صبح سات بجے داخل ہوتے دیکھا تھا۔ اور اس کے بعد وہ پھر باہر نہ آیا تھا۔ اس تمام عرصہ میں یعنی عرب کے مکان میں داخل ہونے سے لے کر تم لوگوں کے آنے تک میں نے وہ منٹ کے لئے بھی نظر مکان پر نہ نہائی تھی اور اس تمام عرصہ میں میں نے اسے باہر آتے نہ دیکھا تھا۔ چنانچہ اب تم ہی بتاؤ کہ وہ اس مکان میں نہ تھا تو کہاں تھا۔

میں اس سوال کا جواب نہ دے سکا۔ بڑی بی بی نے فتح مندانہ مسکراہٹ کے ساتھ میری طرف دیکھا۔ اس وقت تک جو لوگ آئے تھے وہ تھک ہار کے واپس چلے گئے تھے۔ لیکن ان تینوں نے ایسا نہ کیا۔

واقعہ نہیں ہوا جو آپ کو چونکا دیتا یا حیرت زدہ کر دیتا۔

”لو غضب خدا کا ہے کہ نہیں۔ بے شک ہوا تھا۔ میں تو بھول گئی تھی تم خود سچ میں ٹپک ٹپک کے بھلا دیتے ہو ہر بات۔ ہاں تو اللہ آپ کو نیکی دے اس لڑکی کے دوبارہ مکان میں جانے کے کوئی بیس منٹ بعد کسی نے پھر وہ جھلسلی لگا دی جو تمہارے دوست نے گھسیٹ لی تھی۔ میں نہیں کہہ سکتی کہ وہ جھلسلی لگانے والا کون تھا۔ کیونکہ میری نظر اور جھلسلی لگانے والے کے درمیان جھلسلی حائل تھی۔ چنانچہ اللہ آپ کو نیکی دے اس واقعہ کے کوئی دس منٹ کے بعد وہ نو جوان باہر گیا۔“

”اور اس کے بعد کیا ہوا؟“

اس کے کوئی دس منٹ بعد وہ عرب چھین ہوا باہر آیا۔
”عرب باہر آیا۔“

”ہاں عرب باہر آیا۔ اسے دیکھتے ہی میں تو اللہ آپ کو نیکی دے تصور پر بن گئی۔ لو غضب خدا کا ہے کہ نہیں۔ جب تمہارا دوست دوسرا نو جوان اور لڑکی پورے مکان کو گویا اٹھل پھل کر رہے تھے تو خدا جانے یہ عرب کہاں چھپا ہوا تھا۔ خیر تو وہ عرب باہر آیا اور اس وقت وہ اپنے سر پر یہ بڑا گھبراہٹا ہوا ہوا تھا۔“

”ہاں گھر اور نہیں تو کیا باقی اٹھائے ہوئے تھا۔ اور وہ اس طرح اس گھر کو اٹھائے ہوئے تھا جس طرح کہ نانبائی لو کر اٹھاتے ہیں اللہ آپ کو نیکی دے کافی بڑا گھر تھا اور خاصا وزنی بھی معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ وہ عرب اس کے بوجھ تلے۔ اللہ آپ کو نیکی دے کہ میں سے وہاں ہو گیا تھا اور بڑی مشکوں سے قدم قدم چل رہا تھا۔ سوڑ تک پیچھے میں اسے خاصا وقت لگ گیا۔“ سنگھام ایک دم سے اٹھ کھڑے ہوئے۔“

”مسٹر شاپل امار جو رہے یا اس کی لاش اسی گھر میں تھی“

”اس میں مجھے شک ہے مسٹر سنگھام“ میں نے کہا۔

”سنگھام بے چینی سے مڑے میں ٹپکنے لگا۔“

”وہ اسی گھر سے میں تھی اسے اسی میں ہونا چاہئے۔“ وہ بولے۔

”میں پھر کہتا ہوں کہ اس میں مجھے شک ہے۔“

دفعتہ کسی نے کھڑکی کے شیشے پر دستک دی ہم نے چونک کر دیکھا سڈنی کا چہرہ شیشے میں گویا جڑا ہوا تھا۔

”وہ چیخ کے بولا ارے گدھو۔ باہر آؤ۔ ایک اہم خبر لایا ہوں۔“

آدھ منٹ کے لئے ادھر ادھر ہو گئی ہوں گی۔“

”نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ کیونکہ اللہ آپ کو نیکی دے مجھے احساس ہو چلا تھا کہ اس مکان میں کوئی عجیب واقعہ ہونے والا ہے چنانچہ میں نے آخر تک اس مکان پر نظر رکھنے کا فیصلہ کیا اور اللہ آپ کو نیکی دے جب میں کوئی فیصلہ کر لیتی ہوں تو اس پر قائم رہتی ہوں۔ چنانچہ اللہ آپ کو نیکی دے میں اپنی خواب گاہ کی کھڑکی کے سامنے ایک کرسی میں جم کے بیٹھ گئی اور تم لوگوں کے آنے تک میں وہیں بیٹھی رہی۔“

”لیکن مس کالمین چونکہ وہ لڑکی اس وقت اس مکان میں نہیں ہے اس لئے معاف کیجئے گا۔ میں یہ سوچنے پر مجبور ہوں کہ وہ آپ کی نظر بچا کے نکل گئی ہوگی کسی وقت۔“

”یقین نہیں آتا کہ وہ نکل گئی ہوگی اور بے شک وہ نہیں نکلی۔ اور نکل بھی کیسے سکتی۔ یعنی اللہ آپ کو نیکی دے میری نظر بچا کے۔ جب سے وہ میمون آیا ہے میرا وہ مکان پر اسرار بن گیا ہے خیر تو اللہ آپ کو نیکی دے میں نے اس لڑکی کو نہیں البتہ کسی اور کو باہر آتے دیکھا۔“

”کس کو؟“

”ایک نو جوان کو۔“

”ہاں۔ ایک نو جوان کو باہر آتے دیکھا اور اسی بات نے مجھے الجھن میں ڈال دیا۔ دوسری الجھن جسے میں اب تک سلجھا نہیں سکی۔ یہ ہے کہ دوبارہ میں نے اس نو جوان کو مکان میں جاتے نہیں دیکھا یہ تو کچھ مدداری کی سی بات ہوئی کہ وہ نو کرسے میں کبوتر بند کرتا ہے اور خرگوش برآمد کرتا ہے۔ یہاں بھی کچھ ایسی ہی بات ہوئی یعنی اندر گئی لڑکی اللہ آپ کو نیکی دے باہر آیا لڑکا۔“

”آپ بتا سکتی ہیں اس نو جوان کی شکل و صورت اور حلیہ کیسا تھا؟“

”شکل و صورت تو یہ ہے کہ میں اس کے متعلق کچھ نہیں بتا سکتی کیونکہ وہ ایک ٹوپی دار یا یوں کہئے کہ نقاب دار جب پہنے ہوئے تھی اور نقاب اس کے چہرے پر پڑی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ وہ اتنی تیزی سے چل رہا تھا کہ میں اسے ٹھیک سے دیکھ بھی نہ سکی۔ البتہ اگر وہ ابھی میرے سامنے آجائے تو میں اس کے کپڑوں اور چال سے اسے فوراً پہچان لوں۔“

”تو گویا اس کے کپڑوں اور چال میں کوئی فرق تھا۔“

”بے شک اس کے کپڑے گندے پرانے اور چمے ہوئے تھے اتنے خراب کہ اگر وہ کپڑے کسی ننگے پھرتے ہوئے فقیر کو اللہ واسطے دے دیئے جائیں تو وہ بھی قبول نہ کرے گا۔ اب رہی یہ بات کہ وہ کپڑے اسے نو جوان کے تھے۔ تو اللہ آپ کو نیکی دے ایسی کوئی بات نہ تھی۔ کیونکہ وہ کپڑے اسے بہت ڈھیلے آئے تھے۔ عجیب مضحکہ خیز معلوم ہوتا تھا اگر کسی حملہ کے اوندھے اسے دیکھ لیتے تو تالیاں بجاتے اس کے پیچھے دو لیتے۔ اب رہی اس کی چال تو وہ ہو بہو اس پہلے نو جوان کی سی تھی جو تمہارا دوست کے ساتھ غائب ہوا تھا۔ اگر کے فرار ہوا تھا۔ یہ دوسرا نو جوان بھی سر پیچھے اچھا کائے اور سینہ نکالے یوں سیدھا سیدھا چل رہا تھا کہ اس کے سامنے میرے باورچی خانے کی آگ کریدنی تک میری معلومات ہو۔“

”مس کالمین لڑکی کے مکان میں جانے اور نو جوان کے باہر آنے کے درمیان عرصہ میں کیا کوئی ایسا

خیر تو قریب آ کر اس ہستی نے میری طرف دیکھا۔ میں نے اس عظیم ہستی کی طرف دیکھا اور جب ہم ایک دوسرے کے مردانہ حسن کو دل ہی دل میں سراہ چکے تو ہمارے پولیس بھائی نے مجھ سے پوچھا ”وہ چلا گیا؟“ ”میں حیرت سے دم بخود ہو کے بولا ”کون چلا گیا؟“

پولیس صاحب نے فرمایا ”وہی عرب“ میں نے عرض کہا ”میرے عزیز! تم کیا جانتے ہو کسی بھی عرب کے متعلق؟“ ”ارشاد ہوا۔“ ”کوئی پون گھنٹے پہلے میں نے اسے براڈوے میں دیکھا تھا۔ پھر آپ کو یہاں اور اس مکان کو خانہ دیکھا تو میں نے سمجھ لیا کہ وہ چلا گیا ہے۔“ میں تو کوئی فٹ بھرا پھل پڑا۔ پھر اپنے جذبات کو جا کے بولا۔ ”تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ وہی عرب تھا۔ جو اس گھر میں رہتا تھا۔“ ”ہمارے منطقی دوست نے جواب دیا۔ ”وہ وہی عرب تھا اور اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کیونکہ آپ جانتے جو بھی اسے ایک دفعہ دیکھ لے اسے پہچان نہیں سکتا۔“ چنانچہ میں نے پوچھا۔

”کہاں جا رہا تھا وہ؟“ ”جواب ملا۔ ”وہ چار پہیوں والی ایک بلی کی کوچوان سے لڑ جھگڑ رہا تھا۔ عرب کے سر پر ایک زبردست گھڑا تھا جسے وہ اپنے ساتھ ہمیں میں رکھنا چاہتا تھا۔ لیکن کوچوان اس کے لئے تیار نہ تھا۔“ ”بس جناب اتنا جان لین۔“ میرے لئے کافی تھا۔ چنانچہ میں نے اپنے اس قابل احترام بھائی کا پہلے تو منہ چوما اور پھر اسے گود میں اٹھا کے بھاگ آیا تمہارے پاس یعنی بجلی کی سی تیزی سے۔“

چونکہ پولیس کا قد چھ فٹ سے بھی نکلتا ہوا تھا اور پھر وہ دوسرے بدن کا بھی تھا۔ اس لئے اس کا تصور بھی کرنا محال تھا کہ کوئی اسے گود میں اٹھا کے بجلی کی سی تیزی سے بھاگ سکتا تھا۔ پولیس کو سڈنی کا یہ طریقہ خاصا پسند آیا تھا۔ چنانچہ اس کی مسکراہٹ اور بھیجی ہوئی سی۔ بہر حال وہ ایک اہم خبر لے کر آیا تھا اور اگر سڈنی نے اس کی تعریف کرنے میں مبالغے سے کام لیا تھا تو اس کی یہ خطا بخشی جاسکتی تھی۔ چنانچہ اب میں پولیس کی طرف گھوم گیا اور اپنا ملاقاتی کارڈ اسے دے کر گیا۔

”میں خانگی جاسوس ہوں ممکن ہے کہ آج کا سورج غروب ہونے سے پہلے وہ عرب ایک عجیب اور ہیجان انگیز جرم کے الزام میں گرفتار نظر آئے۔“ چنانچہ اس کی نقل و حرکت کے متعلق معلومات کرنا ضروری ہے۔ ہاں تم ٹھیک کہہ رہے تھے کہ وہ عرب جسے تم نے براڈوے میں دیکھا تھا وہی تھا وہی تھا جس کی ہمیں تلاش ہے۔“

”بالکل اس میں ذرا بھی شک نہیں میں اسے اسی طرح پہچانتا ہوں جس طرح کہ اپنے حقیقی بھائی کو ہم لوگوں میں وہ ”عرب“ کے نام سے مشہور ہے ثابت اس کی امتیازی خصوصیت ہے۔ جب بھی وہ نظر آیا ہے۔ دن میں یا رات میں بس بھام بھاگ کرنا نظر آیا ہے۔ تو جیسا کہ میں نے کہا میں نے اسے براڈوے میں دیکھا تھا۔ اس وقت کو کوئی ایک گھنٹہ ہوا ہو گا میں آ رہا تھا کہ مجھے ڈسٹرکٹ ریلوے سٹیشن کے سامنے بھیڑ نظر آئی۔ اس بھیڑ کے درمیان وہی عرب کھڑا ہوا کوچوان سے لڑ جھگڑ رہا تھا۔ اس کے سر پر ایک کافی بڑا اور لمبا ٹکڑا تھا۔ وہ عرب اس ٹکڑے کو اپنے ساتھ لٹکے میں رکھنا چاہتا تھا۔ لیکن کوچوان اسے اس کی اجازت نہ دیتا تھا۔ تم یہ دیکھنے کے لئے تو نہر کے ہو گے کہ آخر فیصلہ کیا ہوا اور وہ عرب اس ٹکڑے میں بیٹھا یا نہیں اور اگر بیٹھا تو کس طرف گیا؟“

میں نے بڑی بی کاغذ رفع کرنے کی غرض سے کہا۔
”نہیں وہ اندر نہیں آ سکتا اگر اس نے میری دہلیز پر قدم رکھا تو اللہ آپ کو نیکی دے میں خود باہر چلی جاؤں گی۔“

میں نے بڑی بی کاغذ رفع کرنے کی غرض سے کہا۔
”آپ فکر نہ کریں ہم دونوں باہر جا کر ان سے گفتگو کرتے ہیں۔“
بڑی بی نے ذرا سا دروازہ کھولا۔ میں اور پھر سنگھام پھنسا کہ اس میں سے نکل آئے۔ بہرے باہر آتے ہی بڑی بی نے دروازہ بند کر دیا۔ یہ بات سمجھ میں نہ آئی کہ بڑی بی کو سڈنی پر کیوں غصہ تھا۔ سڈنی نے بڑی مصحفیہ خیر انداز میں اور گویا ہمیں چڑانے کے لئے بھوتوں کی ایزیاں بجا کے ہمیں سلام کیا۔ اس کے ساتھ پولیس کا ایک آدمی تھا۔

”تم دونوں نے تو یار بہت دیر تک اس بوڑھی بلی کے ساتھ میاؤں میاؤں کی خیر تو جب ہم بیکار کی میاؤں میاؤں کر رہے تھے تو میں کام کا کام کر رہا تھا۔ تو یہ ہمارے پولیس بھائی کیا کہتے ہیں۔“
پولیس کا آدمی اپنے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے نیچے میں گھسائے نہایت فراغت سے مسکرا رہا تھا۔ اس کی آواز بھاری گھیر اور گونج رہی تھی جیسے وہ گھڑے میں منہ ڈال کے بول رہا ہو۔
”میرے خیال میں کوئی اہم خبر لے کر نہیں آیا ہوں۔“ وہ بولا۔

لیکن سڈنی اس سے متعلق نہ تھا۔
”پولیس بھائی ذرا دم لو۔ پہلے میں ان دونوں گپ بازوں کو اپنے کارنامے کی داستان سنا دوں۔ ذرا اس کے بعد تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ جو خبر تم لے کر آئے ہو وہ کس قدر اہم ہے۔ اور یہ کہ جب دونوں اس لڑاکا اور بوڑھی بلی کے ساتھ میاؤں میاؤں کر رہے تھے تو میں کیسا اہم کام کر رہا تھا۔“
اب وہ ہماری طرف گھوم گیا۔

جب میں نے اس بھوت بنگلے کا ایک ایک چپہ دیکھا الاحتمال کہ سوراخوں اور دروازوں تک میں نے جھانک کے دیکھا اور جب میری اس تلاش کا نتیجہ میری کمر کے وردی صورت میں ظاہر ہوا تو میں بھاگ کے باہر نکل آیا اور زینہ پر کھڑے ہو کر اپنی کمر سہلانے اور سوچنے لگا کہ اپنا نزلہ کس پر گراؤں۔ اپنے ہال نوحہ ڈالوں۔ کپڑے پھارنے لگ جاؤں یا وقت نزاری کے لئے کوچوان سے ملے بازی شروع کر دوں ابھی میں کوئی فیصلہ نہ کر پایا تھا کہ افق سرک سے نیر امید طلوع ہوا۔ یعنی ام البلاد کے اس عظیم الشان محافظ نے ظہور فرمایا۔

سڈنی نے پولیس کے آدمی کی طرف اشارہ کیا۔ ”موخذ الذکر کی مسکراہٹ کانوں تک پھیل گئی۔“

”نہیں جناب نشین پر میری ڈیوٹی ختم ہوگئی تھی اور وہاں سے گزرتے وقت میں نے یہ ہنگامہ دیکھا۔“

”تم اس سے کچھ پوچھنے بھی نہ رکے؟“

”جی نہیں ان دونوں کے معاملات میں میں غل نہیں دے سکتا تھا۔ البتہ مارگنالی ہوگئی ہوتی تو بات دوسری تھی۔“

”تم نے ہنگامہ والے کا نمبر بھی نہ لیا ہوگا۔“

”جی نہیں۔ البتہ میں اس مانگہ والے کو جانتا ہوں۔ اس کا اسٹبل بریڈ مور میں ہے۔“

میں نے اپنی نوٹ بک نکالی۔ ”اس کا نام اور پتہ کیا ہے؟“

”اس کا عیسائی نام تو مجھے معلوم نہیں شاید نام ہے۔ البتہ اس کا خاندانی نام ایس ہے اور اس کا پتہ ہے جرج میوز۔ بینٹ جان روڈ۔ بریڈ مور مجھے اس کا نمبر معلوم نہیں البتہ آپ کسی سے بھی پوچھنے کہ چار پیو۔ والا ایس کہاں رہتا ہے اور وہ آپ کو اس تک پہنچا دے گا۔ چار پیو والا ایس وہ اسی نام سے مشہور ہے۔“

”کیونکہ چار پیو کا مانگہ چلاتا ہے۔“

”بہت بہت شکریہ آفیسر، واقعی ایک اچھا خبر دے ہو اور آدھے کراؤن کے دو سکے میری جیب میں سے انتقال کر کے پولیس کے آدمی کی جیب میں پہنچ گئے اب اگر تم نظر رکھو اور اگر کوئی واقعہ ہو تو مجھے اطلاع دو اور یہ تمہارا صرف نکر نامہ بلکہ ہم پر ایک ذمہ داری ہے۔“

”ہم اپنے مانگہ میں بیٹھ گئے ابھی کوچاں نے لکھا میں ہاتھ میں لی ہی تھیں کہ فوجی پولیس کو کچھ یاد آ گیا اور وہ پوری طرف دوڑ پڑا۔“

”ایک منٹ صاحب! میں ایک اہم بات تو کہنا بھول ہی گیا میں نے اس عرب کو یہ کہتے سنا تھا کہ وہ کہاں جانا چاہتا ہے۔ وہ اپنی عجیب آواز میں بار بار کہہ رہا تھا۔ وانلوریلو سے اسٹیشن وانلوریلو سے اسٹیشن اور ایس کہہ رہا تھا۔ بہت اچھا۔ میں تمہیں وانلوریلو سے اسٹیشن لے چلوں گا۔ لیکن یہ گھر تمہارا ہے ساتھ مانگہ میں نہ جائے گا۔ اسے چھت پر رکھو عرب نے کہا وانلوریلو سے اسٹیشن میں اس گھر کو مانگہ میں وانلوریلو سے اسٹیشن لے جاؤں گا۔“

”وانلوریلو سے اسٹیشن تمہیں یقین ہے کہ اس نے یہی کہا تھا؟“

”جی ہاں۔ یہی کہا تھا۔“ ہمارا مانگہ چل پڑا تو ہم آپس میں رائے زنی کرنے لگے۔

”اس گھر میں مار جوڑے تھے۔“ مسکھام میں لڑناں آواز میں کہا۔

”اس میں مجھے شک ہے۔“ میں نے جواب دیا۔

”وہ اسی میں تھی۔ میں جانتا ہوں۔ یا تو اسے مار کے اس کے کٹوے کر دیے گئے ہیں یا اس کے منہ میں کپڑا ڈھونڈ کر ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے اس گھر کی میں لپیٹ دیا گیا ہے۔“

”میں پھر کہتا ہوں کہ اس میں مجھے شک ہے۔“

”میں سمجھتا ہوں کہ مسکھام کا اندازہ غلط نہیں ہے۔“ سنڈی نے کہا۔

”تو پھر تم بھی غلطی پر ہو۔“

”تم نے تو بڑے یقین سے کہہ دیا کہ میں غلطی پر ہوں لیکن میں کیسے یقین کر لوں کہ میں غلطی پر ہوں اچھا اب اگر مسکھام کا اندازہ غلط ہے اور میں بھی غلطی پر ہوں تو وہ پراسرار آدمی اس گھر کو اپنے ساتھ مانگے میں کیوں رکھنا چاہتا تھا؟ اگر اس گھر میں کوئی خاص بات نہ تھی۔ اگر اس میں کوئی ایسی چیز نہ تھی جو کہ اس کا راز کھول دیتی تو پھر اس نے وہ گھر مانگے کی چھت پر کیوں نہ رکھ دیا؟“

”بے شک اس گھر میں کوئی ایسی چیز ضرور تھی جس کو وہ لوگوں کی نظروں سے چھپانا چاہتا تھا لیکن میں پھر کہتا ہوں کہ اس میں مار جوڑے یا خدا نخواستہ اس کے جسم کے ٹکڑے نہ تھے۔“

”ذرا واقعات کے سلسلہ پر نظر رکھو میاں۔“ سنڈی نے سر ہلا کر کہا۔ مار جوڑے گھر میں تو گئی لیکن باہر نکلتے نہ دیکھی گئی۔ البتہ اس کے بال اور کپڑے ہمیں فرش کے ایک تختہ کے نیچے دے ہوئے تھے۔ خیر تو مار جوڑے باہر نہ آئی البتہ وہ پراسرار آدمی اپنے سر پر ایک گھر رکھے باہر آیا۔ یہ گھر بقول پولیس کے آدمی کے پانچ چھٹ لکھا ہے اور اس پراسرار آدمی کو اتنا عزیز ہے کہ وہ اسے مانگے کی چھت پر رکھنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ چنانچہ کیا ہے اس گھر میں مار جوڑے کی پراسرار گم شدگی گھر کی لمبائی اور عرب کا اسے اپنے ساتھ لے چلنے پر اصرار۔ کیا یہ سب باتیں ایک خاص بھیا تک واقعہ کی طرف اشارہ نہیں کر رہیں؟“

”مسکھام نے دونوں باتوں سے اپنا چہرہ دھانپ لیا۔“

”میں سمجھتا ہوں کہ آخر میں کا اندازہ صحیح ہے۔ وہ بولے۔“

”میں تم دونوں سے متفق نہیں ہوں۔“

”سنڈی ایک دم سے غصہ ہو گیا۔“

”گھر سے ناقص العقل۔ چنانچہ اب آپ ہی بتائیے کہ کیا ہے اس گھر میں۔“

”میں اندازہ لگا سکتا ہوں اس گھر کے متعلق۔“

”تو اندازہ لگاؤ۔“

”اس گھر میں عرب کی چیزیں ہیں۔“

”واوہ۔ کیا خوب اندازہ لگایا ہے۔ کس گدھے نے تمہیں جاسوس بنادیا؟“

”سنڈی پہلے میری بات تو سنو کہ بس سچ میں بولتے جاؤ گے۔“

”اچھا سناؤ۔“

”اگر وہ شخص وہ ہی تھا جسے پولیس کے آدمی نے عرب کہا ہے تو اس گھر میں کچھ ایسی چیزیں تھیں جو اس عرب کے لئے بہت ضروری ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ اس کا بستر ہو اور چونکہ یہ عرب عجیب و غریب ہے اس لئے اس کا بستر بھی عجیب و غریب اور شاید بھیا تک ہوگا اب اگر اس نے وہ گھر مانگے کی چھت پر رکھ دیا ہوتا اور کوچاں نے شوق بحس سے مجبور ہو کر اسے منوا لیا ہوتا تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ پاگل ہو جاتا اور مانگہ چھوڑ کر چیتا ہوا بھاگ جاتا۔ بس اسی لئے عرب گھر کو اپنے ساتھ مانگہ میں رکھنے پر مہتر تھا۔“

”لیکن مس لندن کہاں گئی؟“ سنڈی نے پوچھا۔

"LV"

”سورنی کا جتا“

”مردانہ لباس میں“

کرے گا۔ کرے گی؟“

”یعنی کیا مطلب؟“ سڈنی نے پوچھا۔

لہذا ہم اور سڈنی ایک ساتھ بول بڑے سڈنی کی آواز اتنی اونچی تھی کہ آسمان تک پہنچ رہی تھی۔

”لیکن کہاں؟ ہم نے اسے نیچے اوپر ادھر ادھر گویا ہر جگہ تلاش کیا وہ اور کہاں ہو سکتا تھا؟“

”خدا کی قسم ایسا ہی ہوا میں نرا گدھا ہوں کہ میں نے مالٹ کا پچھیا کیا؟“

44 شیطان

یہاں لفظ اسکاٹھام نے کہا تھا اور دوسرا اسکاٹھام نے۔

اور اس کی آنکھیں عجیب تھیں۔ اس کی آنکھیں میں اپنے جسم پر دیکھ کر بے چین ہو گیا تھا۔ وہ اپنے سر پر ایک بہت بڑا کھنڈ لٹے ہوئے تھا جو دوسرے ٹکٹ لینے والوں کی راہ میں حائل ہو رہا تھا۔ چنانچہ مسافر اس پر تھا ہورہے تھے اور اسے گالیاں دے رہے تھے۔

”بیشک یہ وہی تھا جس کا ہم تعاقب کر رہے ہیں۔“
”آپ یقین سے کہتے ہیں کہ اس نے تین ٹکٹ لئے تھے۔“

”جی ہاں اس نے ساؤتھ ایمپٹن کے تین ٹکٹ لئے اور پورا کرایہ کاؤنٹر پر رکھ دیا۔ ایک پائی زیادہ اور نہ ایک پائی کم کرایہ کاؤنٹر پر رکھ کر اس نے تین انگلیاں میری آنکھوں کے سامنے چھپائیں۔ میرے خدا! ایسی غلیظ اور ایسی سوکھی انگلیاں میں نے پہلے بھی کسی کی نہ دیکھی تھیں۔ یہ بڑے بڑے ناخن تھے اس کے۔“

”آپ نے یہ تو دیکھا نہ ہوگا کہ اس کے ساتھ کون تھے۔“
”جی یہ میں نے دیکھنے کی کوشش ہی نہ کی۔ میں نے اسے تین ٹکٹ دیدیے اور وہ چلا گیا۔ میں نے بہت سے لوگوں کی چیخیں سنیں کیونکہ اس کا ٹھکانا اس کے سروں سے ٹکرا رہا تھا۔“

جارج نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔
”ٹھیک! اس عرب کے متعلق میرے ساتھ جاتا ہوں اس سے تعارف مجھے اس لئے حاصل کرنا پڑا کہ اپنے گھر کو کوچ میں رکھنے کے بجائے اپنے ساتھ ہی رکھنا چاہتا تھا۔ وہ بدقت تمام اس گھر کو دروازے میں سے کپڑاؤں میں دھکیل سکا۔ اس کے ٹھکانے پوری ایک نشست روک لی۔ چونکہ اس وقت ریل میں زیادہ مسافر نہ تھے۔ اس کے علاوہ اس سے بحث کرنا بھی فضول تھا۔ اس لئے میں نے اس ٹھکانے کو اپنے ساتھ ہی رکھنے کی اجازت دیدی۔“

”وہ اکیلا ہی تھا؟“
”اس وقت تو وہ اکیلا ہی تھا لیکن ریل کے روانہ ہونے سے کچھ دیر پہلے دو آدمی جو انگریز تھے۔ آکر اسی ڈبے میں اس کے ساتھ بیٹھ گئے۔ جب میں پلیٹ فارم کا چکر لگا کر واپس آیا تو ٹکٹ چیکر نے مجھے بتایا کہ وہ دونوں انگریز تھے اس لئے ٹکٹ چیکر کو یہ عجیب بات معلوم ہوئی تھی!

”تم اس کے دونوں ساتھیوں کی شکل و صورت بتا سکتے ہو؟“
”نہیں! البتہ قلیوں کا سردار ان کے متعلق شاید کچھ بتا سکے۔“ جب وہ دونوں ریل میں سوار ہوئے۔ تو اس وقت میں پلیٹ فارم کے آخری سرے پر تھا لیکن اتنا تو میں نے بھی دیکھا کہ ان میں سے ایک تو بھکاری معلوم ہوتا تھا اور دوسرا بے حد گندے اور ڈھیلے ڈھالے کپڑوں میں ملبوس تھا۔
”چنانچہ یہ دوسرا آدمی مار جو رہے تھے“ میں دل میں بولا ”ایک مشہور باپ کی بیٹی اور ایک مشہور شخص کی منگیتر۔“

”جارج! یہ بہت اہم معاملہ ہے اور مجھے تمہاری مدد درکار ہے تم اسی وقت اگلے اسٹیشن کو ایک تار روانہ کر دو کہ جیسے ہی ریل وہاں پہنچے وہاں کا عملہ ان تین مسافروں کو روک لے لے شک پولیس کو ان کی تلاش نہیں ہے۔ میرا مطلب ہے کہ فی الحال نہیں ہے۔ لیکن میں اس کاٹ لینڈ یارڈ کو چند اطلاعات دوں گا اور

میں اس سوال کا جواب نہ دینا چاہتا تھا چنانچہ میں نے کہا
”بہر حال ہم مار جو رہے کو اس کے بچے سے بچھڑائیں گے۔“
”تمہارے خیال میں ہالت مار جو رہے کو کہاں لے جائے گا؟“
”نہی تو ہمیں معلوم کرنا ہے کہ وہ ان لوگوں کو پہنچ گئے ہم لوگ۔“

میں سیدھا اسٹیشن کے ٹکٹ گھر کی طرف چل دیا۔

بڑے پلیٹ فارم پر میری ملاقات اتفاقاً جارج سے ہوئی۔ جارج میرا شناسا اور پلیٹ فارم انسپلر تھا۔ میں نے ہاتھ بڑھا کے اسے روک لیا۔ ”جارج اگرچہ بہت زیادہ محرومیت ہو تو ذرا میرے ساتھ ٹکٹ گھر میں چلے چلو میں ٹکٹ بابو سے چند سوالات پوچھتا ہوں۔ یہ میں بعد میں بتاؤں گا کہ میں یہ تفتیش کیوں اور کس کے متعلق کر رہا ہوں فی الحال تمہارے لئے اتنا ہی پوچھ لینا کافی ہے کہ ایک ایک کو قیمتی ہے۔ کیونکہ یہ کسی کی زندگی اور موت کا سوال ہے۔“

چنانچہ جارج ہمارے ساتھ ہو لیا۔ جب ہم ٹکٹ گھر میں پہنچے تو اس نے پوچھا۔ ”کون سے بابو سے گفتگو کرنا ہے تمہیں؟“

”ان صاحب سے جو ساؤتھ ایمپٹن کے لئے تیسرے درجے کے ٹکٹ دیتے ہیں۔“
جارج نے اس شخص کو اشارے سے بتایا جو اپنے سامنے سکوں کا ڈھیر لگا کے حساب جوڑ رہا تھا۔ یہ ایک قبول صورت نو جوان تھا جو ہر دم مسکرایا کرتا تھا۔

”مسٹر اسٹون! یہ صاحب خانگی جا سوس ہیں اور تم سے چند سوال پوچھنا چاہتے ہیں۔“
”شوق سے پوچھئے صاحب۔“

”مسٹر اسٹون! آج آپ نے کسی ایسے شخص کو ٹکٹ نہیں دیئے جو کہ عربوں کا سالہاس پہنے ہوئے تھے؟“

اسٹون نے فوراً جواب دیا ”جی دیئے ہیں۔ آخری ریل کے جو یہاں سے سات پچیس کو روانہ ہوتی ہے۔“

”کتنے ٹکٹ دیئے ہیں؟“
”تیسرے درجے کے تین ٹکٹ۔“

”تین ٹکٹ۔ تو ثابت ہوا کہ میرا اندازہ غلط نہ تھا۔“
”آپ اس کی شکل و صورت بیان کر سکتے ہیں؟“

”تفصیل سے تو بیان نہیں کر سکتا۔ البتہ اتنا ضرور جانتا ہوں کہ وہ بہت زیادہ بوڑھا اور بد صورت تھا

بہت سادہ تھا۔ بچا یا بچہ۔ بہت جلد وہاں سے جواب آجائے گا۔

”کیا لئے چلا آ رہا ہے؟ ممکن ہے کہ وائز ال سے تار آ گیا ہو۔“

ایک فلی ریسٹوران کے دروازے پر نمودار ہوا۔ اس نے جارج کو سلام کر کے ایک لفافہ اس کی طرف بڑھا دیا۔ جارج لفافہ جاک کر رہا تھا اور ہم قیوں کی نظریں اس پر گڑی ہوئی تھیں۔ جب وہ تار کا مضمون پڑھ چکا تو حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

”تمہارا یہ عرب اور اس کے ساتھی بڑے عجیب بلکہ پراسرار معلوم ہوتے ہیں۔“

جارج نے تاریک مری طرف بڑھا دیا۔ تار کیا تھا۔ اچھی خاصی رپورٹ تھی میں اس کا مضمون پڑھنے لگا۔ لنگھام اور سنڈنی میرے کندھوں پر سے جھانک کر تار پڑھ رہے تھے۔

”سازش سات کی ریل کے آنے پر مسافروں نے اطلاع دی کہ تمام راستے کمپارمنٹ نمبر

8964 میں سے عجیب عجیب آوازیں آتی رہی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جب سے ریل وائر لوٹے روانہ ہوئی

ہے اس کمپارمنٹ میں سے چیخنے چلانے کی آوازیں آتی رہی ہیں جیسے کوئی کسی کو قتل کئے دے رہا ہے۔ اس

کمپارمنٹ میں سے ایک عرب اور دو انگریز پلیٹ فارم پر اترے یقیناً یہی وہ تینوں تھے! جن کے متعلق

ابھی ابھی تار ملا ہے۔ ان سے پوچھا گیا تو تینوں نے ایک زبان ہو کر کہا کہ کوئی کسی کو قتل نہ کر رہا تھا بلکہ وہ

اٹھنے کہہ رہے تھے اور چیخ چیخ کر رہے تھے۔ عرب نے تیسرے درجہ کے تین ٹکٹ دیتے ہوئے کہا کہ

ہم لوگ اپنا ارادہ بدل چکے ہیں اور ٹیشن سے آگے جانا نہیں چاہتے۔ کیونکہ کسی قسم کے جھگڑے وغیرہ کا

بمیں شوت نہیں ملا اور نہ ہی انہیں روکنے کی کوئی وجہ سمجھ میں آئی۔ اس لئے ان سے کوئی تعرض نہ کیا گیا۔

انہوں نے چار پیسوں کا ایک ٹانگہ (جس کا نمبر ہے 59435) کرائے پر لیا۔ عرب اور اس کا ایک انگریز

ساتھی اندر بیٹھ گئے۔ ان کا تیسرا ساتھی کوچوان کے ساتھ باہر بیٹھا۔ عرب نے کوچوان سے کامرشل روڈ

انکم باؤس چلنے کو کہا۔ ٹانگہ واپس آ گیا ہے۔ کوچوان نے بتایا کہ اس نے ان قیوں کو کامرشل روڈ پر ایسٹ

انڈیا۔ پوسٹ کے قریب اس کا فل سٹریٹ کے موڑ پر اتار دیا ہے۔ کوچوان کا بیان ہے کہ عرب کا وہ ساتھی

جو اس کے ساتھ ٹانگے میں بیٹھا تھا۔ عجیب طرح کی روٹی آوازیں نکالتا رہا۔ آوازیں اتنی عجیب اور غم انگیز

تھیں کہ کوچوان راستہ میں تین دفعہ ٹانگہ روک کر اترا۔ اور یہ معلوم کرنے بیچھے پہنچا کہ کوچوان کو کیا تکلیف

ہے۔ قیوں دفعہ اسے جواب ملا کہ سب ٹھیک ہے۔

کوچوان کا کہنا ہے کہ عرب کے دونوں ساتھی بے وقوف اور نا سمجھ معلوم ہوتے تھے۔ کمسن بچوں کی

طرح خود ہمارا بھی خیال ہے وہ کچھ نہیں بولتے البتہ جب عرب ان کے متعلق کچھ کہتا ہے تو اسی کے الفاظ

دہرا دیتے ہیں اور جب ان سے کچھ پوچھا جاتا ہے تو منہ کھولے صورت نکالتے ہیں۔ یہ بتا دینا ضروری

ہے کہ عرب اپنے سر پر ایک بہت بڑا تھمر لٹے ہوئے تھا جسے اس نے کوچوان کے زبردست احتجاج کے

باوجود اپنے ساتھ ٹانگہ میں ہی رکھا۔

اس رپورٹ میں میرے لئے بڑے گہرے اور بھیا تک معنی پوشیدہ تھے رپورٹ کا دیکھنے والا چند ایسی

اہم باتیں لکھ گیا جو اس کے نزدیک شاید معمولی تھیں۔

فوراً اس کا پورا عملہ ان قیوں کو گرفتار کرنے کے لئے حرکت میں آجائے گا۔ لیکن تم سمجھ سکتے ہو کہ اس کا

لینڈ یارڈ تک اطلاع خاصی دیر میں پہنچے گی اور ہمارا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ ٹیشن کے ٹکراں کہاں ہیں؟

”وہ تو باہر گئے ہوئے ہیں فی الحال میں ہی ان کا قائم مقام ہوں۔“

”بس تو فوراً تار بھیج دو۔ اطمینان رکھو۔ یہ سب کچھ میں اپنی ذمہ داری پر کر رہا ہوں۔ چنانچہ تمہاری

ملازمت وغیرہ پر کوئی آج نہ آئے گی۔“

”اگر ذمہ داری تمہاری ہے تو میں حاضر ہوں۔“

جارج نے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔

نویسٹن میں 20 منٹ باقی ہیں۔ ریل سٹنلاک کے ٹیشن پر نوٹج کر 6 منٹ کو پہنچتی ہے۔ اب اگر ہم

اسی وقت تار کر دیں تو وہاں کا عملہ ان قیوں کے لئے تیار ہو رہے گا۔

”بس ٹھیک ہے۔“

”میں جارج کے دفتر میں پہنچا دیا گیا جہاں بیٹھ کر ہم نتیجہ کا انتظار کرنے لگے لنگھام کمرے میں بے

چینی سے بٹل رہے تھے۔ اس کے برخلاف سنڈنی ایک کرسی میں بٹھا ہر نہایت اطمینان سے ٹانگیں پھیلائے

ہوں بیٹھا ہوا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں اب رہا بس تو میں نے اس فرصت کے وقت سے فائدہ اٹھا کر پولیس

کے ایک آدمی کو ضروری ہدایات کے ساتھ اس کاٹ لینڈ یارڈ کی طرف دوڑا دیا۔

اس طرف سے اطمینان کر کے میں اپنے دونوں ساتھیوں کے پاس واپس آیا۔ ”دوستو! رات کے

کھانے کا وقت ہو گیا۔“ میں نے کہا۔ ”ممکن ہے ایک طویل سفر درپیش ہو چنانچہ بہتر ہوگا کہ ہم کچھ کھا

لیں۔“

لنگھام نے نفی میں سر ہلایا۔ ”میں تو ذرا بھی بھوک محسوس نہیں کر رہا۔“

”نہ میں کر رہا ہوں سنڈنی نے کہا۔“

”مسٹر لنگھام! آپ کے بھوکے رہنے سے حالات سدھرنہ جائیں گے۔ بلکہ ممکن ہے کچھ بڑی

جائیں۔ کیونکہ بھوک میں آدمی کو اکثر ایسی ہی سوچتی ہے۔“

میں سمجھا بھجا کراں دونوں کو ٹیشن کے ریسٹوران میں لے گیا میں نے بڑی رفت سے کھایا۔ لنگھام

نے تھوڑا سا شور مچا دیا۔ لیکن سنڈنی جسے ہونے سے منع پر لوٹ پڑا۔ میں نے پیر کی قاب کو اپنی طرف گھمنا ہی

تھا کہ جارج نہایت تیزی سے ریسٹوران میں داخل ہوا۔ اس کا اہمہ میں کھاتا تھا!

”شانہیل! شکار نکل گیا“ اس نے کہا۔

”کیا کہہ رہے ہو؟“

جارج نے تاریک مری طرف بڑھا دیا۔ ”بس کا مضمون یہ تھا۔“

”وہ اشخاص جن کی تفصیل تار میں آئی ہے۔ ریل میں نہ تھے۔ معلوم ہوا ہے کہ وہ قیوں وائرل پر

اتر گئے ہیں وائرل تار کر دیا گیا ہے اطلاع عرض ہے۔“

”بس ٹیشن نے یہ تار دیا ہے عقلمند معلوم ہوتا ہے۔“ جارج نے کہا۔ ”وائرل تار دے کر اس نے ہمارا

لسنگھام بخوبی جانتے تھے کہ یہ انگریز سوائے مارجورے کے اور کوئی نہیں لیکن غالباً وہ اپنے آپ کو اطمینان دلانے کے لئے مجھ سے اپنے اس سوال کا جواب چاہتے تھے۔
 ”امید ہے کہ یہ انگریز مس مارجورے لندن ثابت ہوں گی“ میں نے جواب دیا۔ امید ہے؟“ وہ چونکے۔

”جی ہاں۔ اور اس کا مجھے یقین ہے کہ چند گھنٹوں بعد ہی وہ آپ کی آغوش میں ہوگی۔“
 ”خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔“

میں لسنکھام کی طرف دیکھنے کی جرأت نہ کر سکا کیونکہ ان کی رندھی ہوئی آواز سے پتہ چل گیا تھا کہ ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ سڈی بدستور خاموش رہا وہ کھڑکی میں سے گردن نکالے سامنے کی طرف یوں دیکھ رہا تھا جیسے وہاں دنیا کی حسین ترین لڑکی کھڑی ہو۔

چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد لسنکھام نے گویا اپنے آپ سے کہا:
 ”لوگوں کا کہنا تھا کہ ریل کے ڈبے میں سے چپخنے کی آوازیں آرہی تھیں پھر کوچوان نے بھی کہا کہ تانگے میں سے جیسے رونے کی آوازیں آرہی تھیں۔ خدا جانے اس ظالم نے کیا کیا ہوگا مارجورے کے ساتھ؟“

یہی وہ موضوع تھا جس کے متعلق میں سوچنا چاہتا تھا یہی ایک خیال کہ ایک معصوم لڑکی اس شیطان کے رحم و کرم پر تھی۔ کسی کو بھی لرزادینے سے لے کافی تھا۔ مس لندن ایک بھیا تک اور ظالم مشرقی کے ساتھ ایک تانگے میں اکیلی تھی اور لندن جیسے آباد شہر کی سڑکوں پر سے گزر رہی تھی لیکن سب سے بڑا المیہ یہ تھا کہ وہ کسی کو مدد کے لئے پکار نہ سکتی تھی اور اس کے ساتھ ہی تانگے میں وہ ٹھہر بھی تھا جس میں خدا جانے کیا تھا۔ خدا جانے کیا گزری ہوگی اس لڑکی پر کہ وہ ریل میں یوں چینی اور تانگے میں روئی تھی؟۔“

یہ موضوع ایسا تھا جس کے متعلق سوچنا بھی کم سے کم اس وقت مناسب نہ تھا کیونکہ عجیب عجیب طرح کے انداز سے کسی بھی آدمی کو بے چین کر سکتے تھے پھر لسنکھام کی حالت تو ویسے بھی نیم بالکون کی سی ہو رہی تھی چنانچہ اب یہ میرا فرض ہو گیا تھا کہ ان کے خیالات کو کسی اور طرف موڑ دوں۔

”مسٹر لسنکھام! آج رات آپ کو دارالعوام میں تقریر کرنی ہے نا؟“
 ”ہاں۔ کرنی تو ہے لیکن میں نہ جاؤں گا۔“

”یہ تو کوئی اچھی بات نہ ہوگی دارالعوام میں آپ کی غیر موجودگی سے ممکن ہے اٹنی سیدھی افواہیں پھیلنے لگ جائیں۔ آپ نے اپنی غیر حاضری کی وجہ بتانی ہے کسی کو؟“
 ”کس کو بتاتا؟“

”چنانچہ بہتر ہوگا کہ آپ دوسرا تانگہ کر کے دارالعوام پہنچ جائیے۔ مجھ پر اعتبار کیجئے میں یقین دلاتا ہوں کہ تقریر ختم کرنے کے فوراً بعد آپ ایک خوش خبری سنیں گے۔“
 لسنکھام نے عجیب نظروں سے میری طرف دیکھا اور بولے۔

”آپ ہوشیار اور فکرمند ہونے کے باوجود مجھے ایسا مشورہ دے رہے ہیں؟ آپ میری حالت دیکھتی

”جارج!“ میں نے کہا۔ ”تار میں اپنے پاس رکھ لیتا ہوں اطمینان رکھو۔ یہ تار میرے پاس محفوظ رہے گا۔ اس کے علاوہ اگر تم چاہو تو اس کا صحیح نقل حاصل کر سکتے ہو۔ لیکن پولیس کو دکھانے کے لئے اصلی تار کا میرے پاس ہونا ضروری ہے۔ اگر اسکاٹ لینڈ یارڈ سے کوئی آدمی مجھے پوچھتا ہوا آئے تو اس سے کہہ دینا کہ میں کامرٹیل روڈ کی طرف گیا ہوں اور یہ کہ لائم ہاؤس کے تھانے کے ذریعہ میں اسکاٹ لینڈ کے یارڈ کو ضروری اطلاعات بھجوا دوں گا۔“

ایک منٹ بعد ہی ہم تینوں ایک ٹانگے میں سوار لندن کی سڑکوں پر سے گزر رہے تھے۔

دارلو سے لائم ہاؤس تک کا راستہ ویسے بھی طویل ہے لیکن جب کسی کے اعصاب تھکے ہوئے اور وہ خود بے چین ہو تو راستہ اور بھی طویل ہو جاتا ہے اور منزل قریب نظر نہیں آتی اس کے علاوہ دوسری بات یہ ہوئی کہ جس تانگے میں ہم سوار ہوئے اس کا گھوڑا ابھی تک ثابت ہوا ایسی رفتار اور اتنے اطمینان سے چلتا تھا کہ ابھی کسی شب گشت کا گھوڑا ابھی یوں نہ چلا ہوگا۔ اس کے علاوہ تانگہ بھی چنداں آرام نہ تھا۔

رواندہ ہونے کے بعد تھوڑی دیر تک تو ہم تینوں اپنے اپنے خیالات کم میں بیٹھ رہے پھر لسنکھام نے جو میرے قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے کہا۔

”مسٹر شائل اوہ رپورٹ آپ ہی کے پاس ہے؟“
 ”میں دیکھ سکتا ہوں؟“

میں نے رپورٹ انہیں دیدی انہوں نے ایک دفعہ دو دفعہ اور پھر تین دفعہ اسے پڑھا۔ جب وہ رپورٹ پڑھ رہے تھے تو میں قصداً دوسری طرف دیکھ رہا تھا اس کے باوجود مجھے احساس تھا کہ وہ جیسے جیسے رپورٹ پڑھ رہے تھے۔ ان کا رنگ زیادہ سے زیادہ زرد ہوتا جا رہا تھا۔ گالوں کا گوشت پھڑک رہا تھا اور آنکھیں نم و غصہ سے پھیل گئی تھیں یہ عظیم سیاست دان جس کا علم مشہور تھا۔ مارے غصہ بے چینی اور مایوسی کے ہسٹریا میں مبتلا عورت کی طرح ہوا جا رہا تھا۔ مارجورے کی کم شدگی لسنکھام کے لئے گویا اونٹ کی پیٹھ پر آخری تھکا ثابت ہوئی تھی۔ مجھے احساس ہوا کہ اگر لسنکھام کے اعصاب کا تناؤ کسی طرح فوراً ہی دور نہ کیا گیا تو وہ یا تو پاگل ہو جائیں گے یا کوئی ایسی حرکت کر لیں گے جو سراسر انسانیت سوز ہوگی اگر لسنکھام پر میرا حکم چلتا تو میں فوراً انہیں اپنے گھر چلے جانے کا حکم دیتا۔ لیکن ظاہر ہے کہ میں ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ خصوصاً اس لئے کہ گمشدہ لڑکی ان کی منگیتر تھی۔

فوری لسنکھام نے وہ سوال پوچھا جس کا میں انتظار کر رہا تھا ان کی آواز پھٹی ہوئی اور عجیب تھی۔
 ”مسٹر شائل! آپ کے خیال میں وہ انگریز کون ہے جس کے متعلق رپورٹ میں لکھا گیا ہے کہ وہ پھنسے ہوئے غلط پتروں میں ملیں ہے؟“

رہے ہیں۔ کیا اس حالت میں تقریر کر سکتوں گا؟“
انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

”مسٹر شائیل! آپ جانتے ہیں کہ اس وقت میں پاگل پن کی سرحد پر کھڑا ہوا ہوں؟ آپ جانتے ہیں کہ اس وقت مجھ پر کیا گز رہی ہے؟“ میں بظاہر آپ کے ساتھ اس شیطان کا تعاقب کر رہا ہوں لیکن میں تصور کی نظروں سے ایک بھیانک منظر دیکھ رہا ہوں۔ میں دیکھتا ہوں کہ اسی معبد میں کمبلوں کے انبار پر برہنہ پڑا ہوا ہوں۔ وہ لڑکی جس نے ایک رات مجھے گیت سنائے تھے میرے قریب بیٹھی ہوئی ہے اور قربان گاہ پر مار جورے کو زندہ جلایا جا رہا ہے۔ میرے خدا! میں اس کی چیخیں سن رہا ہوں۔“
میں لرز گیا تاہم اپنے جذبات پر قابو حاصل کر کے بولا

”مسٹر لسنکھام! میں آپ کو زبردست قوتِ ارادی کا مالک سمجھے ہوئے تھا لیکن معاف کیجئے گا آپ تو بے حد کمزور آدمی ثابت ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کا تصور بھی ایسا مریضانہ ہے کہ آپ کسی توہم پرست عبوت کو بھی مات کئے دے رہے ہیں۔ ایسی مایوسانہ باتیں آپ کو زیب نہیں دیتیں میں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ اگر خدا نے چاہا تو بہت جلد آپ کی منگیتر آپ کی آغوش میں ہوگی۔“
”ہاں۔ لیکن کون سی منگیتر؟“ وہی جسے میں جانتا تھا بالکل بدلی ہوئی؟“
”کیا وہ وہی مار جو رہے ہوگی یا ایک پاگل لڑکی جو کسی کو نہ بچنے کی اور جسے کچھ یاد نہ ہوگا۔ بتاؤ! لیکن اور کون سی مار جو رہے ہوگی وہ؟“

یہی سوال میں خود اپنے آپ سے پوچھ چکا تھا۔ اگر ہم مار جو رہے ہو چھاپنے میں کامیاب ہو گئے تو ہم اسے کس حال میں پائیں گے؟ یہ ایک ایسا سوال تھا جس کا جواب میں باوجود کوشش کے حاصل نہ کر سکا۔
”لسنکھام کو سلی دینے کے لئے میں نے جھوٹ کا سہارا لیا۔“
”مس لائنڈن ذرا خوف زدہ اور کھیرائی ہوئی ہوں گی اور بس وہ وہی مار جو رہے ہوں گی جن سے آپ کی نسبت ہوئی ہے تندرست، حسین اور خوش مزاج۔“

”یہ تو آپ مجھے بہانے کے لئے کہہ رہے ہیں اپنے دل پر ہاتھ رکھ کے کہیے کہ کیا مار جو رہے ہمیں ایسی ہی آپس ملے گی؟ کیا اس کا حسن اس کی فہم اور اس کے حواس بدستور قائم رہے ہوں گے؟“
ایک بار پھر میں نے جھوٹ بولا۔ کیونکہ لسنکھام کے اعصاب کو سکون پذیر کرنا ضروری تھا۔
”جی ہاں۔ میں یقین سے کہہ رہا ہوں۔“
”تو معاف کیجئے آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔“
”مسٹر لسنکھام!۔“

”جی ہاں۔ آپ جھوٹ بول رہے ہیں میں نہ بچے ہوں اور نہ یہوقوف میں آپ کے بشرے آپ کے جذبات اور خیالات کا اندازہ لگا سکتا ہوں اور آپ کے بشرے سے اس وقت جو کچھ ظاہر ہو رہا ہے اس نے صرف مجھے پریشان بلکہ مایوس کر دیا ہے آپ ایک شریف آدمی ہیں چنانچہ یوں جھوٹ بولنا آپ کو زیب نہیں دیتا۔ سچ کچھ بتائیے کہ جب آپ مار جو رہے ہو چھاپنے کے بشر طیکہ اسے بچا سکے تو کیا وہ پہلے

والی مار جو رہے کی بگڑی بلکہ بگاڑی ہوئی تصویر نہ ہوگی؟ کیا وہ وہی مار جو رہے ہوگی جس سے میں نے محبت کی تھی؟“

”اگر مان بھی لیا جائے کہ خدا نخواستہ ایسا ہی ہوگا جیسا کہ آپ کہتے ہیں تب بھی اس کے متعلق اس وقت گفتگو کرنے یا اندازے قائم کرنے سے کیا فائدہ؟“

”کوئی فائدہ نہیں بے شک کوئی فائدہ نہیں یوں سمجھئے کہ ایک طرح کا شوق تجسس ہے بہر حال مسٹر شائیل! آپ مجھے دھوکا دینے اور مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش نہ کریں۔ میری زندگی برباد ہونا بھی سوہو چکی۔ اب نہ میں کچھ کر سکتا ہوں اور نہ آپ اب مجھے حقائق کا مقابلہ کرنے دیجئے خواہ وہ کتنے ہی تلخ کیوں نہ ہوں

میں خاموش رہا۔

لسنکھام نے اپنے ماضی کی جو وحشت انگیز کہانی سنائی تھی وہ ان واقعات پر روشنی ڈالنی تھی جو تقریباً تین سال پہلے ہوئے تھے اور اب تک ایک معمہ بنے ہوئے تھے ان واقعات کی نہایت تفصیلی رپورٹ میرے پاس اب بھی موجود ہے۔ تین سال پہلے جو کچھ ہوا تھا اسے یہاں مختصر ا بیان کر دینا نامناسب نہ ہو گا۔

ایک خاندان کے تین افراد و لڑکیاں اور ایک لڑکا جو آپس میں بہن بھائی تھے سیاحت کے شوق میں اپنے گھر سے نکلے لڑکا اپنی دونوں بہنوں سے عمر میں کم تھا۔ اور تینوں انگلستان کے ایک شریف خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ تینوں نو جوان تھے اور یہ عمر میں پرواہی اور بے فکری کی ہوئی ہی ہے جس دن وہ قاہرہ پہنچے اسی دن شام کو انہوں نے قاہرہ کے ایک محلہ میں جانے کی ٹھانی۔ اس محلہ میں لمبا دور وہ لوگ رہتے تھے جو کہتے ہیں کہ مصر قدیم کے کسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ لوگوں نے انہیں دباں نہ جانے کا مشورہ دیا۔ لیکن انہوں نے کسی کی ایک نہ سنی:

چنانچہ وہ وہاں گئے اور وہاں نہ آئے دونوں لڑکیاں تو نہ ملیں البتہ تھوڑے عرصے کے بعد لڑکا مل گیا جو اپنے آپ میں نہ تھا۔ جب وہ وہاں نہ آئے تو کافی بھاگ دوڑ کی گئی جو بے نتیجہ رہی۔

ان کی ماں جو لندن میں تھی۔ بہت زیادہ پریشان تھی۔ کیونکہ اسے اپنے بچوں کی طرف سے ایک تار ملا تھا۔ جس میں انہوں نے قاہرہ پہنچ جانے کی اطلاع دی تھی لیکن اس تار کے بعد ان کا کوئی تار نہ آیا آخر کار ان کی ماں نے قاہرہ کی پراسرار ہستیوں سے خط و کتابت کی اور اس کا جواب ملا کہ اس کے بچوں کا نہیں پتہ نہیں۔

ان تینوں کی تلاش کی گئی۔ قاہرہ کی پولیس نے اس محلے کا جہاں وہ تینوں غائب ہوئے تھے چھپ چھان مارا لیکن ان تینوں کا کوئی سراغ نہ ملا پولیس تھک ہار کر بیٹھ رہی اور ان تینوں کی گمشدگی ایک ناقابل حل معمہ بنی رہی۔ اس واقعہ کے کوئی تین مہینے بعد چند عرب ایک نو جوان کو انگریزی سفارتخانہ پر لے آئے اور انہوں نے بتایا کہ یہ نو جوان انہیں ریگستان میں برہنہ اور نیم جان پڑا تھا یہ نو جوان ان دو گمشدہ لڑکیوں کا بھائی تھا۔ جیسا کہ ان عربوں نے کہا تھا۔ نو جوان نیم جان بلکہ موت کی سرحد پر تھا اسے ہسپتال میں داخل

کر دیا گیا اس کے منہ سے مبہم فقرے نکل رہے تھے جن سے اس واقعہ کا کچھ اندازہ لگایا گیا جو اس کے اور اس کی بہنوں کے ساتھ ہوا تھا۔

اس نے بے ہوشی کے عالم میں جو کچھ کہا تھا اسے شارٹ پنڈ میں لکھ لیا گیا بعد میں اس کا یہ مبہم اور غیر مربوط بیان مجھے دے دیا گیا۔ مجھے اس نو جوان کے بیان کا ایک فقرہ یاد تھا۔ اور جب لسنکھام نے اپنی کہانی سنائی تو اس نو جوان کی حالت اور اس کی بہنوں کی کشدگی کا معہل ہو گیا۔ اب اس نو جوان کا بیان میں نے لسنکھام کو سنایا ہوتا تو وہ فوراً اس بات کا اعتراف کر لیتے کہ قاہرہ میں ان کے ساتھ جو واقعہ ہوا تھا اس کے کوئی سترہ سال بعد ایک نو جوان کے ساتھ بھی بالکل یہی واقعہ ہوا تھا اور اس نے بھی وہی اذیت برداشت کی تھی۔ جو خود لسنکھام نے برداشت کی تھی اور اس نے بھی وہی خونِ محمد کر دینے والے مناظر دیکھے تھے جو لسنکھام نے۔

وہ نو جوان بے ہوشی کے عالم میں کسی ”دارالعتوبت“ کے متعلق بکثرت باتھا جو یقیناً اسی معبد کا کوئی کمرہ تھا جہاں مسٹر لسنکھام کو رکھا گیا تھا اس کے علاوہ اس نو جوان نے کسی عفریت پیکر عورت کا بھی ذکر کیا تھا جس سے وہ اتنا سہا ہوا تھا کہ جب بھی وہ اس عورت کے متعلق کچھ کہتا اس کے بدن پر لرزہ طاری ہو جاتا۔ اس کے اعضاء اٹھنے لگتے اور وہ پاگلوں کی طرح چنچنے لگتا تھا پھر ڈاکٹروں اور نرسوں کی ان تھک و شیش بھی اسے عجیب و غریب دورے سے نجات نہ دلا سکتی تھیں اکثر اوقات وہ نام لے لے کر اپنی بہنوں کو پکارنے لگتا تھا اور اسی آواز میں جس سے معصوم ہوتا تھا کہ وہ اپنی بہنوں کو کسی ناقابل بیان عذاب میں مبتلا دیکھ رہا ہے لیکن ان کی مدد کے لئے وہ انگلی بھی نہ ہلا سکتا ہو۔

ایک ایک وہ ستر میں اٹھ بیٹھا اور دونوں ہاتھ پھیلا کے بیٹھا۔ وہ میری بہنوں کو چارے میں زندہ جلا رہے ہیں۔ شیطان ظالم اور یہ وہ وقت ہوتا جب ہسپتال کا ممد اسے پکڑے رکھتا لیکن وہ انہیں دھکیل دھکیل کے بھاگنے کی کوشش کرتا۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ اس وقت اس میں عجیب طاقت آ جاتی تھی۔

اسی قسم کے ایک دورے میں اس نو جوان کی روح پرواز کر گئی اور اس کی بہنوں کی کشدگی ایک معمد بنی رہی کیونکہ مرحوم نے ایک بات بھی ایسی نہ کہی تھی جس کے ذریعہ صحیح اندازہ لگایا جاسکے۔ جن لوگوں نے نو جوان کی حالت دیکھی انہوں نے کہا تھا کہ خدا کو اس پر رحم آ گیا کہ اس کے لئے موت بھیج دی ڈاکٹر اور نرسیں دعائیں مانگا کرتی تھیں کہ اسے اٹھا لے کیونکہ علانی ناممکن تھا اور اس کی حالت کسی سے دیکھی نہ جاتی تھی۔

نو جوان کی موت کے بعد مصر میں عجیب عجیب افواہیں پھیل رہی تھیں لوگوں نے کہا کہ ملک کے کسی حصے میں کوئی ایسا قبیلہ موجود ہے جو جس از تاریخ کے کسی خونی مذہب کا پیرو ہے۔ اور جو اپنے دیوتاؤں پر انسانوں کو بھیشت چڑھاتا ہے ان افواہوں نے رفتہ رفتہ یقین کی صورت اختیار کر لی اور پورے ملک میں خوف و ہراس کی ایک عام لہر دوڑ گئی۔

ابھی یہ افواہیں گرم تھیں کہ ایک شخص انگریزی سفارت خانے میں حاضر ہوا۔ اس نے بتا کہ وہ فیل حنفیہ کے کنارے آباد ایک قبیلہ کا فرد ہے اور اس قوم سے واقف ہے جس کے متعلق ان دنوں افواہیں گرم

ہیں اس نے یہ تو اقرار نہ کیا کہ وہ اسی قوم کے مذہب کا پیرو ہے تاہم اس نے بتایا کہ وہ ایک سے زیادہ مرتبہ ان کی مذہبی رسومات میں شریک ہو چکا ہے اس نے بتایا کہ یہ بت پرست نو جوان عیسائی لڑکیوں کو عموماً اور انگریز لڑکیوں کو خصوصاً قربان گاہ پر زندہ جلا دیتے ہیں۔ اس نے قسم کھا کے کہا کہ خود اس نے اپنی آنکھوں سے کی دفعہ انگریز لڑکیوں کو زندہ جلتے دیکھا ہے اس نے مذہبی رسومات کی جو تفصیل بیان کی وہ لرزہ خیز تھی۔ اس نے کہا کہ اگر اسے مناسب انعام دیا جائے تو وہ سپاہیوں کے ایک دستے کو اس مقام تک لے جائے گا۔ جو ان بت پرستوں کا اڈہ ہے اسی نے بتایا ہے کہ چند دن بعد ہی وہ بت پرست مذہبی رسومات ادا کرنے کے لئے معبد میں جمع ہونے والے ہیں چنانچہ اس نے کہا وہ عین اسی وقت سپاہیوں کو وہاں پہنچا دے گا۔ جب وہ رسومات ادا ہو رہی ہوں گی۔

اس کی یہ پیش کش قبول کر لی گئی اس شخص کو رہنے کے لئے ایک کمرہ دے دیا گیا ایک محافظ اس شخص کے ساتھ کمرے میں موجود رہتا تھا اور دوسرا کمرے کے باہر پہرہ دیا کرتا تھا۔ اسی رات ایک عجیب واقعہ ہوا۔ وہ محافظ جو کہ باہر پہرہ دے رہا تھا۔ بھیج تک چھینٹن سن کر چونکا۔ یہ چھینٹن اسی کمرے میں سے آرہی تھیں جس میں اس شخص کو رکھا گیا تھا جو سپاہیوں کی راہبری کرنے والا تھا محافظ نے آوازیں دے کر دوسرے سفر یوں کو بلایا۔ بڑی کوششوں کے بعد وہ دروازہ توڑ کر کمرے میں داخل ہوئے تو یہ دیکھ کر دم بخود رہ گئے کہ وہ محافظ جو کمرے میں تھا پاگل ہو چکا تھا۔ چند ماہ بعد وہ محافظ پاگل بنے ہی میں مر گیا اور وہ شخص جس نے سپاہیوں کی راہبری کا وعدہ کیا تھا۔ مردہ پڑا تھا۔ کمرے میں صرف ایک کھڑکی تھی جس میں سلاخیں لگی ہوئی تھیں اور وہ اندر سے بندھی کسی کی سمجھ میں نہ آیا تھا کہ خونی کس طرف سے اور کس طرح کمرے میں داخل ہوا۔ جن لوگوں نے اس کی لاش کو دیکھا تھا۔ ان کا کہنا ہے کہ کسی انسان نے نہیں بلکہ کسی خونخوار درندے نے یا جانور نے اس کی جان لے لی ہے۔ اس لاش کی تصویریں لی گئیں ایک تصویر اس وقت بھی میرے پاس موجود ہے۔ اس تصویر میں لاش کے گلے پر اور زیر ناف خراشیں اور زخم کے نشانات۔ بخونی دیکھے جاسکتے ہیں کھوپڑی کوئی بارہ جگہ سے پھٹ گئی ہے اور چہرے پر کے گوشت کو نوح لیا گیا ہے۔

یہ واقعہ تین سال پہلے ہوا تھا جو ایک معمد بنار یا لیکن بعد کے بظاہر معمولی واقعات نے مجھے پھر اس طرف متوجہ کر دیا اور میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا اس شخص نے جو سپاہیوں کی راہبری کرنے والا تھا جو پتہ کہا تھا اس میں تھوڑی بہت حقیقت ضرور ہے اور یہ ممکن ہے کہ اس خونی مذہب کے پیرو اب بھی انگریز لڑکیوں کو اٹھا لے جاتے ہیں۔ ممکن ہے کہ لڑکیوں کی کشدگی کا سلسلہ اب تک جاری ہو اور ہو سکتا ہے کہ مصر کے کسی دور افتادہ ویران خطے میں لڑکیوں کو اب بھی زندہ جلا یا جاتا ہو۔ ابھی میں کسی نتیجہ پر نہ پہنچ پایا تھا کہ پال لسنکھام اپنی کہانی نے کر میرے پاس آئے مشہور و معروف لسنکھام کے متعلق یہ کہنا کہ انہوں نے جو پتہ کہا وہ محض ان کے دماغ کی اختراع ہے سراسر ناانسانی ہے چنانچہ لسنکھام نے جو کچھ کہا کہ وہ حقیقت ہے بے شک دنیا میں ایک ایسی قوم موجود ہے جو کسی قدیم دیوتا کو پوجتی اور انسانوں کو بھیشت چڑھاتی ہے چنانچہ لسنکھام کی کہانی نے دو بہنوں کی کشدگی اور اس شخص کی جو عجیب و غریب اسرار طریقے سے مرا تھا۔ موت کے پڑ اسرار پر سے ایک حد تک پردہ اٹھا دیا تھا۔ وہ جاندار جسے ہر شخص نے عرب کہا اور جسے شناخت کے

ڈنڈا لیا بیٹھا تھا۔ جو یقیناً اس شخص کو پکڑ کے لایا تھا۔ اور اب اس کی نگرانی کر رہا تھا۔ یہ شخص جس نے سوال پوچھا تھا۔ اسی گروہ سے معلوم ہوتا تھا جو جرائم پیشہ ہے۔

”یہ تم کیوں پوچھ رہے ہو؟“

”معاف کیجئے گا جناب۔ لیکن کوئی ایک کلاک (گھنٹے) پہلے میں نے ایک ہرب کو دیکھا تھا۔ کم سے کم وہ ہرب ہی معلوم ہوتا تھا۔“

”کیسا تھا وہ؟“ میں نے پوچھا۔

”یہ تو سب میں نہیں بتا سکتا کیونکہ میں نے اس کے چہرے کی طرف ٹھیک سے نہ دیکھا تھا۔ لیکن یہ تو میں نے بھی دیکھا کہ وہ اپنے سر پر یہ بڑا گھبر ہوئے تھابت یوں ہوئی کہ میں اس طرح آ رہا تھا کہ ایک مون پر میرا اس کا سامنا ہو گیا میں نے اس کو کھت تک نہ دیکھا جب تک کہ وہ میرے سر پر نہ آ گیا سو یوں ہو گیا سب کہ میں اس سے ٹکرا گیا اس نے مجھے دھکا دیا اور میں سرک پر گر چتا پاتا اور اس سے پہلے کہ میں سمجھ سکتا کہ یہ سااا اک دم سے کیا ہو گیا وہ ہرب بڑا ک کے آخری سر سے پکڑ لیا گیا تھا۔ یہ تم کو یقین ہے کہ وہ اپنے سر ایک ٹکڑے ہوا تھا۔“ ہاں سب اتنا بڑا ٹکڑا تھا کہ وہ سااا اندھا بھی دیکھ لے اور میں نے تو اسے اچھی طرح سے دیکھا تھا کیونکہ میں اس کے سامنے چتا پاتا کر رہا تھا۔ اس لئے کہ جاہر ہے کہ میری نگرانی اس کی طرح پھٹھی۔ سب اس ٹکڑے تو سالے آسمان کو بھی پھینچا گیا تھا۔ تم نے کیا کہا کب اور کہاں دیکھا تھا اسے؟“

”کوئی ایک کلاک پہلے۔“

”کیسا تھا وہ؟“

”مجھے تو ایسا معلوم ہوا کہ ایک آدمی اس کے ساتھ تھا۔ کم سے کم ایک آدمی اس سالے کے پیچھے چل رہا تھا۔ اب میں یہ نہیں جانتا کہ وہ اس ہرب کا یا تھا یا کوئی بور۔ آپ ان پولیس والوں سے پوچھئے۔ ان لوگ سب جانتے ہیں۔“ چنانچہ میں پولیس والے کی طرف گھوم گیا۔

”یہ صاحب کون ہیں؟“ میں نے پولیس والے کے قیدی کی طرف اشارہ کیا۔

”جناب اس کو شک میں پکڑا گیا ہے اگر آپ کی جگہ میں ہوتا تو اس بد معاش کی باتوں پر دھیان نہ دیتا۔ میرے خیال میں تو جھوٹ بولنا اس کی عادت ہے۔ پولیس کی صاف گوئی نے اس شخص کو جوش دیا اور وہ خفا ہو کے بولا ”سانسا سب؟“ یہ لوگ کچھ سنتے اور سمجھتے نہیں بس سالے اپنی ہی باتیں ہانکے جاتے ہیں۔ کیا جانتے ہو تم میرے بارے میں؟ کچھ نہیں۔ کچھ نہیں جانتے۔ اب آپ میری مائیں یا نہ مائیں میرے کو کیا میں نے جو کہا ہے سااا سچ ہے۔“

میں اس وقت انسپکٹر صاحب اپنی کھڑکی میں نمودار ہوئے۔

”یہ کیا لڑ بڑ مچا رکھی ہے انہوں نے آتے ہی اس شخص کو ڈانٹ پائی جو بیٹھا ہوا تھا۔ اور عرب کے متعلق اطلاعات دے رہا تھا۔ پھر انہوں نے مجھے مخاطب کیا ”جناب! ہمارے کسی بھی آدمی سے اس عرب کو نہیں دیکھا آپ کہیں تو میں اپنا ایک آدمی آپ کے ساتھ کر دوں آپ اس کی مدد سے اپنے طور پر

لئے خود میں نے بھی اپنے اسی روز نامچے میں عرب لکھا تھا۔ یقیناً عرب نہیں ہے اور نہ ہی اس کا نام محمد الخیر ہے۔ یہ جاندار جو غالباً اپنا روپ بدل سکتا ہے یقیناً اسی شیطانی گروہ کا بھیجا ہوا ہے اور شیطانوں کے اسی بہت سے آیا ہے جو ان کا معبد ہے۔ یہ سوال دوسرا ہے کہ وہ کون سے مقصد کے تحت انگلستان میں وارد ہوا ہے غالباً اس کا ایک مقصد تو سنگھم کو پوری طرح برباد کرنا ہے جسماں روحانی اور دماغی طور پر اور دوسرا مقصد شکار حاصل کرنا ہے تاکہ اسے بھیئت چڑھایا جاسکے۔ اس لئے کہ قربان گاہ کے شعلوں میں کافی عرصہ سے کوئی لڑکی جلتی نظر نہیں آئی۔ چنانچہ مس لندن کا اسی لئے اغوا کیا گیا ہے۔ اس جاندار کو احساس ہے بلکہ وہ جانتا ہے کہ اس کا تعاقب کیا جا رہا ہے چنانچہ وہ اپنے شکار کے ساتھ فرار ہو رہا ہے۔ نہایت قلت میں بھاگا جا رہا ہے کسی بھی طرح اپنے شکار کو لے کر لندن سے نکل جائے اور اس کے لئے وہ ہر جائز و ناجائز طریقہ استعمال کرنے سے دریغ نہ کرے گا اور نہ کر رہا ہے۔

اس خیال سے ہی میرا خون فجمد ہونے لگتا ہے کہ مار جو رے ٹیسی لڑکی اس کے قبضہ میں ہے۔ میرا پہلا اور آخری فرض اسے بچانا ہے۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے اپنی فیس وغیرہ کی پروا نہیں ہے۔ میں مار جو رے کو اس ظالم کے پنجے سے چھڑانا چاہتا تھا اور بس۔ تاکہ کی رفتار سست ہوئی اور کو چوان نے جھک کر ہمیں اطلاع دی۔

”صاحب! کامر شیل روڈ کہاں اترتا ہے آپ کو؟“

”لائم ہاؤس“

کو چوان نے ہمیں لائم ہاؤس پہنچا دیا۔ میں سیدھا اس انسپکٹر کی طرف چلا جو کھٹ گھر کی سی کھڑکی میں سے ہماری طرف جھانک رہا تھا۔

”میرا نام شانیل ہے“ میں نے کہا۔ آج رات اسکاٹ لینڈ یارڈ کی طرف سے آپ کو کوئی خاص اطلاع تو موصول نہیں ہوئی؟“

”آپ کا مطلب ایک عرب سے تو نہیں ہے؟“

”جی ہاں اسی کے متعلق“

”کوئی آدھ گھنٹہ پہلے ہمیں بذریعہ ٹیلی فون ایک پیغام ملا ہے“

”اسکاٹ لینڈ یارڈ کو اطلاع دینے کے بعد وائز ال کنیشن سے ہمیں یہ رپورٹ بھیجوائی گئی ہے آپ بتا سکتے ہیں کہ اس شخص کو جس کا حلیہ اس رپورٹ میں درج ہے آپ کے عملے کے کسی شخص نے دیکھا یا اس کے متعلق کچھ سنا ہے؟“

میں نے انسپکٹر کو وہ رپورٹ دیدی جو میرے پاس تھی۔

”میں معلوم کرتا ہوں“

”اتھا اور دروازے میں سے گزر کر گزشتہ کمرے میں چلا گیا رپورٹ بھی اپنے ساتھ لیتا گیا۔“

”معاف کیجئے گا سب۔ لیکن آپ کون سے ہرب کا ذکر کر رہے ہیں انسپکٹر صاحب سے“

یہ سوال پوچھنے والا وہ شخص تھا جو کہ قریب ہی ایک بیٹھا ہوا تھا اس کے قریب ہی پولیس ایک آدمی

تحقیقات کر سکتے ہیں۔

دفعہ ایک آوردہ صورت نو جوان جو ننگے سر اور ننگے پاؤں تھا بھاگتا ہوا آیا اور پھولے ہوئے سانسوں کے درمیان کہا۔

”پولیس صاحب! ایک کھون ہو گیا ہے ایک ہر ب نے ایک آدمی کو مار ڈالا ہے“

پولیس صاحب نے آگے بڑھ کے اس نو جوان کا کندھا پکڑ لیا۔ ”کیا کہا! کیا کہا؟“

”نو جوان نے ایک جھگڑے ساتھ اپنا کندھا پھرا دیا اور کڑک کر کہا۔ ”باتھ بناؤ مجھے کاہے کو پکڑتے ہو میں نے کیا کیا ہے انٹاش تو کھبر دینے آیا ہوں۔“

انسپکٹر صاحب کھڑکی میں سے جھانک کر گویا ہوئے۔

”کیا کہا ہے اس نے؟ کیا کہا تم نے کہ کیا ہوا ہے؟“

”کھون ہو گیا ہے ایک۔ میں جھوٹ نہیں بول رہا۔“ پر سے ڈائریجسٹریکٹ مسز جینڈرن کے مکان میں؟ ایک عرب آیا تھا وہاں کمرہ کرایہ پر لیا اور کسی کو مار مورا چلا گیا۔“

انسپکٹر صاحب میری طرف گھوم گئے۔

”اگر یہ لڑکا غلط نہیں کہہ رہا تو یہ خون ای عرب نے کیا ہے جس کی آپ کو تلاش ہے۔ میرا بھی یہی خیال تھا اور لسننگھام اور سنڈنی کا بھی یہی خیال تھا۔ سنڈنی نے آگے بڑھ کے اس نو جوان کی میٹھ کا لہر کے قریب سے پکڑ لی۔ وہ آدمی کیسا ہے جس کا خون کیا گیا ہے؟“

”یہ تو میں نہیں جانتا کیونکہ میں نے اسے نہیں دیکھا مسز جینڈرن نے مجھ سے کہا۔ سلس بری۔ ایک آدمی کا خون ہو گیا ہے۔ اس عرب نے جس نے کوئی آدھے گھنٹے پہلے میرے یہاں کمرہ کرایہ پر لیا تھا۔ خون کر دیا ہے کسی کا اور لاش کمرے ہی میں چھوڑ کر بھاگ گیا ہے۔ تم جا کر پولیس کو خبر دو۔“ چنانچہ میں خبر دینے آ گیا۔

ہم تینوں معد انسپکٹر کے اس پلانک میں بیٹھ گئے جو راک پر غلط کھڑا تھا۔ تاہم مسز جینڈرن کے مکان کی طرف چلا پولیس کا ایک آدمی اور سٹنس بری ناٹک کے پیچھے پیچھے پیدل آ رہے تھے۔ مسز جینڈرن نے اپنے مکان میں ایک چھوٹی سی سرائے کھول رکھی ہے اور اس سرائے کا نام جہاز رانوں کا گھر رکھا ہے لیکن بڑی وابہیات جگہ سے وہ ابھی کوئی شریف آدمی آپ کو ہاں نہ ملے گا۔ انسپکٹر نے کہا۔

پیر سے ڈائریجسٹریکٹ سٹیشن سے کوئی تین چار سو نو دوڑ تھا۔ اندھیرے میں جتنا کچھ دیکھا جا سکا اس سے معلوم ہوا کہ مکانوں کی ایک لمبی قطار کا نام پیر سے ڈائریجسٹریکٹ تھا۔ سارے کے سارے مکان ایک منزل تھے اور اونچی چوکی پر بنائے گئے تھے ہر مکان کے دروازے سے سڑک کے کنارے تک پتھر کا زینہ گیا تھا۔

ایک مکان کے دروازے میں ایک بڑھیا کھڑی ہوئی تھی۔ یہ مختصر مسز جینڈرن تھیں۔ بڑی بی نے ناک بھونچ کر ہا کر ہمارا استقبال کیا تو آگے تم لوگ میرا خیال تھا کہ تم لوگ نہ آؤ گے۔ بڑی بی نے انسپکٹر کو پہچان لیا۔ ”اچھا تو یہ تم فلپ ہو؟“ پھر بڑی بی کی نظر ہم پر پڑی اور وہ حیرت سے چند قدم پیچھے ہٹ کر پولیس یہ کون لوگ ہیں یہ تو پولیس کے آدمی معلوم نہیں ہوتے؟

مسز فلپ نے بڑی بی کے اس سوال کا جواب بڑے اکھڑپن سے دیا۔

”کوئی بھی ہوں اس سے تم کو کیا؟ یہ کسی کے خون وغیرہ کا کیا قصہ ہے؟“

”ہشت!“ بڑی بی نے ناک میں انگلی رکھ کر کہا۔ آہستہ بولوب تک کسی کو معلوم نہیں کہ یہاں خون ہو گیا ہے۔ میرے یہاں شریف لوگ آتے اور کمرے کرایہ پر لیتے ہیں۔ چنانچہ میں نہیں چاہتی کہ انہیں معلوم ہو کہ پولیس آئی ہے میرے یہاں۔“

”یہ تو ہم بھی جانتے ہیں کہ تمہارے یہاں زمانہ بھر کے شریف قیام کرتے ہیں!“ فلپ نے طنز کہا۔

اور اب ہم مسز جینڈرن کی راہبری میں ایک ایسا زینہ پڑھ رہے تھے کہ جو مرمت طلب تھا۔ ایک تو زینہ ٹوٹا پھوٹا تھا اور پھر روشنی ناکافی تھی۔ چنانچہ ٹھوکریں کھا لاتی تھیں اور ہم ٹھوکریں کھا رہے تھے۔

بڑی بی اوپری منزل کے ایک کمرے کے سامنے پہنچ کر روک گئیں۔ اپنے ڈھیلے ڈھالے کپڑوں کی کسی خفیہ جیب میں سے انہوں نے ایک چابی برآمد کی انہوں نے دروازہ کھولا اور اب ہم کمرے میں تھے۔

منہ دھونے کی ٹوٹی ہوئی تپائی کے ایک کونے پر تنہا موم بتی جل رہی تھی تپائی کے قریب لوہے کا رنگ آلود پلنگ تھا جس پر لمبل چادر اور کچھ کپڑے بے ترتیب پڑے ہوئے تھے۔ پلنگ کے قریب ہی ایک نہایت تاریکی قسم کی کرسی رکھی ہوئی تھی۔ جس کی بیٹھک میں ایک بہت بڑا سودا خانہ نظر آ رہا تھا۔ دیوار سے ایک ٹوٹا ہوا آئینہ لٹکا ہوا تھا۔ اور وہ طاقتوں میں پتھر کے بید اور شکستہ گلدان رکھے ہوئے تھے۔ جن میں پھول نہ تھے۔ اس کمرے میں نہ تو ہمیں لاش نظر آئی اور نہ ہی تشدد کے آثار۔

انسپکٹر فلپ غصہ سے پھونکار کے بڑی بی کی طرف گھوم گئے۔

”یہ کیا مذاق ہے؟ مجھے تو یہاں کچھ نظر نہیں آ رہا؟“

”پلنگ کے پیچھے ہے۔ میں نے اسے چھوا تک نہیں۔ کیونکہ میں جانتی ہوں کہ تم لوگ بال کی کھال نکالتے ہو۔“

ہم چاروں نہایت تیزی سے آگے بڑھے۔ میں اور سنڈنی پلنگ کے سر بانے کی طرف پہنچے اور فلپ اور لسننگھام پلنگ پر ہاتھ ٹیک کر آگے کی طرف جھک گئے۔

اور پلنگ اور دیوار کے بیچ میں لاش پڑی تھی۔

اور لاش کو دیکھتے ہی سنڈنی کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

”میرے خدا یہ تو بالٹ ہے۔“

”شکر ہے کہ یہ لاش مار جوڑے کی نہیں“

میں نے پٹنگ کو گھسیٹ کر کمرے کے بیچ میں رکھا اور لاش کے قریب انڈروں بیٹھ گیا۔ مقتول بھورے رنگ کا نہایت نفیس سوٹ اور سفید فیض پہنے ہوئے تھا کپڑوں سے وہ کسی امیر گھرانے کا فرد معلوم ہوتا تھا۔ لیکن اس کا نحیف و زار جسم اس بات کا پتہ دے رہا تھا کہ اس کے دل فاقے کرتے گزرتے تھے۔ اس کے بدن پر گوشت گویا نام کو نہ تھا۔ وہ ہڈیوں اور جلد کا نمونہ تھا۔ اور بس اس کے گالوں میں گہرے گہرے لڑھے تھے۔ آنکھیں حلقوں میں بہت گہری و جھنکی ہوئی تھیں اور ناک بھی ایک جہی ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کے کندھوں کے نیچے اپنے ہاتھ رکھ کے میں نے اسے اٹھایا تو وہ آسانی سے اٹھ گیا۔ لاش پر کی طرح ہلکی تھی۔

”اب یہ ایک مسئلہ ہے۔ کہ اس شخص کا خون کیا گیا ہے یا نہیں؟“

”کیا مطلب؟“

”یہ اس کی گردن پر کیا ہے؟“ انسپکٹر فلیپ نے پوچھا۔ وہ بھی میرے قریب انڈروں بیٹھے ہوئے تھے۔ مقتول کی گردن کے دونوں طرف دو گہری گہری لکیریں تھیں یہ خراشیں معلوم ہوتی تھیں اس میں کوئی شک نہیں کہ خراشیں گہری تھیں۔ لیکن ان خراشوں سے اس کی موت واقع نہیں ہوئی ہے۔ نہ ہوئی ہو۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ان خراشوں نے رہی سہی کسر پوری کر دی ایک تو یہ جھوکا تھا اور پھر شاید بے حد تھکا ہوا بھی اس پر سے یہ خراشیں آئیں چنانچہ یہ مر گیا اس کی جیبوں میں ہے کچھ؟ بہتر ہوگا کہ ہم اسے اٹھا کے پٹنگ پر ڈال دیں۔“

ہم نے لاش اٹھا کے پٹنگ پر ڈال دی۔ جب انسپکٹر اس کی جیبوں کی تلاشی لے رہے تھے۔ اور کسی جیب میں کچھ نہ تھا۔ تو ایک شخص جس کی کالی ٹنٹی داڑھی تھی۔ گولے کی طرح کمرے میں داخل ہوا معلوم ہوا کہ یہ داڑھی والے صاحب مقامی پولیس سرجن ڈاکٹر گا سپ تھے انکو بلانے کے لئے ایک آدمی اسی وقت دوڑ گیا تھا۔ جب ہم انم ہاؤس سے روانہ ہو رہے تھے۔ لاش کے معائنہ کے بعد انہوں نے جو پہلی بات کہی وہ ہم سب کو چونکا دینے کے لئے کافی تھی۔ یہ مر نہیں ہے تم نے اسی وقت مجھے کیوں نہ بلا بھیا؟“

جب یہ واقعہ ہوا۔ پھر سال مسز پنڈت رن سے پوچھا گیا تھا۔

میں نے اسے چھو انہیں اور نہ کسی باتھو گانے دیا۔ کیونکہ میں جانتی ہوں کہ پولیس اس معاملہ میں بال کی کھال نکالتی ہے۔

چنانچہ اس صورت میں اگر یہ مر گیا تو میں سمجھوں گا کہ اس جرم میں تمہارا بھی ہاتھ ہے۔

بڑی بی مسکرا میں۔ ”ڈاکٹر صاحب! سچی جانتے ہیں کہ آپ ہر وقت مذاق کیا کرتے ہیں“

جب پھانسی کا چھندا تمہارے سامنے ہوگا تو اس وقت تم کو میرے اس مذاق کی حقیقت معلوم ہو گی۔ پھر ڈاکٹر نے بے حد نیچی آواز میں بڑی بی سے پوچھا ”براندی بے گھر میں؟“

بڑی بی نے سمجھا کہ وہ اپنی خدمات پیش کر کے اس الزام سے بچ جائیں گی جس کی دھمکی ڈاکٹر نے

دی تھی۔ چنانچہ وہ چپک لڑ بولیں۔

”ہاں۔ ہاں ہے کیوں نہیں۔ ہمارے ہاں آپ کو ہر چیز مل جائے گی پھر انہیں یاد آیا کہ شراب کا انسٹن ان کے پاس ہے نہیں اور اس وقت پولیس ان کے گھر میں موجود ہے چنانچہ وہ بات بدل کے بولیں۔

”ہم لوگ اس دوکاندار سے شراب منگوا لیتے ہیں جو ہمیں قرض دیتا ہے۔ یعنی اس وقت جب ہمارے کسی کرائے دار کو اس کی ضرورت ہو۔“

”تو پھر خدا کے لئے سمجھو کسی کو۔ اگر براندی آنے سے پہلے یہ آدمی مر گیا تو میں تم کو جیل بھجوا دوں گا۔“

براندی خلاف توقع بہت جلد آگئی لیکن ہسٹر پر پڑے ہوئے آدمی کو براندی آنے سے پہلے ہوش آچکا تھا۔ اس نے آنکھیں کھول کر ڈاکٹر کی طرف دیکھا ہوا اس پر جھٹکے ہوئے تھے۔

”کیوں جناب! کیسی طبیعت ہے؟“ ڈاکٹر نے پوچھا۔

مریض خالی خالی نظروں سے ڈاکٹر کی صورت نکلتا رہا جیسے اس کے سوچنے سمجھنے کی قوتیں اب تک بیدار نہ ہوئی ہوں۔

شکر ہے کہ تمہیں ہوش آ گیا ہاٹ ”سڈنی نے کہا“ مجھے پہچانتے ہو تا میرے یار سارا دن میں تمہارے پیچھے دوڑتا رہا ہوں۔“

تم وہی۔ تم وہی۔ ”ہاٹ نے آنکھیں بند کر لیں جیسے کچھ یاد کر رہا ہو۔ پھر آنکھیں کھولے بغیر بولا۔ ”میں جانتا ہوں۔ تم کون ہو۔ تم وہی صاحب ہو۔“ ”ہاں میں وہی ہوں۔ آتھرمین میرا نام ہے۔ اور میں مس لندن کا دوست ہوں۔ یا تم تو بالکل مردہ معلوم ہوتے ہو۔ تو تھوڑی سی براندی پی لو۔“

ڈاکٹر صاحب ایک جام میں براندی لئے پہلے ہی سے منتظر کھڑے تھے سڈنی نے سہارا دے کر بات کو اٹھایا۔ ڈاکٹر نے جام اس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ ہاٹ بڑے مکان کی اطوار سے براندی پینے لگا۔ دفعت اس کے گالوں پر رنگ آ گیا ڈاکٹر نے بات کی ہنس دیکھی پھر وہ انسپکٹر کی طرف کھوم کے بے حد نیچی آواز میں بولے۔

”اگر تم اس کا بیان لینا چاہتے ہو۔ تو جلدی کرو۔ اس وقت یہ ہوش میں ہے۔ لیکن تھوڑی دیر کا مہمان ہے۔“

چنانچہ انسپکٹر فلیپ نوٹ بک آئیڈل پٹنگ کے قریب جا کھڑے ہوئے۔

”ان صاحب سے“ انسپکٹر نے سڈنی کی طرف اشارہ کیا۔ ”تمہارا نام معلوم ہی ہو چکا ہے۔“ ”نہ۔“ ”بات! یہی ہے تمہارا نام؟“ ”ہاں تو مسٹر ہاٹ! میں پولیس انسپکٹر ہوں اور میں جانتا چاہتا ہوں کہ کیا واقعہ ہوا ہے تمہارے ساتھ؟“

ہاٹ نے آنکھیں کھول کر انسپکٹر کی طرف دیکھا صاف ظاہر تھا کہ اس کی نظر دھندلا گئی تھی اور وہ انسپکٹر کو کھینک طرح سے دیکھ نہ سکتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ یہ بھی نہ سمجھ سکتا تھا۔ اس سے کیا پوچھا جا رہا ہے۔ سڈنی

ہالت پر جھک گیا اور بولا۔

ہالت! انسپکٹر صاحب معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ تم یہاں کیسے آ گئے؟ کیا کوئی تم پر تشدد کر رہا تھا؟ کیا کسی نے تمہیں قتل کرنے کی کوشش کی تھی؟

ہالت نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ چند ثانیوں کے بعد اس نے آنکھیں کھول دیں ساتھ ہی ساتھ اس کا منہ بھی کھل گیا اس کے خشک اور مر جھالے ہوئے چہرے سے خوف اور ہراس کے آثار نمایاں ہوئے آخر کار اس کے منہ سے ایک لفظ نکلا۔

”بھونرا“

وہ خاموش ہو گیا۔ چند ثانیوں کے بعد اس نے پھر کہا۔

”بھونرا“

”بھونرا؟ کیا مطلب ہے اس کا؟“ انسپکٹر نے سڈنی سے پوچھا۔

”یہ میں آپ کو بعد میں بتاؤں گا۔ وقت بہت کم ہے۔ سڈنی نے جواب دیا اور پھر ہالت پر جھک گیا۔

”ہالت تم جو کچھ کہہ رہے ہو میں سن رہا ہوں ٹھیک ہے تو بھونرے نے کیا کیا تمہارے ساتھ؟“

”اس نے۔ اس نے۔ میرا گلا پکڑ لیا۔“

”تو یہ تمہاری گردن کے دونوں طرف جو نشانے ہیں وہ اسی کے ہیں؟“

”بھونرے نے مجھے مار ڈالا۔“

ہالت کی آنکھیں بند ہو گئیں اس پر غشی طاری ہو رہی تھی۔ انسپکٹر فلپ! مارے الجھن کے بے چین ہوئے جا رہے تھے۔ انہوں نے پوچھا۔

”یہ بھونرا کیا جاتا ہے؟ کیا مطلب ہے اس کا؟“

سڈنی نے جواب دیا۔

”انسپکٹر صاحب! میں بھونرے کا مطلب جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ ہالت کیا کہہ رہا ہے۔

بعد میں آپ کو سمجھا دوں گا۔ فی الحال مجھے ہالت سے کچھ پوچھ لینے دیجئے۔ کیونکہ وقت بہت کم ہے۔“

”ٹھیک ہے“ اکنز نے ہالت کی بغض ٹولتے ہوئے کہا۔ ”واقعی بہت کم ہے۔ چند سیکنڈ چند سیکنڈ۔“

”ہالت آج دوپہر سے شام تک تم مس مار جو رہے۔ لندن کے ساتھ رہے ہو۔ ہے نا۔“

ہالت نے آنکھیں کھولیں بغیر بڑی کوششوں کے بعد جواب دیا۔

”ہاں۔ دوپہر کو۔ شام کو۔ خدا مجھ پر رحم کرے۔“

”خدا تم پر ضرور رحم کرے گا۔ اور ہاں میں اس وقت کسی کو خدا کے رحم کی ضرورت ہے تو تمہیں ہے۔

ہالت۔ مس لندن تمہارے پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھی ٹھیک ہے؟“

”ہاں میرے کپڑے۔ خدا دے۔“

”اور اب مس لندن کہاں ہیں؟“

اب تک ہالت آنکھیں بند کئے بول رہا تھا۔ لیکن اب اس نے آنکھیں کھول دیں اس کی پائیاں اگر

میں سے پھیل گئیں اور خود ہالت پر ایک عجیب اضطراب طاری ہو گیا وہ زور کر کے بستر پر سے اٹھ بیٹھا پھر نیم دراز ہو گیا اور پھر مردہ آواز میں بولا۔

”بھونرا بھونرا بھونرا مس لندن کو مار دے گا۔ وہ انہیں قتل کرنے والا ہے۔“

ہالت لرز کر بستر پر جھٹکرا ڈاکٹر نے آگے بڑھ کر اس کا معائنہ کیا۔ ہم سب خاموش کھڑے تھے۔

”دوستو! یہ پہنچ گیا ڈاکٹر نے کہا۔“

دفوتہ کسی نے میرا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا۔ میں نے گھوم کر دیکھا یہ لنگھام تھے۔ ان کا رنگ زرد ہو رہا

تھا اور وہ خود کانپ رہے تھے۔

میں ڈاکٹر کی طرف گھوم گیا۔

”ڈاکٹر صاحب! تھوڑی برائڈری پیج رہی ہو تو مجھے دیجئے میرے دوست کو اس کی سخت ضرورت

ہے۔“

لنگھام مچی ہوئی برائڈری پیج گئے۔ برائڈری تیسرے درجہ کی تھی۔ لیکن بہر حال اس نے لنگھام کے

تھپتھپے ہوئے اعصاب کو سکون پذیر کر دیا۔

انسپکٹر مکان مالک سے مصروف گفتگو تھے۔

”مسز پنڈرن! اب تم بتاؤ کہ یہ سب کیا رہا ہے اور یہاں کیسا واقعہ ہوا ہے؟ یہ شخص کون ہے؟

یہاں کیسے آ گیا؟ اور یہ کہ اس کے ساتھ کون تھا؟“ دیکھو! لانا بیان سوچ سمجھ کر دینا اگر ضرورت ہوئی تو

تمہارے بیان کو خود تمہارے خلاف استعمال کیا جائے گا۔“

مسز پنڈرن نے دونوں ہاتھ کولہوں پر رکھے اور دیدے منکا کے بولیں۔

”واہ مسٹر فلپ! وہ تم تو مجھے یوں دھمکا رہے ہو جیسے کوئی میں وہ ہوں۔ اوجھی یہ عجیب الٹا دستور دیکھا۔

خون سفید ہو گیا ہے دنیا کا۔ میں بچاری نہ کسی کے لینے میں اور نہ دینے میں اور تم میرے سر ہو گئے۔ گویا

میں نے خون کیا ہے رتی یہ بات کہ کیا ہوا تھا یہاں سو میں جو جانتی ہوں کہہ دوں گی دھمکانے کی بولی

ضرورت نہیں۔“

”تو پھر کہو۔“

”کتنی ہوں بابا۔ تم تو گویا خلق پر نائن رکھے دیئے ہو۔ خواہ مخواہ مجھے ڈانٹ ڈپٹ رہے ہو اور اب

اگر میں بوٹھا جاؤں اور خواہ مخواہ سنسنی طاری کروں تو تم ہی کہو گے کہ میں جھوٹ کہتی ہوں۔ ہاں تو کوئی

ایک گھنٹہ پیشتر یا شاید دو گھنٹہ پیشتر اور میں منہ پہلے۔ وقت کو رہنے دو اپنی جگہ پر واقعہ بیان کرو تو میں

کہہ رہی تھی کہ کوئی ایک دو گھنٹہ پہلے کسی نے میرے دروازے پر دستک دی میں نے اٹھ کے دروازہ کھولا تو

وہ اپنی کوئی چیز بھول تو نہیں گیا؟ یہاں تک کہ میں نے اس آدمی کو دیکھا جو پلنگ اور دیوار کے درمیان پڑا ہوا تھا۔

”ڈاکٹر صاحب غرائے“

”اگر تم نے ذرا بھی غفلت کی ہے کام لیا ہوتا اور مجھے فوراً بلا بھیجا ہوتا تو اس وقت یہ شخص زندہ ہوتا۔“
”اب مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ شخص مرا نہیں ہے۔ میں تو اسے مردہ سمجھے ہوئے تھی۔ چنانچہ میں بھاگ بھاگ نیچے چلی گئی۔ اور آگسٹس بری کو تھانہ کی طرف دوڑا دیا۔“
”بس یہ جانتی ہوں میں اس واقعہ کے متعلق اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتی چنانچہ تمہارا سوال پر سوال پوچھنا بے کار ہے۔“

”تو پھر تمہارے خیال میں یہی چیخ رہا تھا؟“ انسپکٹر فلپ نے پلنگ پر پڑی ہوئی لاش کی طرف اشارہ کیا۔
”ج تو یہ ہے کہ مسٹر فلپ کہ اس کے متعلق میں کچھ نہیں جانتی مجھے تو وہ کسی عورت کی جینس معلوم ہوئی تھیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ عرب کے ساتھ کوئی عورت نہ تھی۔ ایک تو یہی صاحب تھے جو اللہ کی رحمت کو پہنچ گئے۔ اور دوسرا مرد اور تھا مسٹر فلپ تم کو اہر مٹا کہ اب میں کسی عرب کو کمرہ کرایہ پر نہ دوں گی۔“
”مسز بینڈر سن نے چھت کی طرف دیکھا جیسے وہ خدا کو حاضر ناظر جان کر اس بات کا حلف اٹھا رہی ہوں کہ کبھی کسی عرب کو کمرہ نہ دیں گی۔“

جب ہم مسز بینڈر سن کے گھر سے نکل رہے تھے تو پولیس کا ایک آدمی آیا اور اس نے ایک جینس انسپکٹر کی طرف بڑھادی موخر الذکر نے جینس پڑھی اور پھر مجھے دے دی۔ یہ جینس مقامی تھانہ نے بھجوائی تھی۔ اس کا مضمون یہ تھا۔

اطلاع ملی ہے کہ ایک عرب جو کہ اپنے سر پر بہت بڑا گٹھر لئے ہوئے ہے سینٹ پائکار اس ریلوے سٹیشن کے قریب دیکھا گیا ہے اس کے ساتھ ایک انگریز بھی ہے جو بھکاری معلوم ہوتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ وہ ریل کا انتظار کر رہے ہیں۔ غالباً اس ریل کا جو شمال کی طرف جاتی ہے کیا میں اطلاع دے دوں کہ ان دونوں کو روک لیا جائے؟“ میں نے نوٹ بک کے پہلے صفحہ پر یہ چند سطور لکھ دیں۔

”انہیں روک لیا جائے اور اگر وہ ریل پر سوار ہو چکے ہوں اور ریل روانہ ہوگئی ہو تو ایک سپیشل ہمارے لئے تیار رکھی جائے۔“

ایک بار پھر ہم تانگے میں تھے میں نے استغلام اور سنڈی کو ہر ممکن طریقے سے سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ لوٹ جائیں اور مجھے اس عرب کا تعاقب کرنے دیں۔ لیکن دونوں اس بات پر تیار نہ ہوئے۔ سنڈی

کیا دیکھتی ہوں کہ ایک عرب اپنے سر پر یہ بڑا گٹھر لئے کھڑا ہے۔ اس کے ساتھ دوسرے آدمی بھی ہیں۔ عرب نے کہا ایک رات کے لئے کمرہ چاہئے۔ ”کمرہ۔ کمرہ۔“ اب بات یہ ہے کہ میں بد سیوں کو بھوکا عربوں کو خصوصاً پسند نہیں کرتی۔ میں اسے کمرہ دینا نہ چاہتی تھی۔ لیکن اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتی عرب نے مٹھی بھر کے میرے ہاتھ میں رکھ دیئے اب روپیہ آخر روپیہ ہے اسے انگریز دے یا عرب روپیہ کی قیمت نہیں گنتی۔ اس کے علاوہ میں بد اخلاق اور بے مروت بھی نہیں ہوں پھر میں نے یہ بھی سوچا کہ اگر میں اسے کمرہ نہ دوں گی تو کوئی اور دے گا۔ چنانچہ میں اسے اس کمرے میں لے آئی۔ پھر میں نیچے چلی گئی دفعہ میں نے آوازیں سنیں جو اسی کمرے میں سے آرہی تھیں ”کیسی آوازیں تھیں وہ؟“

”جینے چلانے کی۔ میرے خدا!!۔ ایسی بھیانک آوازیں تھیں کہ اگر تم سنتے تو تمہارا بھی خون خشک ہو جاتا۔ میں یسوع مسیح کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ اتنی عمر ہونے کو آئی میری لیکن میں نے کبھی ایسی آوازیں نہ سنی تھیں۔ ہمارے یہاں بعض اوقات ایسے ویسے لوگ آجاتے ہیں۔ جو شور و غلب کرتے ہیں اور ایسے لوگ کہاں نہیں آتے لیکن ایسی آوازیں تو میں نے کبھی نہ سنی تھیں۔ میں کوئی ایک منٹ تک خاموش بیٹھی رہی کہ شاید آوازیں رک جائیں گی لیکن وہ نہ رکیں اب مجھے خوف ہوا کہ شاید دوسرے کرایہ دار دوڑے آئیں گے۔ چنانچہ میں اوپر آئی اور اس کمرے کے دروازے پر دستک دی میرے ہاتھ درد کرنے لگے لیکن دروازہ نہ کھولا اس عرب نے ”آوازیں رک گئیں؟“ ”رک گئیں؟“ وہ تو اور شدید ہو گئیں دے چیخ پر چیخ۔“
”کسی دوسری قسم کی بھی آوازیں آرہی تھیں کیا؟ مثلاً ہاتھ پائی یا سنسروں کی؟“

”جی نہیں۔ سوائے چیخوں کے میں نے کوئی اور آواز نہ سنی۔“

”ایک ہی آدمی چیخ رہا تھا۔“

”ہاں ایک ہی آدمی۔ دے چیخ پر چیخ۔ جب میں نے دروازے سے کان لگا کر سنا تو معلوم ہوا کہ دوسرا آدمی بڑبڑا رہا تھا۔ چنانچہ میں نے سوچا کہ اب دروازہ توڑنا پڑے گا۔ لیکن عرب اس وقت چیخ کر بولا۔ چلی جاؤ، چلی جاؤ، چلی جاؤ میں کرایہ دے چکا ہوں۔“ اب تو مجھے بھی غصہ آگیا اور تم جانو میرا غصہ بڑا خراب ہے۔ چنانچہ میں نے کہا مراو چلے نکل باہر۔ تو نے کمرہ کرایہ پر لیا ہے مکان تیرے پاپ کا نہیں ہے۔ اور دوسروں کا خیال ہی نہیں بس چیخ رہے ہیں جیسے جنگل میں ہوں۔ اگر پھر تم جینے تو میں تمہیں نکال دوں گی۔ یہاں سے اگر سیدھے سیدھے نہ نکلے تو پولیس کو بلاؤں گی۔“ اچھا پھر کیا ہوا؟

”یہ دیکھ کے کمرے میں خاموشی طاری ہوئی ہے۔ میں نیچے چلی گئی کوئی چند رہا میں منٹ کے بعد میں دروازے پر گئی وہاں مسز بیکر نے جو سامنے والے مکان میں رہتی ہیں مجھ سے کہا۔ تمہارا وہ عرب کرایہ دار تو زیادہ دیر نہ ٹھہرا میں نے حیرت سے مسز بیکر کی طرف دیکھا اور کہا میں کبھی نہیں کہتم کیا کہہ رہی ہو؟“
”مسز بیکر نے جواب دیا۔ میں نے اسے تمہارے یہاں آتے دیکھا تھا اور پھر میں نے اسے باہر جاتے دیکھا۔ وہ اپنے سر پر اتنا بڑا گٹھر اٹھائے ہوئے تھا کہ اس کے بوجھ سے وہ لڑکھڑا رہا تھا۔“

”اچھا!“ میں نے کہا۔ ”یہ نئی خبر سنائی تم نے کیونکہ مجھے تو معلوم ہی نہیں کہ وہ چلا گیا ہے۔“ چنانچہ میں پھر اوپر آئی اور کیا دیکھتی ہوں کہ کمرے کا دروازہ کھلا ہے اور کمرہ خالی پڑا ہے۔ مگر میں گھوم پھر کر دیکھنے لگی کہ

ان دونوں سٹیشنوں سے ایک گاڑی علی الصبح بل کے لئے روانہ ہوتی ہے یہ گاڑی جو کہ مل جاتی ہے لوکل ہے۔

”میں نہ اپنی گھڑی میں وقت دیکھا۔“

”اس وقت 12 بج کر 25 منٹ ہوئے ہیں اور گاڑی آدمی رات کو یعنی ٹھیک 12 بجے یہاں سے چھوٹی ہے چنانچہ اس وقت وہ کہاں ہوگی؟“

”سینٹ آلیان کے قریب وہاں وہ 12.35 کو پہنچتی ہے۔“

”تار بھیجنے کا وقت ہے۔“

”لیکن شاید کچھ نہ ہو سکے گا۔ میرا مطلب ہے پولیس بلائے کا وقت نہ ہوگا۔“

”لیکن آپ یہ تو بچھو سکتے ہیں کہ ریل وہاں پہنچی ہے یا نہیں اور اگر پہنچی تو وہیں ہے یا چھوٹ چکی ہے۔؟“

”ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ آپ کہیں تو یہ میں اسی وقت معلوم کر لوں؟“

”سینٹ الیان کے بعد دوسرا سٹیشن لون سا ہے۔“

”لیون جہاں یہ گاڑی بارہ اکیاون پہنچتی ہے۔ وہاں ریل رکتی نہیں۔ آپ کا تار روانہ کرنے کے بعد صرف بیس منٹ باقی رہ جاتے ہیں۔“

”لیون کا عملہ میں نہیں سمجھتا کہ اس وقت بیدار ہو۔ چنانچہ وہاں بھی تار کرنا فضول ہے۔ البتہ اگر آپ کہیں تو میں ایک سیدھا سا مشورہ دوں۔“

”فرمائیے۔“

”گاڑی ایک آتیس کو بیڈ فورڈ پہنچی ہے آپ تار وہاں بھیج دیں۔“

”بالکل ٹھیک۔ اچھا اب میں نے یہ بھی پیغام بھجوایا تھا۔ کہ آپ ہمارے لئے ایک تیشل تیار رکھیں کہاں وہ تیشل؟“

”انجن شید میں تیار کھڑا ہے۔ دس منٹ میں ہی آپ کی تیشل پلیٹ فارم پر پہنچ جائے گی۔“

”ایک بات اور بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں۔“

”آپ جب یہاں سے روانہ ہوں گے تو ایکسپریس کے بیڈ فورڈ پینچنے میں صرف بیس منٹ باقی رہ جائیں گے اور یہاں سے بیڈ فورڈ پینچس میل کا فیصلہ ہے۔“

”اگر آپ کی قسمت نے یاوری کی تو آپ ایکسپریس کے ساتھ یا اس کے فوراً بعد بیڈ فورڈ پہنچ جائیں گے۔ بشرطیکہ راستہ میں کوئی حادثہ نہ ہو جائے۔ تو میں اب تیشل تیار کرنے کا حکم دے دوں؟“

”فوراً دے دیجئے۔“

جب ناظر صاحب شید کے کارکنوں کو ٹیلی فون کر رہے تھے تو میں تار کا مضمون تیار کر رہا تھا۔ ٹیلی فون کرنے کے بعد ناظر صاحب واپس آئے۔

”کوئی دم میں آپ کی تیشل آیا ہی چاہتی ہے۔ میں آگے کی لائن کلیئر کرائے دیتا ہوں۔“

کی طرف سے میں مطمئن تھا لیکن لسنکھام کی حالت غیر ہو رہی تھی اور مجھے خوف ہو چلا تھا کہ وہ کہیں راستہ میں بے ہوش نہ ہو جائیں بہر حال میں نے انہیں مجبور کرنا مناسب نہ سمجھا۔

سینٹ یاٹکار اس کی زبردست محراب تلے نیم تار کی تھی سٹیشن ویرانہ تھا۔ پہلے تو مجھے خیال آیا کہ وہاں ہمیں ایک شخص بھی نہ ملے گا اور ہماری بھاگ دوڑ بیکار ہو جائے گی۔ ہم ٹکٹ گھر کی طرف چلے ہی تھے کہ ایک دروازہ کھلا روشنی کی موٹی سی لکیر اندھیرے پلیٹ فارم پر ریگ آئی اور ایک آواز نے پوچھا۔

”کون ہے؟“

”میرا نام شانیل ہے“ لام باؤس تھا نہ سے میرے نام کوئی پیغام بھی موصول ہوا ہے؟“

اس طرف تشریف لائیے۔

چنانچہ ہم اس طرف تشریف لے گئے یہ ایک چھوٹا سا دفتر تھا جس میں سٹیشن کے ناظر اپنی کرسی پر ڈٹے ہوئے تھے۔ یہ صاحب داڑھی والے اور دوہرے بدن کے تھے۔ انہوں نے مجھ کو سر سے پیر تک اور پھر پیر سے سر تک مشکوک نظروں سے دیکھا۔ لیکن انہوں نے لسنکھام کو فوراً پہنچایا چنانچہ وہ سر سے نوٹی اتار کے اتر لانا جھک گئے۔

”مسٹر لسنکھام؟“

”جی ہاں۔ مجھے ہی لسنکھام کہتے ہیں۔ کوئی پیغام ہے؟“

میں نے دیکھا کہ ناظر صاحب لسنکھام کی پہلی رنگت دیکھ کر اور پھٹی ہوئی آواز سن کر گڑبڑا گئے تھے۔

”مجھے تاکید کر دی گئی ہے کہ میں ایک خاص اطلاع ان صاحب کو دوں جن کا نام آکسٹن شانیل ہے“

میں ہی ہوں شانیل۔ کیا یہ وہ اطلاع؟“

”یہ اطلاع اسی عرب کے متعلق ہے جس کے متعلق آپ تفتیش کر رہے ہیں۔ ایک برٹش نے جو عربوں کے سے کپڑے پہنے اور سر پر بڑا سا شہر لٹے ہوئے تھا۔ بل جانے والی آدمی رات کے ایکسپریس کے دو ٹکٹ لئے ہیں کہاں کے ٹکٹ لئے ہیں؟“

”نیل کے“

”کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ ایک نوجوان تھا جو کہ بھکاری معلوم ہوتا تھا۔ دونوں اس وقت ساتھ نہ تھے۔ جب عرب ٹکٹ لینے آیا تھا۔ لیکن بعد میں دونوں ساتھ دیکھے گئے۔ عرب کے ڈبے میں بیٹھنے کے ایک یا دو منٹ بعد نوجوان آکر عرب کے ساتھ بیٹھ گیا۔ یہ دونوں انجن کے فوراً بعد والے ڈبے میں بیٹھے ہیں“

”انہیں رد کیا کیوں نہ کیا؟“

”معاف کیجئے گا۔ کسی بھی مسافر کو روکنے کا ہمیں حق نہیں ہے آپ کا پیغام آنے کے بعد ہمیں معلوم ہوا کہ آپ کو اس عرب کی تلاش ہے۔ اور آپ کا پیغام ابھی چند منٹ پہلے ملا ہے۔“

آپ نے کہا ہے کہ اس نے بل کے ٹکٹ لئے ہیں تو کیا یہ ایکسپریس سیدھی مل کو جاتی ہے؟“

”جی نہیں۔ اس کا ایک حصہ تو لیور پول ایکسپریس ہے اور ایک حصہ آگے سے کٹ کر کارلیل کو جاتا ہے۔ وہ عرب یا تو شیفلڈ یا پھر کنڈرتھ پر گاڑی بد لے گا۔“

”وہ تیار ہیں آپ کے؟“

”یہ لیجئے۔ یہ تار آپ کو بیذ فورڈ روان کرنا ہے۔“

تار کا مضمون یہ تھا۔

”اس عرب کو گرفتار کرو۔ جو کہ ایک انٹیس کی ایکسپریس میں سب سے اگلے ڈبے میں سفر کر رہا ہے۔

اس کے پاس ہبل کے دو ٹکٹ ہیں اور اس کے ساتھی کو بھی روک لو جو کہ بھکاریوں کے سے کپڑے پہنے ہوئے ہے۔ یہ ایک لڑکی ہے۔ جسے عرب نے لڑکوں کے کپڑے پہنا رکھے ہیں اس نے لڑکی پر پناہ مانگ کر دیا ہے۔ لڑکی کو ہبل میں پہنچا کے کسی اچھے سے ڈاکٹر کو فوراً طلب کیا جائے۔“

خرچ ہمارے ذمہ رہا۔ ہم ایک پیش گازی سے آ رہے ہیں عرب ممکن ہے تشدد سے کام لے۔ چنانچہ پولیس بلائی جائے اور یہ دوسرا تار آلبان کے لئے ہے۔ ممکن ہے یہ تار دیر میں پہنچے تاہم بھیج دیجئے۔ یہی تار لیون بھی بھیج دیجئے۔“

اس تار کا مضمون یہ تھا۔ ”کیا کوئی عرب اس ریل میں سفر کر رہا ہے۔ جو بارہ بجے سینٹ پائکار اس

سے روانہ ہوئی ہے اگر سفر کر رہا ہے تو اسے اس وقت تک اترنے نہ دیا جائے۔ جب تک کہ ریل بیذ فورڈ نہیں پہنچ جاتی اور اس کی گرفتاری کا حکم ملے۔“

ناظر صاحب نے دونوں تاروں پر غور کیا اور فرمایا۔

”بہ حد مناسب۔ میرے خیال میں اب آپ کا شکار بچ نہ سکے گا آئیے میں تاروں۔ آپ کی پیش

ہم تیار ہو گئی۔“

میں ہماری پیش تیار تھی اور نہ ہی وہ دس منٹ میں تیار ہوئی۔ جیسا کہ ناظر نے کہا تھا۔ خاص۔ ریل کے خاص ڈبے میں غالباً کچھ خرابی تھی۔ آخر کار ہم نے پہلے درجے کے ایک برائے ڈبے کو جوڑنے کا فیصلہ کیا۔ تاخیر بہر حال ہر آمد ثابت ہوئی جب انجن اپنا اکلوتا ڈبے لئے پلیٹ فارم کی طرف آہستہ آہستہ آ رہا تھا تو ایک شخص لفافے لئے دوڑتا ہوا آیا۔

”سینٹ آلبان سے تار آیا ہے۔“

میں نے لفافہ چاک کیا۔ تار کا مضمون مختصر مگر جامع تھا ”ایکسپریس یہاں سے روانہ ہوئی تو عرب

اپنے ساتھی کے ساتھ اس میں موجود تھا۔ لیون تار کر رہا ہوں۔“

”بس ٹھیک ہے۔ اگر کوئی غیر متوقع بات نہ ہوئی تو ہم اسے جالیں گے۔“

میں ہماری پیش گازی کے گارڈ اور ناظر کے ساتھ ڈرائیور کے پاس پہنچا کہ اسے مناسب ہدایات دے

دوں۔

”میں نے ڈرائیور سے کہہ دیا ہے کہ وہ کوئی استعمال کرنے میں گھوسی نہ کرے اور ایکسپریس کے بیذ

فورڈ پہنچنے کے کم سے کم پانچ منٹ بعد آپ کو وہاں پہنچا دے اور ڈرائیور کا کہنا ہے کہ وہ آپ کو وقت پر وہاں

پہنچا دے گا۔“

ڈرائیور انجن کی کھڑکی میں سے باہر ہکا تیل سے آلودہ میلے رومال سے اپنے ہاتھ صاف کر رہا تھا وہ

اگرے بدن کا خوش مزاج آدمی تھا۔

”میرے خیال میں میں آپ کو ایکسپریس کے فوراً بعد بیذ فورڈ پہنچا دوں گا۔“ ڈرائیور نے کہا۔ ”ہاں

التر راستے میں کوئی مال گاڑی شٹنگ کر رہی ہوگی تو پھر ہمارا راستہ رک جائے گا۔ یا پھر کوئی حادثہ ہمیں روک

سکتا ہے۔ لیکن ناظر صاحب کہتے ہیں کہ وہ ان گلیہ کرادیں گے۔“

سڈنی چیخ میں بول پڑا۔

”ڈرائیور بھائی! اگر تم نے ایکسپریس کے پانچ منٹ بعد بھی ہمیں بیذ فورڈ پہنچا دیا تو میں تمہیں ایک

تہہ پورے پانچ پونڈ انعام دوں گا۔“ ڈرائیور مسکرایا۔

”جناب۔ ہم وقت پر وہاں پہنچ جائیں گے بیذ فورڈ گاڑی لے جانے کے لئے ہمیں پانچ پونڈ بھی

نہیں ملے۔ چنانچہ ہم یہ انعام حاصل کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔“

آگ جھونکنے والے نے ڈرائیور کے پیچھے سے جھانک کے کہا۔

”ٹھیک ہے جناب۔ افسوس ہے کہ آپ کو پانچ پونڈ کے نوٹ سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔“

سٹیشن چھوڑتے ہی ہماری گاڑی کی رفتار تیز ہو گئی سڈنی بے چین نظر آ رہا تھا وہ اور خود میں بھی

مناسب رفتار کی گاڑی میں سفر کرنے کا عادی تھا لیکن یہ پیش تھی کہ ہوا کو بھی پیچھے چھوڑے جا رہی تھی ڈبے

کی کمائیاں چرچا رہی تھیں۔ وہ پٹری پر بری طرح ڈول رہا تھا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ ہم بھی جھکولے

کھا رہے تھے۔ ابھی تو میں ایک دھکے کے ساتھ (چیل کر سڈنی کی کود میں جا بیٹھتا اور ابھی سڈنی لنگھام

سے بغل گیر نظر آتا تھا۔ ریل کی رفتار اور تیز ہوئی اور ڈبے میں اچھلنا کودنا بڑھ گیا حقیقت میں ہمارے

پیٹ کا پانی مل گیا اونٹ پر بیٹھا ہوا آدمی بھی اس طرح نہ ہلتا ہوگا جس طرح کے ہم مل رہے تھے ریل کی

رفتار اور تیز ہوئی۔ ہمارے سر آپس میں ٹکرائے جدا ہوئے اور پھر ٹکرائے انجن کی پھٹکار اور ڈبے کی پیہویوں

کی گھڑ گھڑاہٹ کا نوں کے پروے پھاڑے دے رہی تھی کہتے ہیں اونٹ کی سواری بہت تکلیف دہ ہوتی

ہے لیکن ہماری ریل کی سواری اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ ثابت ہو رہی تھی دنیا ٹھوم رہی تھی ہمارے

سر ٹھوم رہے تھے دل بھی ایڑی میں دھڑکتا تھا اور بھی لپٹی میں۔

ڈرائیور بہت جوش میں تھا اس وقت چنانچہ رفتار اور تیز ہوئی ”میرے خدا؟“ ”سڈنی چیخا۔“ یہ شخص

پانچ پونڈ حاصل کرنے کا مصمم ارادہ کر چکا ہے خدا کرے کہ میں اسے انعام دینے کے لئے زندہ رہوں۔“

سڈنی سامنے کی نشست پر بیٹھا ہوا تھا لیکن یہ بات کہنے کے لئے اسے پیچھے ہٹنا پڑا تھا

لنگھام خاموش تھے اور ان کے بشرے سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ بہت حد تک اپنے اظہار پر قابو حاصل کر

چکے تھے۔ ریل شور مچاتی بھاتی جا رہی تھی۔ سڈنی نے کھڑکی میں سے گردن باہر نکالی لیکن پھر فوراً ہی اندر

پھینچ لی اور چیخ کے بولا۔

”ہم کہاں ہیں اس وقت؟“ میں نے اپنی گھڑی میں وقت دیکھا اور چیخ کر جواب دیا۔ ایک بج رہا

ہے چنانچہ ہم لیون کے کہیں آس پاس ہیں ارے کیا ہوا اب؟“

کچھ ہوا ضرور تھا انجن نے ایک زوردار طویل سیٹی دی اور چند سیکنڈ بعد ہی ہم نے بریکوں کی آواز سنی

جس اس کی طرف بڑھا جو ہاتھ میں بیوقوف کے ہمارے گارڈ سے مصروف تھا۔ قریب پہنچ کر دیکھا وہ دروئی پہنے ہوئے تھا۔
 ”آپ ہی بارہ کے ایکسپریس کے گارڈ ہیں؟“ میں نے پوچھا۔
 ”جی ہاں۔“
 ”تو آپ کی گاڑی کہاں ہے۔؟“
 ”کیا ہوا۔۔۔؟“

”گاڑی کہاں ہے۔ کا جواب تو یہ ہے کہ گاڑی وہ پڑی ہے سامنے اب رہا یہ سوال کہ کیا ہوا۔ تو صاحب حادثہ ہوا۔ کچھ مرکل گیا۔“
 ”کیا مطلب؟ یعنی کیسا حادثہ؟ کیسا کچھ مر؟“

”صاحب آگے جاتی ہوئی ایک مال گاڑی کے آخری چند ڈبے چھوٹ گئے کسی طرح۔ بہت سامان بھرا ہوا تھا۔ ان ڈبوں میں اس طرف ذرا اعلان ہے۔ چنانچہ ڈبے بھاگتے ہوئے آئے اور ہماری گاڑی سے ٹکرا گئے۔“

ادھر ہماری گاڑی بھی پوری سپید میں تھی چنانچہ کچھ مرکل گیا۔
 ”کب ہوا یہ حادثہ؟“

”ابھی کوئی دس منٹ پہلے۔“ میں سٹیل پاس کی طرف جو یہاں سے دو میل دور ہے۔ جانے ہی والا تھا کہ آپ کی پشیل کو آتے دیکھا میرے خدا میں تو طبعاً کیا کہ اب دوسرا حادثہ ہوا چاہتا ہے۔
 ”زیادہ نقصان ہوا ہے؟“

”کہا۔ نامیں نے کہ کچھ مرکل گیا ہے گاڑی کے اگلے ڈبے ایک دوسرے میں ٹکس گئے ہیں، تیس سال سے میں نوکری کر رہا ہوں اور میری گاڑی کا یہ پہلا حادثہ ہے۔“
 ایکسپریس کے گارڈ کی صورت اندھیرے میں دیکھی نہ جاسکتی تھی۔ لیکن اس کی آواز سے معلوم ہوا کہ وہ دروہا ہے یا روئے کے قریب ہے۔

ہمارے گارڈ نے پشیل کے انجن ڈرائیور سے کہا۔
 ”تم واپس جاؤ اور اس حادثہ کی اطلاع دو۔“

”بہت اچھا“ جواب آیا۔
 فوراً ہی ہماری پشیل الٹی چلی۔ انجن سیٹی پر سیٹی دے رہا تھا اور اتنے زور سے کہ آس پاس کے دیبا توں میں حادثہ کی خبر پہنچ گئی ہوئی۔

ایکسپریس جس کے ساتھ وہ ٹکرا گئے تھے اندھیرے میں پڑی ہوئی تھی۔ دیکوں کی ٹکرا اور پھر خود ایکسپریس کے جھٹکنے سے ریل کی ساری بتیاں بجھ گئیں کسی جگہ کسی مسافر نے کوئی موم بتی جلا دی تھی۔ کہیں کوئی کوئی دیا سلا کی کی تیلیاں جلا رہا تھا۔ لوگ پڑی کے قریب ٹولے ہوئے ڈبے کے تختے جمع کر رہے تھے کہ انہیں جلا کر روشنی کریں۔

اکثر مسافر باہر نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ اور اب وہ پڑی کے قریب ادھر ادھر گھوم رہے تھے۔ لیکن اب بھی بہت سے مسافر ڈبوں میں قید تھے۔ ڈبوں کے دروازے اس بری طرح پھنسے ہوئے تھے

جو پڑیوں پر گھسٹ رہی تھی ”خز“ کی آوازوں کے بعد ایک دھککا اور ہم اپنی اپنی نشستوں پر ٹھٹھک گئے۔ پھر اٹھے تو سب سے پہلا احساس یہ ہوا کہ، نیا میں سکون آپکا تھا قیامت کا سکون یعنی ریل ایک دم سے رکت گئی تھی اور اس کی تمام آوازیں خاموش ہو چکی تھیں۔
 میں نے اپنی طرف کی اور سڈنی نے اپنی طرف کی کھڑکی کا پتہ اٹھا دیا سڈنی کھڑکی میں سے گردن نکال کر چیخا۔

”یہ لڑ بڑ کیا ہے پار؟“ وہ ناظر صاحب کا الائن کیسرو والا تار معلوم ہوتا ہے بے اثر رہا۔ یا پھر ہم لیون پر رکت گئے ہیں یہ بیوقوف نہیں ہو سکتا۔“

بہر حال یہ تو صاف ظاہر تھا کہ جہاں ہم رکے تھے وہ بیوقوف نہ تھا ابتدا میں تو کچھ دیکھ ہی نہ سکا۔ ڈبے کی شونیوں سے مجھے چکر آ گئے تھے اور میرا جیجا بل گیا تھا۔ اس کے علاوہ باہر اندھیرا تھا جس کی وجہ سے میں فوراً ہی کچھ دیکھ نہ سکا۔ جب میری آنکھیں اندھیرے کی عادی ہوئیں تو میں نے دیکھا کہ گارڈ اپنے کپارٹمنٹ کا دروازہ کھول رہا تھا وہ ایک ٹائٹل تک دروازے میں کھڑا رہا اور پھر بتی ہاتھ میں لئے ہوئے اتر آیا۔

”کیا بات ہے۔“ میں نے پوچھا۔

”جانے کیا بات ہے صاحب“ معلوم ہوتا ہے بیسے پڑی پر کچھ لڑ بڑ ہے کیا بات ہے بھئی؟“

یہ سوال ذرا نیور سے پوچھا گیا تھا۔ اس نے جواب دیا۔

”آگے الائن پر کوئی ال ٹی ہلا رہا تھا۔ وہ تو شکر ہے کہ اتفاقاً میری نظر سامنے کی طرف اٹھ گئی۔ ورنہ خدا جانے کیا ہو جاتا۔ وہ آ رہا ہے آدمی۔“

میں نے دیکھا کہ ایک سایہ ال ٹی ہلاتا ہماری طرف بھاگا آ رہا تھا ہمارا گارڈ اس کے استقبال کو بڑھا۔ ابھی وہ کافی دور تھا کہ ہمارے گارڈ نے چیخ کر پوچھا۔
 ”کیا ہوا۔“

ایک آواز نے جواب دیا۔

”ارے ہو تم؟ میں تو سمجھا کہ تم نہ رو گئے۔“

ہمارا گارڈ مسکرایا۔

”تو یہ تم ہو تم؟“ یہاں کیا کر رہے ہو ایس؟ آخر ہوا کیا؟ تم تو بارہ کی ہی ایکسپریس میں تھے۔ اور ہمارا تعاقب کر رہے تھے۔“

”اگر ہمارا تعاقب کر رہے تھے تو تم نے ہمیں آلیا ہے اور خدا کا شکر ہے کہ تم آ گئے۔ یا حادثہ ہو گیا ہے زبردست۔“

اس اثناء میں کپارٹمنٹ کا دروازہ کھل چکا تھا اور ہم تینوں نیچے اتر آئے تھے

تھے کہ ضروری آلات کے بغیر ان کا کھلونا ممکن نہ تھا۔ ہم بچے کے قریب پہنچے۔ تو چٹخیں ساری ریں اور پوریں مرد اور بچے چلا رہے تھے۔

”دروازہ کھولو۔ خدا کے لئے دروازہ کھولو۔“

ہم جب ڈبے کے قریب سے گزرے اس میں سے یہی آوازیں آئیں۔ گارڈ انہیں سمجھانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔

”گھبراؤ نہیں، گھبراؤ نہیں، محترمہ! صبر سے کام لو۔ اسے بھائی جلدی نہ بچاؤ۔ ضروری اوزار کے بغیر دروازے نہیں کھولے جاسکتے صاحب ابھی ابھی ایک کیمیکل اوزار لانے گئی ہے۔ اطمینان اور سکون سے بیٹھ رہو رادیر اندر تم بائبل محفوظ ہو۔“

لیکن یہ وہ نہ کر سکتے تھے۔ یعنی اطمینان و سکون سے بیٹھ نہ سکتے تھے۔

ریل کا اگلا حصہ بڑی گلدھ حالت میں تھا۔ وہ بیگن جنہوں نے نمرات کی تھی۔ چھ تھے اور ان میں سینٹ کے تھیلے بھرے ہوئے تھے مگر کی وجہ سے سینٹ کے تھیلے پھٹ گئے تھے اور ہر طرف سینٹ بھری پڑی تھی فضا میں بھی سینٹ تیر رہی تھی۔ اور ہماری آنکھوں اور ناک میں جلن پیدا کر رہی تھی۔ ایک سپر ایس کا اجن باقاعدہ قلابازی کھا رہا تھا اور ایک طرف بڑا دھواں اور دھواں اگل رہا تھا۔

اگلے ڈبوں کا جیسا کارڈ لے رہا تھا۔ کچھ اٹھ گیا تھا دو تین ڈبے ایک دوسرے میں گھس گئے تھے۔ چنانچہ وہاں تنکوں کے انبار کے علاوہ اور کچھ نہیں رہا تھا۔

ہم نے سب سے اگلے ڈبے میں گھسنے کی کوشش کی اور ہماری یہ کوشش اس وقت تک جاری رہی۔ جب تک کہ سورج طلوع نہ ہو گیا۔ دن کافی چڑھ چکا تھا۔ جب ہم پہلے ڈبے کے مٹے کے اندر گھسنے میں کامیاب ہو گئے۔

اندر چلے ہوئے کھل کے ٹکڑے سوٹی اور دھبھی کپڑے کی دھجیاں بکھری پڑی تھیں۔ یہ دھجیاں اس وقت میرے پاس موجود ہیں ماہروں کا کہنا ہے کہ یہ دھجیاں نہ دھبھی ہیں اور نہ سوٹی ہیں بلکہ کسی ایسی چیز کی ہیں جس کا پتہ لگانا ممکن نہیں۔ ڈبے کی نشانیوں میں نمونہ ماہریش پر خصوصاً بڑے بڑے ڈبے تھے۔ یہ تازہ اور گیلے تھے اور ان میں سے مٹی آئیز بوائیڈ رہی تھی۔ فرش کے تختے کا ایک ٹکڑا جس پر یہ دھبہ موجود ہے اس وقت میرے پاس محفوظ ہے۔ باہرین اس دھبے کے متعلق مختلف الزامے ہیں۔ بعضوں کا کہنا ہے کہ یہ انسانی خون کا دھبہ ہے کسی ایسے شخص کے خون کا جو غیر معمولی بلکہ مافوق الفطرت طور پر گرم ہے بعضوں نے کہا ہے کہ یہ کسی وحشی درندے کے خون کا دھبہ ہے۔ غالباً جلی کے نسل کے کسی جانور کا لیکن تیسرے گروہ نے بڑے یقین سے کہا ہے کہ یہ خون نہیں بلکہ روغن ہے۔ چوتھے گروہ کی رپورٹ کے الفاظ میں میں یہاں نقل کرتا ہوں ”یہ کسی لیسل دار جانور کے خون کے دانے ہیں غالباً چھپکلی کی نسل کے کسی جانور کے پچکنے سے یہ دانے بن گئے ہیں۔“

کمپارٹمنٹ کے ایک کونے میں ایک نو جوان پڑا ہوا تھا۔ یہ مس مار جوڑے لنڈان تھیں۔

اس میں کچھ ملا ڈبے کے کونے کے مٹے میں سے۔

ان واقعات کو جن کا ذکر پچھلے صفحات میں کر چکا ہوں اور جن میں خود میں نے ایک اہم یا غیر اہم کردار ادا کیا تھا کئی سال گزر چکے ہیں کتنے سال؟ یہ بتانے کی نہ اجازت ہے اور نہ ضرورت۔ مس مار جوڑے لنڈان میں بفضل خدا زندہ ہیں اور تندرست جس وقت ہم نے انہیں ڈبے کے مٹے میں پڑے پایا تھا تو اس وقت وہ زندگی سے دور اور موت سے قریب تھیں۔ ان کے جسم میں حیات کی ایک چمک باری باری صحنے ہو رہی تھی اور ان تھک کوششوں کے بعد شعلہ بنا دیا گیا لیکن یہ کام آسان نہیں تھا مس لنڈان کو رو بہ صحت ہونے میں دن بھر یا مہینے نہیں بلکہ سال لگ گئے جسمانی طور پر صحت یاب ہونے کے بعد بھی ان کا دماغی توازن بگڑا رہا اور پورے تین سال تک وہ ایک پاگل خانے میں رہیں جو کچھ ڈاکٹروں کے اختیار میں تھا کیا گیا کوئی کسر اٹھا نہ رہی تھی آخر کار یہ کوشش رنگ لائی اور مس لنڈان پوری طرح صحت یاب ہو گئیں ان کے والد کا انتقال ہو چکا ہے اور مس لنڈان پوری جاگیر اوکی بلا شرکت غیر سے مالک ہیں اب وہ اس مشہور ہستی کی بیوی ہیں جس سے آپ ان اوراق کے ذریعے متعارف ہوئے ہیں یعنی پالی سنگھام۔ مس لنڈان کو نہیں بتایا گیا کہ ایک دفعہ وہ بچے پرانے اور غلط کپڑوں میں لنڈان کی سڑکوں پر گھومی تھیں خود انہوں نے اس کا ذکر نہیں کیا چنانچہ میں سمجھتا ہوں کہ وہ اس واقعہ سے بے خبر ہیں دوسری عجیب بات یہ ہوئی کہ اپنے حواس میں آنے کے بعد مس لنڈان پچھلے واقعات کو صریحاً بھلا چکی ہیں۔ چنانچہ وہ نہیں جانتیں کہ ان کے ساتھ کیا واقعہ ہوا۔ اور اس عجیب مخلوق کا کیا بنا۔ جو خدا جانے انہیں کہاں لے جا رہا تھا چنانچہ اب تک ایک راز ہی رہا کہ وہ جو بقول سہنی عورت تھی۔ کون سی؟ کہاں سے آئی تھی۔ کیوں آئی تھی اور کہاں گئی۔

اس کے بعد پالی سنگھام کو خیال پیکرواں اور بھونکنے پریشان نہیں کیا۔ اب وہ آسیب زدہ نہیں ہیں۔ تاہم بھونکنے کے نام سے انہیں کھن آتی ہے۔ اگر کسی محفل میں بھونکے یا بھونکوں کا ذکر پھڑ گیا ہو تو سنگھام وہاں سے ہٹ آتے ہیں۔

اس کتاب کو ختم کرنے سے پہلے ایک بات کہہ دینا ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ اس کے بغیر یہ کہانی گویا ادھوری رہ جائے گی۔

حال ہی میں ڈاکٹروں کے قریب ایک واقعہ ہوا ہے کہ خون لگانے والوں کا ایک قافلہ مصر کے ریگستان کے ایک دور افتادہ خطے میں قیام پذیر تھا کہ ایک رات ایک زبردست دھماکہ کی آواز سے قافلے والوں کی آنکھ کھل گئی۔ دوسری صبح پڑاؤ سے کوئی دو میل دور قافلے والوں کو ایک زبردست خطرہ نظر آیا جیسے کسی نے بارود لگا کر سرنگ اڑائی ہو۔ کھد میں اور اس کے چاروں طرف گوشت کے ٹکڑے اور انہیں پڑی ہوئی تھیں۔ دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ وہ انہیں نہ مردوں کی تھیں اور نہ عورتوں کی بلکہ کسی قسم کے زبردست جانوروں کی تھیں کیونکہ ان لاشوں کا ساخت مختلف طریقے سے معائنہ کیا گیا اور نہ ہی کوئی نتیجہ اخذ کیا گیا۔ چنانچہ میں کہتا ہوں اور یقین سے کہتا ہوں کہ ان اجسام اور اس کے ٹکڑوں کو دیکھنے والوں نے غلطی سے انہیں کسی قسم کے جانوروں کی لاشیں اور اعضا سمجھ لیا۔

ایک بات اور۔ اسی کھد میں اور اسی کے آس پاس پتھروں اور دھات کے ایسے بہت سے ٹکڑے ملے تھے۔ جن کے ذریعے سے آسانی سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ زیر زمین کوئی خفیہ عمارت تھی جو خدا جانے کس طرح بھٹک سے اڑ گئی۔ کسی قسم کے خاص دھات کے ٹکڑے بھی دستیاب ہوئے تھے کسی عظیم

الشان بت کے ٹکڑے تھے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ شیطانوں کا وہ بھٹ جس کی تفصیل لسنھام نے بیان کی تھی اس طرح ختم ہو گیا۔ تاہم چند حقائق اور اس کھڈ میں سے جو کچھ برآمد ہوا ہے اس کے پیش نظر اندازہ تو یہی ہے کہ اس معبد دیوی اور اس کے پرستاروں کا خاتمہ ہو چکا ہے اور خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔

یہ بھی سن لیجئے کہ اب ہمارے دوست سڈنی آتھرن کنوارے نہیں ہیں۔ انہوں نے مس ڈورا گرے لنگ سے شادی کر لی ہے مس ڈورا بلکہ مسز آتھرن اپنے ساتھ بہت سی دولت لائی ہیں چنانچہ اب سڈنی کا شمار لنڈن کی امیر ترین خستوں میں ہوتا ہے کہتے ہیں کہ ڈورا کو سڈنی سے محبت ہو گئی تھی یہ اس کہانی کا آغاز تھا۔ انجام اس کا یہ ہوا کہ آخر کار سڈنی بھی ڈورا سے محبت کرنے لگا۔ اور دونوں نے نہایت ٹھانھ سے شادی رچالی سڈنی بدستور سائنسدان ہے اور نئی ایجادات کے پیچھے دیوانہ ہو رہا ہے۔

سڈنی کی شادی کی رسم میں اس کا ایک دوست بھی موجود تھا یہ صاحب تھے پری دوڈرلے بعد میں پری نے بھی مسز سڈنی کی ایک سہیلی سے شادی کر لی اب پری صاحب ”ارل آف بارنٹس“ ہیں۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ مسٹر ہالٹ کی موت کس طرح واقع ہوئی۔ کارور کی جیوری نے ”بھوک اور تھکن“ ان کی موت کی وجہ بتائی ہے۔ مسٹر ہالٹ قریبی قبرستان میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔ ان کی قبر کا کتبہ نہایت عمدہ اور نفیس ہے اتنا ہی رویہ جتنا کہ ان کی قبر کے کتبے پر صرف ہوا ہے اگر انہیں زندگی میں مل جاتا تو ان کا انجام یہ نہ ہوتا یہ ہے زندگی کا ایک المیہ۔

اس کتاب کا وہ حصہ جس کا عنوان ”راپرٹ ہالٹ کا حیرت انگیز بیان“ ہے انکی ان باتوں سے تیار کیا گیا ہے جو انہوں نے سڈنی اور مار جوری کو اس وقت بتائیں۔ جب وہ موخر الذکر کے گھر میں بستر پر پڑے ہوئے تھے۔

وہ حصہ جو مس مار جوری کی زبانی ہے خود انہوں نے لکھا ہے۔ جب وہ جسمانی طور پر تندرست ہو رہی تھیں لیکن دماغی طور پر پاگل پننے کی سرحد پر تھیں اور گزشتہ واقعات کو پوری طرح بھولی نہ تھیں اور وقت گزاری کے لئے کچھ لکھ لیا کرتی تھیں انہوں نے ان واقعات کو بار بار لکھا۔ اور پھر اپنے تمام مسودات نذر آتش کر دیئے۔ صرف ایک مسودہ اتفاقاً بچ رہا یہی وہ مسودہ ہے جو کہ قارئین کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ اب رہا ہے وہ ”بھونرا“۔ اور اس کا معنی تو میں اس کے متعلق یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ سڈنی کے ساتھ میں نے اس موضوع پر کئی دفعہ بحث کی ہے لیکن ہم کسی اطمینان بخش نتیجہ پر نہیں پہنچ پائے ہیں۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں اپنے پہلے تجربات کی بناء پر یقین سے کہتا ہوں کہ دنیا میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن کا سراغ نہ سائنسدان لگا سکے ہیں اور نہ فلسفی چنانچہ وہ چیز جسے ”بھونرا“ کہا گیا ہے اور جسے دوسروں نے تو دیکھا لیکن میں نے نہیں دیکھا۔ اسی قسم کی ایک چیز بھی یا شاید ہے (کیونکہ یہ یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ وہ صفی ہستی سے مٹ گئی ہے)۔

چنانچہ ”بھونرا“۔ ایک ایسی مخلوق تھی جو کہ نہ خدا سے پیدا ہوئی تھی اور نہ انسان سے۔ بلکہ شاید اسے شیطان نے پیدا کیا تھا۔ اور غالباً وہ شیطان کے پاس ہی پہنچ گئی۔